جامعہ ملیہ اسلامیہ علی گڑھ کو

نیاز فتحپوری

سلسلۂ بلقیسیہ

(۱)

گہوارۂ تمدن

اثر:

نیاز فتحپوری

سلسلۂ بلقیسیہ

(۱)

گہوارۂ تمدّن

یعنی

اُردو زبان میں اپنی قسم کی سب سے پہلی تصنیف جس میں ثابت کیا گیا ہی کہ
عورت نے ازمنۂ قدیمہ میں تہذیبِ ارتقائے عالم کا کس قدر ساتھ دیا
اور دنیا کی شایستگی اور مدنیت عورت کی کس درجہ ممنون ہی

اثر:

جناب مولانا نیاز فتحپوری

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی

مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ کالج میں ۱۳۳۸ھ ۱۹۱۹ء طبع ہوئی

(اور تاج محل بھوپال سے شایع ہوئی)

فہرست مضامین

انتساب

مانا کہ لعل و گہر، بغیر کسی وصفِ اضافی کے بھی، دنیا میں اک مستقل امتیاز رکھتے ہیں؛ لیکن اُن کا حقیقی شرف تو اُس طرفِ گلہ سے وابستہ ہے، جہاں جگمگانے کے لیئے وہ حقیقتاً وضع ہوئے ہیں۔ اِس لیئے اگر میں ان اوراق کو

علیا حضرت، بلقیس مرتبت، نوشیرواں نصفت، گردوں رکاب، والا جناب، نواب سلطان جہاں بیگم، جی سی ایس آئی۔ جی سی آئی اِی۔ جی بی ای۔ ادامہا اللہ بالعز والکمال فرمانروائے

دار الاقبال بھوپال

کے اسم گرامی سے منسوب کرنے کی عزت حاصل کر کے سرفراز و مفتخر ہوں، تو جائے حیرت نہیں، کیونکہ اربابِ نظر لعل و گہر کو نہیں، بلکہ

"عروجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہیں"

نیاز

تعارف

دنیا ترقی کرتی جا رہی ہے، اور اس کی رفتارِ ترقی اس قدر سریع ہے کہ آسانی سے نہ کوئی تاریخ اس کا تعاقب کر سکتی ہے، اور نہ کسی کی قوتِ خیال
لیکن ہندوستان، معلوم ہوتا ہے کہ دنیا سے الگ ایک حصۂ زمین ہے، جہاں نہ قوموں کے عروج و زوال کا فلسفہ اپنا کوئی اثر رکھتا ہے اور نہ اصولِ ارتقا، اپنی کوئی قوت۔

انسان کے لیے تفریح، یقیناً ضروری چیز ہے، لیکن ایک بیکار و معطل دماغ، ایک غیر متحرک نظامِ عصبی، ساری عمر راحت و لطف کی جستجو کرے، مگر وہ اسے حاصل نہیں کر سکتا، کیونکہ راحت نام ہے صرف ازالۂ خستگی کا۔ ایک طائر کے نازک پر و بال، تمام دن حرکت کرنے کے بعد شام کو

یہ نعمت حاصل کر سکتے ہیں، لیکن ایک پہاڑ کے بازو جو اپنے جمود میں اس لطف کو کھو چکے ہیں کیا توقع قایم کرینگے؟

اگر کوئی قوم، اپنے دماغ کو مطالعۂ علوم و فنون کے بعد، ادبِ لطیف کی تلاش کہے، تو اُس کو حق حاصل ہی، کیونکہ دماغ کی خستگی کو سکون کی ضرورت ہی اور ادبِ لطیف بہترین تسکین دماغ! لیکن ہندوستان میں ایک قوم ایسی ہی، جو پانی کی طلبگار رہی، حال آنکہ اُسے پیاس نہیں، جو غذا کی متمنی ہی، حال آنکہ اُسے بھوک نہیں۔ اُس نے کوئی دماغی محنت نہیں کی، لیکن وہ صرف قصص وحکایات پسند کرتی ہی۔ فطرت اس لایعنی آرزو پر ہنستی ہی۔ دوسری قوموں کو اپنے مشاغل سے اس کی بھی فرصت نہیں۔

دماغ اوّل اوّل ہمیشہ اُس کام سے انحراف کرتا ہی، جس پر اُسے غور کرنا پڑے۔ لیکن اگر ذرا تکلیف برداشت کرکے اُسے تفکر و تدبر کا عادی بنا دیا جائے، تو پھر اُس کے لیئے اِس سے زیادہ دلچسپ مشغلہ اور کوئی نہیں، کہ وہ دو چیزوں کے رابطۂ باہمی کو دیکھ کر تیسری چیز پر حکم لگایا کرے۔ یہاں ہی

اصل فلسفہ اور یہی ترقی کا نہاں راز۔

یوں تو، تم اس کے لیے بیقرار رہتے ہو کہ شہر میں رات کیا حادثہ پیش آیا، محلّہ میں فلاں واقعہ کیونکر ہوا؟ لیکن تمھاری تلاش وجستجو کے لیے، تمھارے محلّہ اور شہر سے زیادہ وسیع ساری زمین موجود ہے۔ پھر کیوں نہیں غور کرتے؟ تم سے قبل اِس پر کیا واقعات گزر چکے ہیں، غالباً تمھارے لیے اس میں بہت زیادہ سامانِ دلچسپی موجود ہوگا!

تم جب یہ جان لیتے ہو کہ فلاں شخص نے کوئی احسان کیا ہے، تو تم اسکی عزّت کرنے لگتے ہو، پھر کیوں نہیں عزت کرتے اپنی نوع میں اُس جنس کی جس نے تم پر بڑے بڑے احسانات کیئے ہیں اور جس کی عزت کرنا تمھارے اوپر نہ صرف اس لیے فرض ہے کہ تمھاری زندگی اُس کی رہینِ منّت ہے بلکہ اس لیئے بھی کہ اگر تم ترقی کر سکتے ہو تو صرف اُسی کے خیالِ احترام کے ساتھ اور اسی کی عزت کو پیشِ نظر رکھ کر۔

کسی کی عزت کرنا حقیقتاً اُس کے اخلاق کو بلند کردینا ہے۔ عورت کی عزت کرو تاکہ اُس کے اخلاق بلند ہوں۔ اُس کے اخلاق بلند کرو تاکہ تمھاری نسل میں خلقِ حسن پیدا ہو، کہ یہی ہے حقیقی بنیاد ایک قوم کی ترقی کی۔

تم کہتے ہو کہ موت سے ڈر لگتا ہے، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم اُس کے طلب کرنے پر مصر ہو، کیونکہ حقیقی موت جسم نہیں بلکہ روح کا فنا ہوجانا ہے اور روح کا فنا ہونا، یہی ہے کہ تم اُسے کائنات کے علم سے بے بہرہ رکھو اور اپنے اخلاق کو پست۔

اس لیے اگر تمھیں کوئی ہستی ایسی نظر آئے، جو اپنی قوم کا سچا درد دل میں رکھتی ہے، جس کی زندگی کا کوئی لمحہ اس فکر سے خالی نہیں کہ ہندوستان بھی ایسی ماں پیدا کرنے لگے، جس کے اخلاق بلند ہوں اور جو اپنی اولاد میں ترقی کا صحیح ولولہ پیدا کرسکے، تو تم کو پرستش کرنی چاہیئے اُس کے جذبات کی، اور احترام کرنا چاہیئے اس کے وجود کا، کہ اس دورِ انحطاط و تنزل میں ایسی ذات حقیقتاً اندھیری رات کا وہ تنہا چمکنے والا تارہ ہے جس کے

سہارے سے طوفانی سمندر کے بھٹک جانے والے جہاز پھر صحیح راستے پر چل سکتے ہیں۔

• بنابراں اگر میں اپنی نیایش وگزارش کو علیا حضرت ہر ہائنس **نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ بالقابہا ادامہا اللہ بالعز والاقبال،** فرماں روائے بھوپال کے ساتھ وابستہ دیکھتا ہوں، تو بے محل نہیں، کیونکہ جنسِ لطیف کے حکمراں افراد میں اس وقت یہی اک وہ ذات ہے، جو اپنی علم نوازی، حقیقت شناسی، رفعتِ اخلاق، حسنِ صفات صحتِ فکر و اصابتِ رائے میں اپنا نظیر نہیں رکھتی اور جو اپنی جنس کی اخلاق کو سطحِ مرتفع پر لانے کے لیے ہر ممکن تدبیر عمل میں لانا اپنا نصب العین سمجھتی ہے۔ تابندہ باد خورشیدِ اقبالِ سلطانی!!!

اسی سلسلہ میں میرا دوسرا اہم فرض یہ ہے کہ شکریۂ صمیم ادا کروں علیا حضرت ادامہا اللہ بالعز والاقبال کے سب سے چھوٹے شاہزادے عالی جناب لفٹنٹ کرنل حاجی محمد حمید اللہ خاں بہادر بی اے چیف سکرٹری

گورمنٹ بھوپال کاجن کی نگاہِ حقیقت شناس و فہمِ نکتہ رس نے میری بہت سی خوابیدہ تمناؤں کو بیدار کردیا۔ اگر جذبات منت پذیری کی نزاکت الفاظ کی گرانی کو برداشت کرسکتی، تو میں اعترافِ احسان کی کوشش کرتا لیکن میں اس رمز سے آگاہ ہوں اور نواب زادۂ محتشم الیہ کی بارگاہ میں صرف اپنے سکوت کو پہنچانا چاہتا ہوں، وہ سکوت جو یقیناً ہنگامۂ تکلّم سے زیادہ بلیغ ہی۔

بہرحال میرے لیے یہ فخر بس ہی کہ مجھے انھیں بابرکت ہستیوں کے سایۂ دامنِ دولت و علم میں زندگی بسر کرنے کی فرصت خدا نے مرحمت فرمائی ہی، اور انھیں کی شاہانہ فیاضیوں کے ساتھ ساتھ میں تصنیف و تالیف کے لیئے آزاد چھوڑ دیا گیا ہوں۔ خوشا رعایتِ شوق۔

چونکہ یہ سلسلۂ تصنیف نوعِ انسان کے طبقۂ لطیف سے متعلق ہے، اس لیے میں اِس کو نہایت ادب کے ساتھ **نواب بلقیس جہان بیگم** طاب ثراہا، علیا حضرت ادام اللہ اقبالہا کی اُن شاہزادی صاحبہ کی

کی یادگار میں قایم کرتا ہوں، جو ہر چند اس عالمِ آب و گل میں نہیں، لیکن
اُن کی فراست و ذہانت اُن کی ذکاوت و فطانت کی (جو عالمِ طفولیت ہی
سے آپ میں نمایاں تھیں) یادِ ہنوز باقی و تازہ ہے۔

"نیاز"
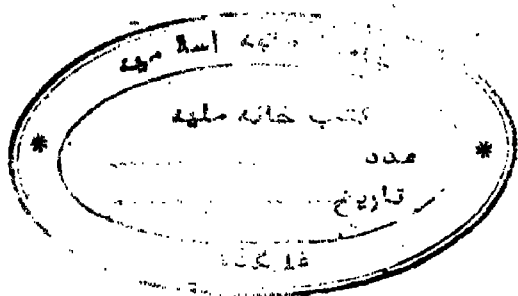
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدّمہ

انسان فطرۃً جستجو پسند واقع ہوا ہی اور اُس کی فرصت کا دلچسپ ترین مشغلہ یہ ہی کہ وہ ہر اُس چیز کی نسبت معلومات حاصل کرے، جو اُس کے علم سے باہر ہی اور کائنات کے ہر اُس راز کو دریافت کرے جو اُس سے دقّتِ نظر کا طلبگار ہی اور غالباً فطرت کی یہی وہ خصوصیت ہی جس نے اُس کو کائنات میں اشرف و اعظم کا درجہ عطا کیا اور اُس سے ترقی کے مدارج جلد جلد طے کرا دیئے۔

یوں تو دُنیا میں بے شمار کیفیات و محسوسات ہیں، جن کا علم ہم کو حاصل نہیں اور اُن کے متعلق معلومات بہم پہنچانا ہمارے لیئے مُفید ہی، لیکن سب سے زیادہ مہتم بالشان چیز جس کی نسبت ہم کو سب سے پہلے تحقیق کرنی چاہیئے خود ہماری ذات ہی اور اُس وقت تک کہ خود ہمیں اپنا علم حاصل نہ ہو جائے، غالباً ہم کو کوئی حق حاصل نہیں کہ

دیگر موجوداتِ عالم پر غور کریں، جن کو ہم سے وہی نسبت ہے جو درویش کو خویش سے۔

مغرب میں جہاں تحقیق و تفتیش نے اب ناقابلِ علاج مرض کی سی صورت اختیار کر لی ہے، دیگر علوم و فنون کے ساتھ خود علم الانسان کے متعلق بھی بہت مبسوط و ضخیم تصانیف موجود ہیں، اور حقیقت سے انکار ہوگا اگر کہا جائے کہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہے۔

ایشیا، اور ہندوستان کی زبانیں، اور اُن میں بھی خصوصیت کے ساتھ اُردو زبان اِس لحاظ سے بہت کم مایہ ہے، اور اک قوم کے لیے اس سے زیادہ بدنصیبی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اُس کی زبان علوم و فنون کی کتابوں سے خالی ہو۔

یہ مسئلہ مسلّمۂ جمہور ہے کہ اِس دورِ علم و حکمت میں کسی ملک، کسی قوم کو حصولِ ترقی کا حق حاصل نہیں، جب تک وہ اپنے تئیں جامعِ علوم و فنون ثابت نہ کرے اور یہ محال ہے، جب تک خود اُس کی زبان میں تعلیم حکمت و فنون کا کافی ذخیرہ موجود نہ ہو۔

شکر ہے کہ اب ملک نے اپنی زبان کے اس نقصانِ عظیم کو محسوس کرنا شروع کیا ہے اور کبھی کبھی کوئی مضمحل آواز کانوں میں ایسی پڑ جاتی ہے، جس سے، ہر چند آیندہ کے لیے کوئی قوی اُمید تو قایم نہیں کی جا سکتی لیکن مایوسی کی رفتار ضرور کچھ رُک سی گئی ہے۔ اِک زمانہ کی گہری نیند کے بعد اتنی بیداری بھی غنیمت ہے کہ اثرِ حیات کے اظہار سے طولِ حیات کی توقع قایم کی جا سکتی ہے۔

علمائے مغرب نے "علم الانسان" (Anthropology) کی دو بڑی تقسیمیں کی ہیں، ایک تقسیم بہ لحاظ ساختِ جسم ہے اور دوسری باعتبار تقسیم اقوام و

ممالک - پہلی تقسیم میں "علم حیوۃ الحیوان" فزیالوجی (Physiology) علم تشریح الابدان اناٹمی (Anatomy) "علم قیافہ" فزیاگنمی (Physiognomy) وغیرہ شامل ہیں۔ دوسری قسم کو "علم الاقوام" اتھنالوجی (Ethnology) کہتے ہیں اِس کی بھی بہت سی تقسیمیں ہیں، لیکن دو خاص ہیں - ایک وہ جو مردوں سے متعلق ہے، دوسری وہ جو جنس نازک سے بحث کرتی ہے، اور یہ کتاب "علم الاقوام" کی اسی دوسری تقسیم سے متعلق ہے۔

اگر میں یہ کہوں کہ یہ تصنیف اس شعبۂ علم پر پوری طرح حاوی ہے، تو یقیناً غلط ہوگا، کیونکہ اوّل تو تحقیق و تفتیش کا میدان اس قدر وسیع ہے کہ بڑی سی بڑی کتاب اُسے طے نہیں کرسکتی، اور دوسرے استقرار (Induction) کا دروازہ یوں بھی اُس وقت تک بند نہیں ہوسکتا، جب تک زمین پر ایک بھی مستقیم القامۃ متحرک بالارادہ حیوانِ ناطق سانس لے رہا ہے۔

چونکہ اُردو میں اس موضوع پر کوئی کتاب اس وقت تک نہیں لکھی گئی، اس لیئے اس کے متعلق جو کچھ اپنی زبان میں نظر آئے اُسے اس خیال سے نہ پڑھنا چاہیئے کہ وہ ایک جامع و قاطع تصنیف ہے، بلکہ صرف اس خیال سے مطالعہ کرنا چاہیئے کہ وہ آئندہ تحقیق و تفتیش کے لیئے دلیلِ راہ ہے۔ بہرحال یہ تصنیف صرف ایک مقدمہ ہے، جو محض اس اُمید پر پبلک کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کہ اس مسئلہ کی جانب اُن دماغوں میں بھی تحریک پیدا ہو، جن کو اس سے قبل اس طرف توجہ کرنی چاہیئے تھی۔

(۲)

کرۂ ارض پر جو نوع انسان آباد ہی اُس کا صحیح شمار ہم کو معلوم نہیں لیکن یہ ایک واقعہ ہی کہ اُس میں نصف سے زائد حصّہ عورتوں کا ہی، جو پس و پیش، چپ و راست ہر جگہ نظر آتی ہیں؛ اس لیے یہ معلوم کرنا ہمارا فرض ہی کہ خدا کی یہ بڑی مخلوق جسے ہم صنفِ نازک کہتے ہیں، اِس ہنگامۂ عالم، اس کارزارِ دنیا میں کسقدر حصّہ لے رہی ہی اور نیز یہ کہ موجودہ آبادی کی ماؤں اور اُن کی ماؤں نے ازمنۂ قدیمہ میں ارتقائے عالم کی ذمہ داریاں کس حد تک سر لیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہی جس پر غور و تامل کرنا یقیناً نوع انسان کے لیے نہ صرف ضروری بلکہ مفید بھی ہی۔

اِس تصنیف کا موضوع یہی تلاش و جستجو ہی۔

یوں تو اک اجمالی نظر سے ہر شخص سمجھ سکتا ہی، کہ عورتوں کے کارنامے بے شمار اور اُن کی دلسوزی و ہمدردی کی داستانیں کثیر ہیں۔ لیکن جزئیات سے بحث کرنا اور اُن کی زندگی کے تمام اُن پہلوؤں پر نظر نقد ڈالنا جو کائنات کی آرایش و زیبایش، دنیا کی رونق و تزئین کا باعث ہوئے ہیں، نہ صرف اِس لحاظ سے ضروری ہی کہ اُن میں ہمارے لیئے اک دفترِ اعتبار و بصیرت پنہاں ہی، بلکہ اس حیثیت سے بھی جستجو کا طلبگار رہی کہ جو حقوق دنیا اور دنیا کی آبادی پر عورتوں کے ہیں اُن کی یاد رکھا جائے تاکہ ہم اُن کی اہمیّت کو سمجھ سکیں کہ اعتراف احسان کی یہ بھی ایک

پسندیدہ صورت ہی۔

تاریخ انسان کو ماہرین فن نے دو زمانوں میں تقسیم کیا ہی۔ سب سے پہلا زمانہ وہ جب انسان وحشی تھا، درندہ تھا، اور ہر وقت نہ صرف اپنی نوع کے افراد سے بلکہ فطرت کے خلاف بھی جنگ کرنے کا عادی تھا، اس کو ہم عہد سبعیت (Period of militancy) سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد وہ زمانہ آیا، جب انسان نے ایک جگہ اطمینان سے قیام کیا اور رفتہ رفتہ صنعت و حرفت، حکومت و سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اس کو ہم عہد صنعت و تعقل، زمانہ صلح و آشتی (Period of Industrialism) سمجھ سکتے ہیں۔ اگر کوئی چاہے تو کہہ سکتا ہی کہ عہد اوّل سے مراد صرف جنس کرخت کے کارنامے ہیں، اور عہد ثانی سے جنس لطیف کے برکات۔ کیونکہ آج بھی جب کہ حرب و جنگ کے لیے بے شمار مہلک آلات، عجیب و غریب آتشبار ذرایع موجود ہیں، عورت اُن کی تیاری و فراہمی میں بہت کم حصہ لیتی ہی اور سوائے اس کے کہ وہ کہیں کسی کارخانہ میں کارتوس بنانے کی مشین چلا رہی ہی، یا کسی جگہ صلیب احمر کے ماتحت زخمیوں کی تیمارداری میں مصروف ہی، اُس کا نفس جنگ سے کوئی تعلق نہیں۔ چونکہ ازمنۂ قدیمہ کے عہد تاریک میں، مرد جنگلوں اور پہاڑوں میں وحشی درندوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے پر مجبور رہتا اور اُس کو صحرائی مخلوق کے خلاف اپنی قوتیں استعمال کرنی پڑتی تھیں، اس لیے اگر مردوں نے درندوں کے ساتھ زیادہ متعلق رہنے کی وجہ سے انھیں کے حرکات سیکھے تو حیرت نہ کرنی چاہیئے، اور چونکہ عورت ایک غارکی

اندر خاموشی مٹی رہتی تھی، اس لئے اگر عورت نے اپنے گھر کی تعمیر چڑیوں کے آشیانوں سے اور ذخیرۂ خوراک جمع کرنے کا درس چیونٹیوں سے حاصل کیا تو جائے تعجب نہیں کیونکہ فطرت اگر ایک طرف انسان کو تصادم و تضارب سے مجروح کر رہی تھی، تو دوسری طرف وہ اسباب سکون و التیام مہیا کرنے میں مصروف تھی، جو بقائے حیات کے لئے ازبس ضروری ہیں۔

جس وقت زمین پر سب سے پہلی عورت عالم ظہور میں آئی ہوگی، تو اس کی حالت کیسی دردناک ہوگی اس کا صحیح اندازہ ہم اس وقت نہیں کر سکتے، مگر ہاں یہ ضرور معلوم ہے کہ نہ اس کے جسم پر ایسے گھنے بال تھے کہ وہ موسم کی صعوبتوں کو برداشت کر سکتی نہ اس کے دانت اس قدر مضبوط تھے کہ وہ آسانی سے کسی چیز کو غذا بنا سکتی، اس کے بازو دیگر حیوانات کے مقابلے میں کمزور تھے اور اس کی درماندگی شدید۔ نہ وہ اک طائر کی طرح پر رکھتی تھی کہ جہاں چاہتی اڑ کر پہنچ جاتی، نہ اس کے پاس بلی کی سی آنکھ تھی کہ رات کی تاریکی میں اپنی بینائی سے کام لے سکتی، نہ اس کے قبضہ میں اوزار تھے کہ وہ ضرورت کی چیزیں بنا سکتی، اور نہ اسے کوئی تجربہ حاصل تھا کہ وہ زندگی کی دشواریوں کو آسان کر دیتی۔ نہ اس کے پاس الفاظ تھے کہ وہ اظہار جذبات کر سکتی، نہ اسے یہ خبر تھی کہ دنیا میں اسباب ارتقاء کا مفہوم کیا ہے۔ درخت پھلتے تھے، پھولتے تھے، لیکن اس کا ضعیف ہاتھ فطرت کی اس حسین پیداوار تک نہ پہنچ سکتا تھا، اونچے پہاڑوں پر دودھ دینے والے جانور اسے نظر آتے تھے، لیکن اس کے لب اپنی تشنگی

رفع نہ کر سکتے تھے۔ بڑے بڑے بال رکھنے والے حیوانات اُس کے سامنے سے گزر کر جاتے تھے، لیکن وہ اپنا جسم محفوظ رکھنے کے لیے اُن کا لباس اُن سے مستعار نہ لے سکتی تھی۔ کائنات اس کے لیے ایک معمہ تھی ساری دُنیا اُس کے لیے اِک راز تھی اور فطرت اُس کو اِس حال میں مبہوت و متحیر دیکھ کر مسکرا رہی تھی، مسکرا رہی تھی اس امر پر کہ باایں‌ہمہ بے مائیگی و بے چارگی ایک دن دُنیا کی رونق کو اُس سے وابستہ ہونا ہے، اور اس کی یہی بے سروسامانی ایک وقت عالمِ اسباب کو زندہ کرکے دکھا دینے والی ہے۔ یوں بظاہر اُس کے قویٰ ضعیف تھے، لیکن اسی ضعف میں حرکت وجنبش کی ایک زبردست قوّت ودیعت رکھدی گئی تھی وہ بادی النظر میں بالکل بے یار و مددگار معلوم ہوتی تھی، لیکن دماغ کی صورت میں اُس کو ایک ایسا رفیق دے دیا گیا تھا جو اِس کی تمام کمزوریوں کا کافی عوض ہوسکتا تھا۔ ساری کائنات اس کی دُکان تھی، اور ذہانت و فراست اُس کا تنہا اوزار۔ زمین کے اندر معدنیات، زمین کے اوپر جمادات، نباتات، فضائے ہوا میں اُڑنے والے طیور، الغرض جو کچھ خلائے عالم کو پُر کیئے ہوئے تھا، اُس کے اِسی تنہا اوزار سے چھوکر اُس کے منشاء و ضرورت کے موافق صورت اختیار کرلینے کے لیئے آمادہ و منتظر تھا۔ پھر تاریخ کا مطالعہ کرو اور دیکھو کہ نتیجہ کیا ہوا اور موجوداتِ عالم نے اُس کی کیا کیا خدمتیں انجام نہیں دیں۔

عورت نے جس طرح رفتہ رفتہ زراعت وصنعت، تہذیب و مدنیت کی بنیاد ڈالی اس کا مطالعہ ایک نہایت دلچسپ مشغلہ ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر خدا نے

مرد کے پہلو سے عورت کو (جو مذاقِ فطرت کا نازک پہلو کہا جا سکتا ہی) و البتہ نہ کر دیا ہوتا تو شاید مرد اس وقت صحراؤں اور کوہستانوں میں درندوں کے ساتھ رہ رہ کر صرف ایک زبردست درندے کی صورت میں پایا جاتا اور ساری کائنات سوگوار و مضمحل ہوتی۔

آج بھی جب کہ تہذیب و ترقی اپنی انتہائے عروج کے مدارج طے کرتی ہوئی نظر آتی ہی اور مرد نے اپنی اختراعات سے ایک ہنگامہ بپا کر رکھا ہی دنیا عورت کی ذات سے مستغنی نہیں اور زمانۂ قدیم کے بہت سے اُن مشاغل کی یاد جو صرف عورت کا حصّہ تھے اپنے ساتھ لیئے ہوئے ہی۔ دیکھا جاتا ہی کہ ایک سوت کاتنے والی مشین اس وقت ہزاروں من روئی کے ڈھیر کو تھوڑی سی دیر میں باریک تاگے کی صورت دے دیتی ہی، ہم جانتے ہیں کہ چمڑا پکانے اور رنگنے کی مشین سینکڑوں اور ہزاروں جانوروں کی کھالوں کو ایک ساعت میں کام کی چیز بنا دیتی ہی، ہمیں یہ بھی معلوم ہی کہ جنگل میں جس وقت انجن ہل کو لے جاتا ہی، تو ایکڑوں زمین دم کے دم میں قابل زراعت ہو جاتی ہی۔ لیکن آج مرد جس روئی کو مشین سے سوت بناتا ہی، جس چمڑے کو وہ انجن کے زور سے نرم و رنگین کر دیتا ہی، جس زمین کو وہ آگ اور دھوئیں کی مدد سے کھودتا ہی، عورت اس سے بہت پہلے صرف اپنے ضعیف ہاتھوں سے کیا کرتی تھی اور اب بھی وہ تمام مہذب ممالک میں اِن مشینوں کے چلانے میں مرد کی معاون ہی اور سوائے اِس کے کوئی فرق نظر نہیں آتا کہ اگر پہلے وہ اپنے جھونپڑے

کے اندر تنہا اِن مشاغل میں مصروف تھی تو اب وہ آتش و دخان کے سامنے ایک جماعت کے ساتھ کسی کارخانے کی عمارت میں کام کرتی ہوئی نظر آتی ہے یہ معلوم کرکے غالباً آپ متحیر ہوں گی کہ اِس وقت بھی تقریباً ایک سو چھتیس [۱۳۶] پیشے ایسے ہیں، جو صرف عورت کی مدد سے چل رہے ہیں اور جن کے لیئے یہ غریب اپنے ضعیف اعضا کو صبح سے شام تک متحرک رکھتی ہے۔

• عورت، عورت ہونے کے لحاظ سے ساری دنیا میں ایک ہے۔ اگر مغرب کی عورت اپنے رنگین و قیمتی ملبوس میں گھر کی رونق اور مرد کے لیے آرام و سکون ہے، تو وحشی جزائر میں اُس برہنگی اور بے سرو سامانی کے عالم میں جھونپڑے کی بہار اور جھونپڑے والوں کے لیے تسلی و تسکین ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہاں وہ قالین اور کرسی پر جلوہ گر ہے اور یہاں فرشِ خاک پر آسودہ۔ وہاں اپنے بچوں کو نفیس و مکلف گہواروں میں جُھلاتی ہے اور یہاں اپنی آغوش میں۔ وہاں اپنے گھر کے اندر اُسے بہت سی پر تکلف چیزوں کو درست رکھنا پڑتا ہے اور یہاں ایک چٹائی اور چند مٹی کے برتنوں کو۔ پھر تنقید اس پر نہ کرو کہ قالین اور بوریئے میں کیا فرق ہے، شال و پلاس میں کیا نسبت ہے، بلکہ صرف یہ دیکھو کہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ ہاتھ کس کا ہے جو اِس نظام کو قائم کیئے ہوئے ہے اور کس کا دردمند دل ہے جو مرد کی تکلیف و مُصیبت پر ہر وقت دھڑکنے کے لیئے آمادہ نظر آتا ہے۔ اگر قالین بوریئے کی ارتقائی صُورت نہیں ہے، اگر میز و کرسی تراشی ہوئی اونچی نیچی چٹانوں کی تقلید نہیں ہے، اگر موجودہ گھونسلے اِن ٹوکریوں کی ترقی یافتہ

صُورتیں تھیں جن میں اب بھی ایشیا و افریقہ کے بہت سے پیچھے پڑے سو رہے ہیں۔ اگر موجودہ سُوت کاتنے والی مشینیں اُن چرخوں کی مہذب شکلیں نہیں ہیں جو اب بھی مشرق میں متحرک نظر آتے ہیں، اگر موجودہ زراعت کا نظام اُس سنگین اوزار کا تتبع نہیں ہے جسے زمانۂ قدیم کی عورت زمین کھودنے کے کام میں لاتی تھی، تو بیشک تم کہہ سکتے ہو کہ موجودہ ترقی و تہذیب عورت کی منّت کش نہیں اور تم اُسے تحقیق "علم الانسان" کا موضوع قرار دینے سے احتراز کر سکتے ہو۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہے، تو مرد، اس مہذب و شائستہ مرد کے ناشکر گزاری کی مثال اس سے زیادہ اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ وہ عورت کے حقوق کو اُس عورت کے حقوق کو جو ساری دُنیا کی ماں، تمام تہذیب و ارتقا کی ماخذ اور جملہ ترقی و شائستگی کی اصل اُصول ہے، فراموش کر دے۔

کہا جاتا ہے کہ مرد و عورت کے جسمانی ساخت میں فرق ہے اور ہر اُس کام کے لئے جو مرد کر سکتا ہے عورت موزوں نہیں یہ ایک حد تک درست ہے اور مرد کے قَوَّامُ عَلَی النِّسَآءِ ہونے کی دلیل ہو سکتی ہے لیکن اِس کو عورت کے تمام جائز حقوق کے پامال کر دینے کا ذریعہ نہ بنانا چاہیئے، کیونکہ جس طرح عورت مردوں کے تمام کام انجام نہیں دے سکتی اِسی طرح ایک مرد بھی عورتوں کے سارے کام پورے نہیں کر سکتا۔ درآں حالیکہ عورت نے ہمیشہ مرد کا ہاتھ اُن کاموں میں بھی بٹایا جو صرف مرد کے کرنے کے ہیں۔

زمانہ حجری میں جس وقت مرد غذا فراہم کرنے کے لیے جنگل میں نکل جاتا تھا تو عورت بھی بسا اوقات اُس کے ہمراہ ہوتی تھی۔ مرد کا کام صرف یہ تھا کہ وہ جانور کو نیزے

ہلاک کرکے ڈال دے، لیکن اُس مردہ جانور کو گھسیٹ کر غار کے اندر لے جانا، وہاں اس کی کھال صاف کرنا، گوشت کے ٹکڑے کرنا، آگ پر اس کو بھوننا، مرد کے سامنے لاکر رکھنا، چربی کو علیحدہ کرکے محفوظ کرنا، کھال کو خشک کرکے ملبوس بنانا یہ سب عورت ہی کا کام تھا، جس میں مرد بہت کم حصّہ لیتا تھا۔

امریکہ کی "اُماہا" قوم میں مردوں کے بہت سے کاموں کی نظم و ترتیب صرف عورت کے مشاغل سے متعلق تھی۔ جب عورت غلّہ بو چکتی تھی تو مرد سمجھتا تھا کہ اَب موسم گرما کے شکار کا وقت آگیا ہے اور وہ باہر نکل جاتا تھا، اور جب کھیتیاں پک جاتی تھیں تو وہ واپس آتا تھا۔ گویا عورت مرد کے لیے ایک تقویم (جنتری) کا حکم رکھتی تھی، جب جنگل میں بھیڑوں اور بکریوں کے جسم پر اُون زیادہ بڑھ جاتا تھا تو مرد اُن کا شکار کرنے نکل جاتے اور جب کھالیں لے کر گھر واپس آتے تو عورتیں اُن کا ملبوس تیار کرتیں اور گوشت کا جو حصّہ وہ محفوظ رکھنا چاہتیں کمل کے ایک کونے میں رکھ کر چمڑے کے تسمے سے باندھ دیتیں اور غار یا گڑھے میں دفن کردیتیں۔ جب پھر مردوں کی روانگی کا وقت آتا تو وہ اُن کے گھوڑوں پر ضروری سامان جو پہلے سے اسی لیے محفوظ رہتا لاد دیتیں اور خود اپنی پیٹھ پر بھی بہت سی چیزیں رکھ کر مردوں کے ساتھ ہمسفر ہو لیتیں۔

عہد تاریک میں بھی مابین زن و مرد تقسیم عمل کے کچھ اصول قائم تھے لیکن ایک دوسرے کی امانت کا دستور بھی اُن میں قائم تھا، اگر مرد شکار کرتا تھا، تو عورت شکار کے سنبھالنے

میں مدد کرتی تھی۔ اگر عورت گھر میں کھانا پکانے، ٹوکریاں بُننے، کھالیں سینے میں مصروف رہتی تھی تو مرد بھی کچھ نہ کچھ اس کا ساتھ دیتا تھا، لیکن بہ حیثیت مجموعی عورت کی ساری زندگی یکسر انہماک و مصروفیت تھی اور وہ ایک لمحہ کے لیے بھی بیکار و معطل نہ بیٹھ سکتی تھی

یہ امر کہ زمانۂ قدیم میں عورت کا وجود ایک نہتم بالشان وجود تھا اور وہ کائنات میں مرد کے دوش بدوش کام کرنے کی اہل تھی، مختلف ذرائع سے ثابت ہوتا ہے۔ سب سے پہلے جو چیز اس کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہے وہ اقوام عالم کا علم الاصنام ہے۔ کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کے علم الاصنام میں دو چار دیویوں کا نام نہ پایا جاتا ہو، اور یونان و رومہ کے علم الاصنام میں تو عنصر غالب دیویوں ہی کا ہے۔ دولت، شہرت، حسن، شعر، موسیقی، نسیم، روح، زراعت وغیرہ سب دیویوں ہی سے منسوب ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری باتیں محض عورت کی وجہ سے قایم ہوئیں، یہاں تک کہ اُن کو دیوی قرار دے دیا۔

ہندوں کے علم الاصنام میں لکشمی دیوی سے کون واقف نہیں ہے اور اگر اُس کی یہ تاویل کی جائے کہ عورت کو زمانۂ قدیم میں ایک بے بہا دولت، یا دولت کو عورت کی محنت کا نتیجہ سمجھا جاتا تھا تو خلاف محل نہوگا۔

دوسرا ثبوت السنۂ قدیمہ ہیں کہ عورت کے لیے اُن میں اک الگ ضمیر قایم کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ قدیم آریہ زبان میں بھی اک جُدا لفظ ضمیر کا عورت کے لیے مخصوص ہے۔

تیسرا ثبوت آثارِ قدیمہ ہیں، زمین کے اندر بہت سے پتھر ایسے برآمد ہوئے ہیں جن میں عورتوں کی تصویریں منقوش ہیں، اس حال میں کہ وہ اپنے ہاتھ میں زمانۂ قدیم کا زمین کھودنے کا آلہ لئے ہوئے ہیں، مجسمے، ہڈیاں، برتن، چاقو، زیور اور دیگر آلات زمین سے برآمد ہوئے ہیں اور اُن کی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں قبل ان کا کس چیز کا تعلق کس سے تھا۔ اور اس طرح بہت سے آلات کا عورت سے متعلق ہونا ثابت ہے جو زمانۂ قدیم میں عورت کی محنت و ذہانت کی بیّن دلیل ہے۔

چوتھا ثبوت قدیم مذہبی لٹریچر ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت ضروریاتِ زندگی فراہم کرنے میں مرد سے کس قدر سبقت لے گئی تھی۔ انجیل، توراۃ، تاریخ ہیروڈوٹس، منظومات ہومر وغیرہ سے اِس کا پتہ چلتا ہے جس کا اقتباس نفسِ بحث میں آپ کہیں کہیں پائینگے۔

پانچواں ثبوت وہ افسانے ہیں جو گانوں کے لوگوں میں زمانۂ قدیم سے رائج چلے آتے ہیں۔ یہ افسانے تمام تر عورتوں ہی سے سُنے جاتے ہیں، مردوں کو ان کا وقوف نہیں ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ لوریاں، ضرب الامثال، پہیلیاں، جن و شیطان کے قصے، دعا تعویذ کی کہانیاں، سب عورت ہی کو یاد رہتی ہیں اور وہ ہی اپنے بچوں کو سنایا کرتی ہے۔ علاوہ اس کے خاندان کے حالات، اسلاف کے نام، گزشتہ زمانہ کے واقعات رسمیں قدیم جس قدر عورت کو یاد ہیں مرد کو نہیں۔ اپنے خاندان، اپنے بچوں کے

متعلق ماضی کے حالات بقید روزتاریخ عورت کے دماغ میں اس قدر صحت کے ساتھ محفوظ رہتے ہیں کہ تعجب ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فطرۃً ایک مورخانہ دلچسپی رکھتی ہے اور تاریخ محفوظ رکھنے کے لیے اُس کا دماغ نہایت موزوں واقع ہوا ہے۔

آیندہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائیگا کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں عورت نے کیا کیا خدمتیں انجام دیں اور دنیا کی تہذیب و ترقی کس حدتک اس ضعیف جنس کی ممنون ہے، لیکن یہ مقدمہ ناقص و ناتمام رہیگا اگر میں عورت کی اُس تنہا خصوصیت کو نظر انداز کرجاؤں، جس نے اس کے وجود کو نظامِ عالم کے لیے ضروری ثابت کردیا ہے۔

جس وقت انسان اوّل اوّل عالم شہود میں آیا، وہ باعتبار اسباب کے نہایت درماندہ و عاجز تھا، اس لیئے اوّلین فکر جو اُسے لاحق ہوئی مادّہ سے متعلق تھی کہ وہ کیونکر زندگی بسر کرے اور کس طرح دنیا کی متصادم قوتوں سے اپنے تئیں محفوظ رکھ سکے۔ ظاہر ہے کہ اِس احساس میں مرد و عورت دونوں برابر کے شریک تھے جس طرح یہ مصیبت آفرینش مرد پر نازل ہوئی تھی، اِسی طرح عورت بھی اِس سے متاثر تھی، اِس لیے اگر دونوں نے مل کر اپنی ضروریات کو مہیّا کیا تو یہ ایک فطری تقاضا تھا اور مرد و عورت دونوں اپنی اپنی جگہ ان کے فراہم کرنے پر مجبور تھے۔ پھر اگر زمانۂ موجودہ میں ترقی و تہذیب کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ مجموعہ ہے صرف مادّی اشیاء کا اور فراہمی مادہ کے ذرایع مختلفہ کا۔ اس لیے مرد کی جس قوت نے ترقی حاصل کی وہی تھی جو ابتدائے آفرینش کے وقت اِس میں ذرا مضمحل انداز سے پائی

جاتی تھی، لیکن عورت اپنی فطرت و پیدائش کا ایک اور پہلو بھی رکھتی تھی، جس کا ظہور ابتدائے آفرینش ہی کے وقت ہوگیا تھا اور آج تک اُس میں کسی ترقی و اضافہ کی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ عورت فطرتاً رقیق الطبع، منکسر المزاج، رحمدل بنائی گئی ہے۔ جس سے فطرت کی مصلحت غالباً یہی تھی کہ وہ ہنگامۂ دنیا و کارزارِ عالم میں خلقتِ مرد کی اس کمی کو پورا کرے جو عالمِ روحانیت کو صدمہ پہنچانے والی تھی، اگر دُنیا میں صرف مرد کا وجود ہوتا اور عورت اُس کی انیس و ہمدم نہ ہوتی تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس عالم میں سوائے حرب و قتال اور ہلاکت و خونریزی کے اور کیا نظر آتا۔ مرد کچھ نہ ہوتا مگر ایک قوی اور شدید جذبۂ انتقام، اور اُس کے کارنامے کچھ نہ ہوتے مگر افسانۂ خون آلود۔

جس وقت ایک عورت اپنے بچّہ کو آغوش میں لے لیتی ہے تو وہ اُس عورت سے جُدا ایک چیز ہوتی ہے جو گھر کے کاروبار میں مصروف تھی، جس وقت ایک عورت اپنے شوہر کی خدمت میں مصروف ہوتی ہے تو وہ نہیں ہوتی جو سینے پرونے کے وقت تھی، اگر وہ عالمِ اسباب اور دنیائے مادّہ میں مرد کی رفیق و معاون ہے تو دوسری طرف عالمِ روحانیت کی ایسی شدید پرستار ہے کہ ہر مرد کی رسائی وہاں تک ممکن نہیں۔ مرد اپنی قوت کے زعم میں عورت کی ضرورت تسلیم نہ کرے، لیکن فطرت کو اس کی ضرورت ہے اور جس طرح دن بھر محنت کرنے کے بعد سکون و آرام کے لیے رات کی احتیاج ہے، اسی طرح جب فطرت کارزارِ مادہ کے تماشے سے تھک جاتی ہے، تو وہ

عورت کے رقیق جذبات سے لطف اندوز ہونا چاہتی ہی، کیونکہ اگر مرد کاروبار کے لحاظ سے ایک دن ہی جہاں فطرت مشغول رہتی ہی، تو عورت سکون و تسلی کے اعتبار سے اِک رات، جہاں فطرت آرام کرنے کی آرزومند ہوتی ہی۔ اِس لیے تمدن کے لحاظ سے (جس میں مادّہ و روح دونوں شامل ہیں) عورت سے زیادہ واجب احترام چیز کوئی اور نہیں۔

لیکن دنیا کا کیسا حیرت انگیز واقعہ ہی کہ جُوں جُوں زمانہ ترقی کرتا گیا عورت کا احترام اُٹھتا گیا، یہاں تک کہ جب سے دنیا میں تاریخ کی ابتدا ہوئی ہی، کسی ایسی قوم کا پتہ نہیں چلتا جس نے ترقی کے ساتھ عورت کے حقوق کا احترام کیا ہو، کوئی ظلم نہیں جو اُن کے لیے روا نہ رکھا گیا ہو، کوئی بے رحمی نہیں جو اُن پر صرف نہ کی گئی ہو۔ دنیا میں کوئی قوم اور کوئی مذہب اِس کا دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اُس نے عورت کے ساتھ وہی سلوک کیا جس کی وہ مستحق ہی۔ مگر ہاں اِک اسلام کہ اُس نے اہم ترین امور اصلاحی میں اِس مسئلہ کو جگہ دی اور عورت کو قعرِ مذلت سے نکال کر مرد کے ساتھ سطحِ عالم پر برابر لاکر کھڑا کردیا۔

عورتوں کی کہانی کیسی دردانگیز اور خوں آلود کہانی ہی کہ اُس کو سُنکر جسم کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور حیرت ہوتی ہی کہ عورت کا وجود دنیا میں قائم کیونکر رہا۔ سوائے مسلمانوں کے کسی ترقی کرنے والی قوم نے عورت کے حال پر اپنا دل نہیں دُکھایا۔ اور سبھوں نے اُس کو پامال کرکے صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کردینے

کی کوشش کی۔

روم تہ الکبریٰ کے افسانہائے ترقی کس کو نہیں معلوم، لیکن کیا آج اُن عورتوں کا شمار کیا جا سکتا ہے جو راہبوں کے ادنی اشارے پر گلیوں میں مکانوں کے اندر شاہراہوں پر ذبح کر ڈالی گئیں۔ عورت اک لونڈی تھی اور لونڈی سے بھی بدتر اِک جانور، جس کو مارنا اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانا معمولاتِ زندگی میں داخل تھا، پھر مغرب ہی میں نہیں بلکہ مشرق میں بھی اِن کے ساتھ جو سلوک کیا گیا، وہ ناصیۂ انسانیت کے لیے ایک ایسا بدنما داغ ہے جو کسی طرح نہیں مٹ سکتا۔ شیرخوارگی کے عالم میں اُن کو زندہ دفن کیا گیا، ایامِ حمل میں اُن کے پیٹ چاک کیے گئے، خانقاہوں اور گرجوں کے تہ خانے، مندروں کی کوٹھریاں اُن کے لاشوں سے مدتوں سڑا کیں۔

اگرچہ اختلافِ مرز و بوم کے لحاظ سے تمام قوموں کے خیالات و محسوسات اُصولِ معاشرت و تمدن ایک دوسرے سے مختلف تھے، لیکن یہ کیسا حیرت انگیز واقعہ ہے کہ عورت کے مسئلہ میں سب یک رائے تھے اور جس طرح مغرب میں اس کو نشانۂ ظلم بنایا گیا، اِسی طرح مشرق میں وہ غریب ہدفِ جور رہی۔ الغرض کسی نے اُس کے حقوق کا لحاظ نہیں کیا اور اُس کو فنا کر دینے کی کوشش میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا گیا۔

۱۴۸۴ء میں پاپائے روم کے حکم سے ہزاروں عورتیں صرف اِس شبہ پر گرفتار کر کے سولی چڑھا دی گئیں کہ اِنھیں سحر آتا ہے۔ سترھویں صدی کے وسط

میں ساحرہ ہونے کے اشتباہ پر عورتیں گرفتار کرلی جاتی تھیں اور وہ قصداً جھوٹ اقرار کرلیتی تھیں کیونکہ بصورتِ دیگر اُن کے ناخنوں میں کیلیں ٹھوکی جاتیں اُن کے بدن کو گرم لوہے سے جلایا جاتا۔

انگلستان کی لانگ پارلیمنٹ کے زمانہ میں عورتوں کو یہ الزام رکھ کر کہ وہ اپنی جرابیں اُتار کر اور صابن میں گھول کر طوفان برپا کر رہی ہیں، اُن کو گرفتار کیا گیا اور پہلے اُن کے معصوم بچوں کو اور پھر اُنھیں سولی پر چڑھایا گیا اور اسی سال اِک خاص قانون عورتوں کو پکڑ پکڑ کر جلانے اور مار ڈالنے کا نافذ کیا گیا۔ علاوہ جسمانی آزار کے اُن کی اخلاقی حالت اس درجہ مجروح و مضمحل کر دی گئی تھی کہ اُس کا ذکر کرنا بھی سخت شرمناک بات ہے۔

جب نبی آخرالزماںؐ (روحی فداہ) کا ظہور ہوا تو اُس وقت عرب کی دو ہمسایہ سلطنتیں بھی موجود تھیں، ایک ایران جو زردشتی مذہب کا مرکز تھا، دوسرے قسطنطنیہ شرقی عیسویت کا دارالامارۃ۔ ایران میں عورتوں کے لیے کوئی قانون موجود نہ تھا، بلکہ رسم و رواج کے ماتحت اُن کے ساتھ سلوک کیا جاتا تھا، شوہروں پر اُن کا کوئی حق نہ تھا گھر کے تمام ذلیل کام اُن سے لیے جاتے تھے، جس کا عوض صرف یہ تھا کہ اُن کو معمولی کھانا اور کپڑا دے دیا جائے۔ قسطنطنیہ کا حال اِس سے بھی ابتر تھا۔ وہاں اخلاقی نقطۂ نظر سے اس کی حالت بہت زبوں تھی اور رہبانیت سلطنت کا دستِ حرص و آز اُن پر نہایت آسانی کے ساتھ دراز تھا، خود شہنشاہ

رب میں جہاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، عورت کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ سوتیلی ماں کو بیوی بنا لینے کا دستور عام طور سے نصاریٰ میں پایا جاتا تھا اور لڑکیاں پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کردی جاتی تھیں۔

الغرض یہ تھا اُس زمانہ کا حال جب نبی آخر الزماں کو خدمت ارشاد و ہدایت تفویض فرمائی گئی۔ پھر جس نے قرآنی تعلیمات کا مُطالعہ کیا ہی جس نے ارشادات نبوی کو سمجھا ہی وہ معلوم کرسکتا ہی کہ مذہب اسلام نے عورتوں کی معاشرت کو کسقدر بلند کردیا، اور مرد و عورت دونوں کے لیئے کیا موزوں درجۂ مساوات قرار دیا اگر ایک طرف مرد کو طلاق کا حق دیا گیا، تو دوسری طرف عورت کو بھی حقِ خلع عنایت فرمایا گیا، زانی و زانیہ دونوں کی برابر سزا رکھی گئی، عورت اپنے مال کی مالک قرار دی گئی، اپنے خاوند سے مہر وصول کرنے کے پورے اختیارات اُس کو دیئے گئے اور باپ کے ترکہ میں وہ محروم الارث نہ رکھی گئی۔ الغرض عورت کو پوری آزادی دی گئی، یہاں تک کہ اگر وہ نصرانیہ ہی تو بھی اُس کا شوہر کلیسا جانے سے اُس کو نہیں روک سکتا۔ اولاد کو جہاں حکم دیا گیا کہ تم کسی پر احسان کرو تو وہاں لفظ والدین کا ارشاد فرمایا گیا۔ یہ تھی وہ تعلیم جس نے مابین زن و مرد ایک سچی مساوات قائم کرکے عورت کے حقیقی احترام کا مفہوم دُنیا کو بتایا۔

موضوع تصنیف کے لحاظ سے اِس مسئلہ پر اس قدر گفتگو غالباً غیر ضروری

نہ تھی۔ اب ہم اِس کے بعد اصل مقصود کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اُن واقعات کا استقصا شروع کرتے ہیں، جن سے یہ امر متحقق طور سے ثابت ہوسکےگا کہ عورت نے ازمنۂ قدیمہ میں تہذیب و ارتقائے عالم کا کس قدر ساتھ دیا اور دنیا کی شائستگی و مدنیت عورت کی کس درجہ ممنون ہے!

نیاز
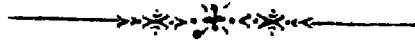
بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلی فصل

فراہمی غذا و اسباب غذا کے لئے عورت کی کاوشیں

اوّلین احتیاج جس سے اِک جاندار متاثر ہوتا ہے، احتیاج غذا ہے، اس لیے غالباً یہ امر ثابت کرنے کے لئے کہ انسان نے بھی سب سے پہلے فراہمی غذا کی طرف توجہ کی، کسی دلیل کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

موجودہ زمانہ میں، کھانا تیار کرنا، غذاؤں کے مختلف نام رکھنا، اور پھر اس کے تنوع کے لحاظ سے اہتمام و انصرام میں بھی تنوع پیدا کرنا، یقیناً کوئی آسان کام نہیں، لیکن زمانۂ قدیم میں، باوجود اس کے کہ نہ غذا میں کوئی تنوع تھا اور نہ اسباب فراہمی کا استعمال پیچیدہ، یہ کام اور زیادہ دشوار رہا ہوگا، کیونکہ آج کل غذا مہیا کرنے کے لئے (تقسیم عمل کے اصول کے لحاظ سے) بے شمار آدمیوں کی محنت و جانفشانی سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، لیکن زمانۂ قدیم میں یہ کام صرف عورت کا تھا کہ وہ غذا مہیا کرے، مردوں اور اپنے بچوں کے سامنے لائے، اس کے لیے عورت کو جس قدر کاوش کرنی پڑی اور اس کاوش نے جتنے پیشوں کی بنیاد

دنیا میں قایم کی، اُن کا حال آگے معلوم ہوگا۔

جب عورت اوّل اوّل دنیا میں آئی تو اُس کے پیشِ نظر کوئی مثال نہ تھی کہ وہ اُس کو دیکھ کر فراہمی غذا کے اُصول کو سمجھتی اور اُن پر کاربند ہوتی، اور اگر کوئی مثال تھی بھی تو طیور و وحوش کی جو اپنے بچوں کو مختلف طریقوں سے غذا پہونچاتے تھے، لیکن عورت اِن کا بھی تتبع نہ کرسکتی تھی، کیونکہ نہ اُس کے پاس تیز پنجے تھے کہ وہ زمین کھود سکتی اور نہ پر وبال کہ وہ پرواز کرکے درختوں کی پیداوار اپنے بچوں کے سامنے لاکر رکھ دیتی، اِس لیئے وہ مجبور تھی کہ حیوانات سے جُدا کوئی راستہ اختیار کرے، اور خود ایسے آلات و اوزار بنائے جو فراہمی غذا میں اس کے لیے آسانی پیدا کرسکیں، اِس غرض کی تکمیل کے لیئے اُس نے نباتات، جمادات، حیوانات تینوں کے سامنے اپنی درخواست پیش کی، اور زمانہ شاہد ہے کہ سب نے اُس کی التجا کو قبول کیا اور عورت اُن سے متمتع ہوئی۔ جس وقت عورت نے اپنا اوّلین قدم مقصود کی طرف بڑھایا اُس وقت سب سے پہلے جو چیز اُس کو لیسیر الحصول نظر آئی وہ درختوں کی پیداوار تھی۔ یعنی جن پتّیوں اور پھلوں تک اُس کا ہاتھ پہنچ سکتا تھا، اُن کو توڑا اور اپنے بچّوں اور مردوں کے سامنے پیش کیا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ کس قدر زمانہ اِس حال میں گزرا، لیکن اس کے بعد ایک وقت ایسا آیا جب عورت نے فراہمی غذا کے اسباب میں وسعت پیدا کی، اور نوک دار پتھروں کے ذریعہ سے زمین

کھود کر گھاس کی جڑیں اور اُس کے بیج فراہم کیے اور غذا کے کام میں لائی۔ گھاس اور اُس کے تخم کو کن کن طریقوں سے اُس نے استعمال کیا، اِس کی تفصیل بیان کرنی مشکل ہے، لیکن یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اُس نے زمین کی اِس قدرتی پیداوار کو اگر کچھ زمانہ تک جانوروں کی تقلید میں یونہی کچا کھایا، تو اُس کے بعد اُبال کر، بھون کر، استعمال کیا۔ ہر چند یہ بھوننا یا اُبالنا بھی صرف اُن پتھر کے ٹکڑوں کی مدد سے ہوتا تھا جو حرارتِ آفتاب سے گرم ہو جاتے تھے، لیکن کیا ہم اُس عورت کی ذہانت کی داد الفاظ سے دے سکتے ہیں، جس نے اوّل اوّل بھوننے یا اُبالنے کے اِس عجیب و غریب طریقے کو ایجاد کیا؟ اور کیا آج ہم اُن برکات کا احصار کر سکتے ہیں جن کو عورت کی اس سادہ ذہانت نے زمانۂ مابعد میں مختلف فنون کی صورت سے وابستہ کرکے دنیا اور دنیا والوں کی ترقی کا دروازہ کھول دیا؟

زمانۂ قدیم میں انسان نے ایک جگہ مستقل طور سے آباد رہنا نہیں سیکھا تھا، اِس لیے وہ ایک متحرک زندگی رکھتا تھا اور صحرا بہ صحرا پھرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا، لیکن یہ محقق ہے کہ جہاں جہاں انسان گیا، وہاں عورت نے فراہمی غذا کے مسئلہ کو اپنے پیشِ نظر رکھ کر اُس میں کامیابی حاصل کی[1]

جس وقت غور کیا جاتا ہے کہ اُس وقت سے لے کر جب انسان صرف خام

استدراک

[1] Mason's Woman's Share in Primitive Culture

پیداوار زمین کی چبایا کرتا تھا، اِس زمانہ تک کہ غذا باقاعدہ طور سے پکاکر حصول کی جانے لگی۔ اور اُس میں تنوع پیدا کیا گیا، کتنے مدارج ارتقا رطے ہوئے ہونگے، تو ہم ان کا احاطہ کرنے سے قاصر رہتے ہیں، لیکن یہ یقینی ہی کہ زمین کھودنا، اُس میں تخم ڈالنا، زراعت کی حفاظت کرنا، پختہ ہونے کے بعد غلہ کو کاٹنا، انبار کرنا، صاف کرکے پیسنا اور پکانا، یہ ضروری کڑیاں اِس سلسلۂ ارتقا، کی ہیں جن کو عورت نے طے کیا ہوگا اور پھر ان تمام مشاغل کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت لاحق ہوئی ہوگی، اُن کو بھی عورت ہی نے بنایا یا مہیا کیا ہوگا، کیا کوئی شخص اندازہ کرسکتا ہی کہ ان مدارج کے عبور کرنے کے لیئے عورت نے کس قدر زحمت اُٹھائی ہوگی، اور اُس کو اپنی ذہانت و فراست سے کتنا کام کرنا پڑا ہوگا، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سارے کام تنہا عورت نے کیئے اور مرد کا ہاتھ اُس میں شامل نہ تھا، لیکن یہ یقینی امر ہی کہ زیادہ حصّہ محنت کا عورت ہی کی طرف منسوب ہی، جیسا کہ قدیم روایات و حاصل تجربات سے معلوم ہوتا ہی۔ امریکہ میں ایک قوم نواجو (Novajo) ہی۔ اس کے علم الاصنام میں جو روایات بیان کی گئی ہیں اُن سے بھی اِس کی تحقیق ہوتی ہی۔

میتھیوز (Mathews) جو اِن روایات کا جامع ہی لکھتا ہی۔

"ہر روز جب کہ جوان بیٹے باہر شکار کو نکل جاتے تو بوڑھے مرد اپنی پتھر"

زن

کی کلہاڑیوں سے، درختوں کی پتلی شاخیں کاٹ کر جھونپڑے تیار کرتے، اور لڑکیاں اور عورتیں گھاس اور پتیاں جمع کرکے کھانا تیار کرتیں۳"

علاوہ اس کے اب بھی تمام ممالک کی دیسی زندگی پیش نظر رکھی جائے تو یہ فیصلہ آسانی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ کوہستانِ کلیفورنیا۲ کی وادیوں میں بعض حصے ایسے ہیں، جہاں کی مخلوق اب بھی جنگلی گھاس کے تخم پر اپنی زندگی بسر کرتی ہے اور اس کو عورت ہی فراہم کرتی ہے۔ جس وقت گھاس پختہ ہو جاتی ہے عورتوں کا غول نکل کھڑا ہوتا ہے، ان کے ایک ہاتھ میں قیف کے شکل کی ٹوکری ہوتی ہے اور دوسرے ہاتھ میں ٹینس کے بلّے کی طرح ایک ڈنڈا۔ وہ گھاس کے مٹھے ٹوکری کے کنارے پر رکھ کر ڈنڈے سے پیٹتی ہیں، یہاں تک کہ بیج گھاس سے نکل کر ٹوکری کے اندر جمع ہو جاتے ہیں۔ جب ٹوکری بھر جاتی ہے تو عورت اپنے سرہانے پر اٹھا کر گھر لے جاتی ہے۳۔ ظاہر ہے کہ یہ طریقہ زمانۂ حال کی اختراع نہیں ہے بلکہ زمانۂ قدیم سے چلا آتا ہے جو ہنوز ان میں جاری ہے۔ غلّہ کے ذخائر اور خرمن جمع کرنے کے جو طریقے آج کل تمام ممالک میں دیکھے جاتے ہیں وہ بھی سب عورت ہی کی ایجاد ہیں اور ان میں سب سے قدیم اختراع وہ ہے، جس کے نمونے آج کل افریقہ کے بعض حصص میں دیکھے جاتے ہیں۔ غلّہ ایک جگہ انبار کرکے اس پر گھاس

---

۱ استدراک (Mathew's Mountain Chants)

۲ (California) امریکہ کا ایک حصہ یا صوبہ مغربی ساحل پر۔

۳ F. V. Coville: American Anthropologist, Washington, 1892. Vol. V. P. 354

وغیرہ ڈال کر مٹی سے ڈھک دیتے ہیں، اور اس کی ایک گنبد نما شکل ہو جاتی ہی۔
اِس طریقے سے نہ غلّہ میں نم پہنچ سکتا ہی اور نہ جنگلی چوہے نقصان کر سکتے ہیں۔
حفاظتِ غلہ کی مختلف تدابیر میں سے ایک تدبیر بلّی کا پالنا بھی ہی جس پر سب سے
پہلے عورت نے غور کیا، کتوں اور دُودھ دینے والے جانوروں کو مانوس کرنے
کا خیال پہلے کس کو پیدا ہوا، مرد کو یا عورت کو اس میں اختلاف ممکن ہی لیکن
یہ امر یقین کی حد تک پہنچتا ہی کہ بلّی پالنے کا خیال عورت کو پیدا ہوا اور اس
سے رفتہ رفتہ ذخائرِ خوراک کی حفاظت کا کام بھی لیا جانے لگا۔ اِس کا ثبوت
قدیم تاریخ مصر سے ملتا ہی کہ را (Ra) کی بیٹی سخت (Sekhet) بلّی کو
متبرک سمجھتی تھی اور اِس عہد میں جنگلی بلّی کے بچے پکڑ کر پالے جاتے تھے جن سے
اِنسان کے بچے کھیلتے تھے اور بڑھ جانے کے بعد اُن سے ذخائرِ غلّہ کی حفاظت
کا کام لیا جاتا تھا[۱]۔

امریکہ، ہندوستان، افریقہ، ملایا، پالینشیا، کی موجودہ وحشی قوموں
کے طریقِ معاش سے ثابت ہی کہ عہدِ قدیم میں ذخائرِ غلّہ کی حفاظت عورت ہی
کے ذمّہ تھی اور اب بھی اُن میں وہی قدیم دستور غلّہ کے محفوظ رکھنے کا رائج
ہے۔

جب غلّہ کو پیسنے کا خیال ہوا تو عورت نے اِس کام کے لیے دو چیزیں

استدراک (Schweinfurth's Artes Africanae.)
Mason's Wn's Share in Pr. Culture. ص ۵۲

بنائیں جن میں کی ایک چیز یعنی کھرل اب دو اسازوں کے کام میں ہو۔ اور دوسری چیز یعنی چکی ابھی تک عورت کے قبضے میں ہی۔ زمانۂ قدیم میں غلہ پیسنے کے لیئے کھرل کا استعمال بہت کثرت سے پایا جاتا تھا۔ کہیں کھرل پتھر کی ہوتی تھی اور دستہ بھی پتھر ہی کا، کہیں کھرل لکڑی کی اور دستہ بھی لکڑی کا، کسی جگہ کھرل لکڑی کی اور دستہ پتھر کا۔ ہندوستان میں بھی اوکھلی اور موسل اُسی کی یادگار ہیں، جو آج بھی دیہات وقصبات میں کثرت سے نظر آتے ہیں اور اکثر وبیشتر عورتیں ہی اُن سے کام لیتی ہیں۔

قطبِ شمالی کی طرف کوہ الیاس سے گزرنے کے بعد کھرل کا استعمال خشک مچھلی کو باریک کرنے کے لیے کثرت سے نظر آتا ہی۔ شمالی امریکہ میں بھی اس کا بہت رواج ہی۔ ایشیا میں بھی دھان کو کوٹنے کے لیے ہر جگہ اس سے کام لیا جاتا ہی، اور افریقہ میں تو کوئی حصہ ایسا نہیں، جہاں غلہ کوٹنے یا پیسنے کے لیے اوکھلی یا کھرل نہ استعمال کی جاتی ہو۔ اور ہر جگہ یہ خدمت عورتوں ہی کے سپرد ہی۔ کلیفورنیا میں اب آب پاشی کے ذریعہ سے تھوڑی بہت کاشت کرنے کا رواج ہوا ہی ورنہ زمانۂ قدیم میں یہ دستور تھا کہ جنگلی صنوبر کے پھل کو عورتیں جمع کرکے ایک جگہ خشک ہونے کے لیے ڈال دیتی تھیں

استدراک

لے Mason's Wn's Share in Pr Culture

لے Schweinfurth's Artes Africanæ

جب پھل پک جاتے تو عورت کوٹ کوٹ کر اس کے اندر سے بیج نکال لیتی اور کسی غار یا گڑھے میں اُس کے اندر محفوظ رکھ دیتی، جب کھانے کا وقت آتا تو حسب ضرورت ذخیرہ میں سے تھوڑے سے بیج نکال لیتی اور اُن کو پتھر کی کھرل میں پیس کر یا آگ میں بھون کر اپنے بچّوں اور مردوں کے سامنے لا کر رکھ دیتی[1]

کلیفورنیا (California) کی عورتوں کے متعلق مسٹر اسنائڈر (Snyder) لکھتے ہیں[2]۔

"میں نے وہاں کی عورتوں کو دیکھا ہے کہ مخروطی شکل کی ٹوکریوں میں بلوط کے پھلوں کو جمع کر لیتی ہیں اور پتھر کی چٹانوں میں بہت سے سوراخ کر کے اُن کے اندر پتھروں کی مدد سے پھلوں کو کچلتی ہیں اور پھر گرم سنگریزوں کی مدد سے اُن کو بھون کر کھاتی ہیں"

دوسرا طریقہ غلّہ پیسنے کا چکّی ہے لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ قبل چکّی کے جس چیز سے غلّہ کو باریک کرنے کا کام لیا جاتا تھا وہ سل ہے اور اس کے بعد چکّی ایجاد کی گئی، عہدِ مسیح میں اور اُس کے قبل بھی چکّی کا رواج پایا جاتا ہے، نہ صرف ہندوستان بلکہ ایشیا، امریکہ کے تمام حصص میں چکّی اپنا کام کر رہی

استدراک Coville, Anthropologist, Washington, 1892, Vol. V, Pp. 351 – 362. [1]

Mason's Wn's Share in Pri. Culture, P. 21 [2]

ہو اور ہر جگہ عورت ہی کا ہاتھ اُس کو جنبش دیتا ہوا نظر آتا ہی۔[1]

جن لوگوں نے دیہات کی زندگی کا مطالعہ کیا ہو وہ سمجھ سکتے ہیں کہ زرعت کے کام میں عورت کتنی منہمک نظر آتی ہی اور کھیت جوتنے کے وقت سے لیکر اس ساعت تک کہ کھانا پک کر سامنے آتا ہی، عورت کو کتنے کام کرنے پڑتے ہیں یقیناً ہل چلانے میں مرد زیادہ حصّہ لیتا ہی۔ لیکن دانے کو کھیت میں منتشر کرنا جب وہ اُگے تو اُس کی حفاظت کرنا، گھاس وغیرہ سے کھیت کو صاف کرنا، کاٹنا، انبار کرنا، کوٹنا، دلنا، پیسنا، چھاننا، گوندھنا، پکانا، سب عورت ہی کے سپرد ہی۔ اور چونکہ تمام ممالک میں مہذب ہوں یا غیر مہذب غلّہ دیہات ہی سے فراہم ہوتا ہی اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اب بھی ساری دنیا کے حیات کا انحصار عورت کی محنت پر رہا ہے۔

اب مشروبات کے متعلق دیکھئے کہ عورت کے فرایض کیا تھے اور ہیں۔ انگولا[2] (Angola) میں اور جہاں جہاں کھجور کے درخت زیادہ ہوتے ہیں، وہاں عورت ایک تونبا اپنے گلے میں لٹکا کر برہنہ پا درخت پر چڑھ جاتی ہی جب چوٹی تک پہنچ جاتی ہی تو وہ درخت کی چھال کو زخمی کرکے تونبے کو اس جگہ لٹکا آتی ہی۔ اور تقریباً بارہ گھنٹے کے بعد پھر چڑھتی ہی اور برتن کو جو عرق سے بھرا ہوا

استدراک

[1] Mason's Wn's Share in Pr. Culture, P. 22

[2] (Angola) وسط افریقہ میں مغرب کی طرف ایک مقام

اُتار لاتی ہیں[۱] بہت سے ممالک میں بعض درخت ایسے ہوتے ہیں جن میں زہریلا تلخ مادہ پایا جاتا ہے۔ اِن ممالک کی تمام عورتوں نے اپنے ذہانت سے اِس امر کو دریافت کر لیا کہ زہریلا مادہ اُبالنے یا جوش دینے سے نکل جاتا ہے۔ وہ ایسے درختوں کی پتیوں اور چھالوں کو جمع کرکے پانی میں جوش دیتی ہیں۔ اور پھر سرد پانی سے دھوتی ہیں۔ اس عمل کو وہ متعدد بار کرتی ہیں یہاں تک کہ تلخی بالکل زائل ہو جاتی ہے اور پتیاں کھانے کے قابل ہو جاتی ہیں۔ گرم پانی سے نباتات کا زہر دور کرنا وحشی عورت کی ایجاد ہے[۲]۔

کلیفورنیا کے جنوب و مغرب میں ایک قسم کی لانبی گھاس پیدا ہوتی ہے جس میں کچھ شکر کا مادہ پایا جاتا ہے۔ شروع ایام گرما میں جب گھاس پک جاتی ہے تو عورتیں اِس کو کاٹ کر خشک کر لیتی ہیں، اور خشک ہونے کے بعد کوٹ کر چھان لیتی ہیں اس چھنے ہوئے آٹے میں کچھ لیس ہوتا ہے، عورتیں اِس آٹے کو پانی سے گوندھ کر آگ پر رکھ دیتی ہیں یہاں تک کہ وہ بھن جاتا ہے اور پھول کر کیک یا ڈبل روٹی کی صورت اختیار کر لیتا ہے[۳]۔

یہاں تک صرف اِن ماکولات اور مشروبات کا ذکر تھا جو بہت ادنیٰ قسم کے ہیں اور جو صرف گھاس اور جنگل کی پتیوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ لیکن تحقیق سے معلوم

[۱] استدراک Price, J. Anthrop. Inst. London, 1882, Vol. I, P. 190.
[۲] Coville, P. 354
[۳] Coville, P. 355

ہوتا ہی کہ عورت نے صرف یہی نہیں کیا کہ صحرائی پیداوار سے غذا کا کام لیا ہو؛ بلکہ اُس نے زمین کھود کر تخم ریزی بھی کی اور اس طرح اوّلین زراعت کی بنیاد ڈالی[۱]۔ یقیناً عورت کا زراعت کی حد تک پہنچنا ارتقا رھا۔ گھاس کی جڑیں کھودنے کا، کیونکہ اس طرح رفتہ رفتہ اُس نے معلوم کیا کہ درخت نتیجہ ہوتا ہی؛ تخم کے زمین میں مدفون ہونے کا، اور اُس نے بیج کو زمین میں ڈال کر اس قیاس کو تکمیل کی حد تک پہنچایا، عورت کے اس تجربہ میں وسعت ہوتی گئی۔ صرف اس سیر و سیاحت سے جو پانی کی جستجو میں انسانی قافلوں کو کرنی پڑتی تھی۔

زمانۂ قدیم میں یہ دستور تھا کہ جہاں پانی کا چشمہ ملتا تھا وہیں انسان قافلوں کی صورت میں آباد ہو جاتا تھا۔ اور جب وہ چشمہ خشک ہو جاتا تھا تو دوسرے چشمے کی تلاش شروع ہوتی تھی، تاکہ وہاں قیام کیا جائے۔ جب انسان نے دیکھا کہ اس طرح کہاں تک زندگی بسر ہو سکتی ہی اور کتنے چشمے ایسے مل سکتے ہیں جو اس کبھی نہ بجھنے والی پیاس کو رفع کر سکیں، تو سب سے پہلے جس نے اس مسئلہ پر غور کر کے تدبیر کی طرف توجہ کی، عورت تھی۔ چونکہ پانی لانے کے لیے اُس کو چشموں پر زیادہ جانا پڑتا تھا، اس لیے اس کے تجربات زیادہ وسیع تھے اور آخرکار اُس نے معلوم کیا کہ اگر چشموں کو ذرا عمیق کر دیا جائے تو پانی زیادہ عرصہ تک میسر آ سکتا ہی اور اس طرح کنوئیں کی بنیاد سب سے پہلے عورت ہی کے ہاتھ سے پڑی[۲]۔ یہ یقین کے

استدراک Travels in S. Africa, New York, 1858. P. 442 [۱]

Mason's Wn's Share in Pr. Culture, P. 25 [۲]

ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ چشموں سے کیونکر پانی حاصل کیا جاتا تھا۔ اور کس طرح غاروں اور جھونپڑوں تک پہونچایا جاتا تھا۔

زمانۂ حال میں وحشی اقوام کے حالات کا مطالعہ کرنے سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں پانی لانے کا کیا طریقہ رہا ہوگا یہ لوگ بڑے بڑے بانسوں کو بیچ سے پھاڑ کر دو ٹکڑے کر دیتے ہیں اور ایک ٹکڑے کو دوسرے کے ساتھ جوڑ کر چشمے سے جھونپڑے تک ایک نالی سی بنا لیتے ہیں اور اِس نالی کے ذریعہ سے پانی جھونپڑوں تک پہنچاتا ہے، یہ بانسوں کا پھاڑنا اُن کے ٹکڑوں سے نالی بنانا، اور پانی کا چشمہ سے جھونپڑے تک پہنچانا سب عورت ہی کے سپرد ہے[1]

پانی حاصل کرنے میں جو ذہانت صحرائے افریقہ کی عورتیں صرف کرتی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوع انسان کی یہ ضعیف و نازک جنس فطرتاً اختراع پسند واقع ہوئی ہے۔ افریقہ کے ریگستان میں پانی معدوم ہے اور منزلوں تک کوئی چشمہ نظر نہیں آتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اِس ریگستان میں قبائل کے قبائل آباد ہیں۔ غذا کے متعلق تو خیر کہا جا سکتا ہے کہ وہ صحرائی جانوروں کا شکار کرکے اُن کا گوشت کھاتے ہیں، لیکن پانی کیونکر دستیاب ہو، اس معمہ کو عورت نے حل کیا، اور آج بھی صحرائی قبائل کی زندگی عورت کے اُس تدبیر کی ممنون ہے جسے پانی مہیا کرنے

استدراک

[1] Wallace, Malay Archipelago, New York, 1869

کے لیے وہ عمل میں لاتی ہے۔ شترمرغ کے بیس تیس انڈوں کے چھلکے جو ایک لوٹے یا بڑے پیالے کی شکل میں ہوتے ہیں جال یا کپڑے میں رکھ کر ریگستان کی طرف نکل جاتی ہیں، وہاں پہونچکر وہ ایک مٹھی باریک گھاس لے کر نئے یا پتلے، کھوکھلے بانس کے ٹکڑے کے کنارے پر باندھ دیتی ہے۔ اور ریت میں جہاں تک اس کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے اندر داخل کر دیتی ہے اور پھر باہر نکال لیتی ہے، اس طرح گیلی ریت گھاس میں لپٹ کر آجاتی ہے۔ عورت نئے کے دوسرے کنارے کو ہونٹوں سے داب کر ریت کی نمی کو چوستی ہے اور جب منھ میں کافی پانی جمع ہو جاتا ہے تو انڈوں کے چھلکوں میں کلیوں کے ذریعے سے بھرتی جاتی ہے۔ اس طرح جب سارے چھلکے بھر جاتے ہیں تو وہ انھیں گھر لے جا کر ریت میں داب دیتی اور ضرورت کے وقت پانی نکال کر کام میں لاتی ہے۔ یقیناً یہ طریقہ پانی نکالنے کا نہایت دقت طلب نظر آتا ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کیونکر کافی پانی مہیا ہو سکتا ہوگا۔ لیکن یہ ایک واقعہ ہے کہ صحرائے افریقہ کے بہت سے قبائل کی زندگی عورتوں کے اسی ترکیب و تدبیر پر منحصر ہے اور وہ اس پر از بس قانع و مسرور نظر آتے ہیں۔ چونکہ اس خدمت کو صرف عورتیں ہی انجام دیتی ہیں اور وہی آسانی و کامیابی کے ساتھ ریت کے اندر سے پانی جذب کر کے مہیا کر سکتی ہیں، اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ عورت نے ہی اس طریقے

استدراک

[1] شترمرغ ایک مشہور جانور طائر کی شکل کا ہے جو افریقہ میں بکثرت پایا جاتا ہے اور اُسکے انڈے بڑے خربوزے کی برابر ہوتے ہیں۔ [2] Livingstone. Travels and Researches in South Africa, 1858

کو اختراع کیا۔

کھانے کی ضروریات میں اس وقت بھی وہ چیز جس کا ہر باورچی خانہ میں پایا جانا لازم ہے، چاقو یا چھری ہے۔ زمانہ قدیم میں اگر ایک طرف مرد شکار کرنے کے لیئے سنگیز ہتھیار بنانے کی فکر میں مصروف تھا تو دوسری طرف عورت، جو مردوں کے لائے ہوئے شکار کو صاف کرنے، کاٹنے، بنانے کی خدمت انجام دیتی تھی، کسی ایسے آلہ کی ضرورت کو محسوس کر رہی تھی جو اس کام میں مدد دے۔ چونکہ مردوں کا شکار مہیا کرنا، اور عورت کا اس کو کاٹ کر غذا تیار کرنا دونوں ساتھ ہی ساتھ عالم ایجاد میں آئے، اس لیئے مردوں کا سنگین نیزے اور بھالے اور عورت سخت پتھر کے پتلے نوک دار ٹکڑے سے چاقو یا چھری کا کام لینا بھی ساتھ ساتھ عمل میں آیا ہوگا۔

امریکہ میں اسکیمو (Eskimo) [۱] کی عورتیں آج بھی اک زبردست چھری قیمہ کرنے کے لیئے استعمال کرتی ہیں [۲] جس کی ساخت و وضع بہت قدیم زمانہ کی ہے۔ اس سے نہ وہ صرف گوشت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں مدد لیتی ہے بلکہ کھال کے کاٹنے اور تسمے وغیرہ بنانے میں بھی اس سے کام لیتی ہے۔ چونکہ اگلے زمانہ میں جانوروں کی کھال کا ملبوس بھی بنایا جاتا تھا، اس لیئے عورت

استدراک

[۱] شمالی امریکہ کے شمال میں ساحل خلیج ہڈسن (Hudson) پر ایک مقام

Mason's Wn's Share in Pr. Culturo, P. 27. [۲]

اسی اوزار سے چمڑے کی قطع و برید بھی کرتی تھی۔ اسی اوزار کے ساتھ عورت نے ایک اور چیز بھی بنائی، جو ہڈیوں کے توڑنے اور مغز نکالنے کے کام میں لائی جاتی تھی۔ اس کو ہتھوڑا یا مونگری کہہ سکتے ہیں۔ پتھر کے گول ٹکڑے میں خفیف سا گڑھا کرکے اس میں ایک دستہ قایم کیا جاتا تھا اور خام چمڑے کو گیلا کرکے اس پر مڑھ دیتے تھے جب چمڑا خشک ہوجاتا تھا تو دستہ پتھر کے ٹکڑے کے ساتھ اچھی طرح وصل ہوجاتا تھا، یہ تھا وہ ہتھوڑا جس سے گوشت اور ہڈی وغیرہ کچلی جاتی تھیں[1]۔

گرم ممالک میں جہاں گوشت آسانی سے خشک ہوجاتا ہے اور عرصہ تک خراب نہیں ہوتا، عورتیں گوشت کے باریک باریک ٹکڑے کرکے دھوپ میں لٹکا دیتی ہیں۔ اور خشک ہونے کے بعد ہتھوڑے سے اسے کوٹ کر باریک کر لیتی تھیں جو عرصہ تک اُن کی غذا کا کام دیتی تھی۔ بعض ممالک میں یہ بھی دستور تھا کہ قیمہ کیئے ہوئے گوشت میں ہڈیوں کا مغز اور چربی ملا کر کچی کھال میں بند کرکے سی دیتے تھے۔ اور خشک ہونے کے بعد اُس کو کاٹ کاٹ کر کھاتے تھے۔ الغرض ان تمام کاموں میں ہتھوڑا بہت کام دیتا تھا، جو یورپ کے عجائب خانوں میں اب بھی دیکھا جاتا ہے[2]۔

استدراک

[1] Mason's Wn's Share in Pr. Culture, P. 27

[2] Mason's Wn's Share in Primitive Culture, P. 29

گوشت پکانے کا قدیم ترین طریقہ جو معلوم ہوا ہے یہ تھا کہ گوشت کے ٹکڑے یا مچھلی کو لکڑی پر رکھ کر آگ کے سامنے لٹکا دیتے تھے، یا پتّیوں میں لپیٹ کر گرم راکھ میں دبا دیتے تھے۔ اس کے بعد برتن بنانے کا خیال پیدا ہوا اور سب سے پہلے اس خیال نے جو عملی صورت اختیار کی یہ تھی کہ عورت نے پتھر یا زمین میں گڑھا کیا اور اس میں گوشت رکھ کر گرم کیے ہوئے پتھر کے ٹکڑے ڈال دیئے، جنھوں نے پانی میں جوش پیدا کیا اور گوشت فی الجملہ خام نہ رہا۔[1]

یہ امر کہ عورت نے پتھر کی کلھاڑیوں سے درخت کاٹا یا نہیں، اس کی بابت یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن یہ ضرور ہے کہ اس کام میں عورت نے آگ کی مدد سے مرد کی اعانت ضرور کی ہے۔ اور اسی سلسلے میں سب سے پہلے لکڑی کی ہانڈی بنائی گئی۔ وہ درخت کے تنے سے ایک حصّہ حسب ضرورت الگ کر کے صنوبر کے گھر میں اس پر آگ جلاتی تھی جس سے تنے کی لکڑی بھی آگ پکڑ لیتی تھی۔ آگ کا شعلہ اگر اِدھر اُدھر پھیلتا تھا تو کیچڑ، گیلی چھال وغیرہ کے حصار سے شعلے کی رفتار کو محدود کیا جاتا تھا۔ جلتے جلتے جب راکھ تہ میں جمع ہو جاتی تھی اور لکڑی کا جلنا موقوف ہو جاتا تھا تو وہ آگ وغیرہ نکال کر گھاس کی جھاڑو سے اس کو صاف

استدراک

[1] Mason's Wn's Share in Primitive Culture, P. 30

کردیتی تھی اور نوک دار پتھر کے ذریعہ سے جو حصہ لکڑی کا کوئلہ ہو جاتا تھا اُس کو علیحدہ کردیتی تھی، یہاں تک کہ صاف لکڑی نکل آتی تھی، اگر ایک ہی دفعہ میں کافی عمق لکڑی میں پیدا ہو گیا تو خیر ورنہ پھر آگ روشن کرکے یہ ہی ترکیب عمل میں لائی جاتی تھی اور دو چار دفعہ میں لکڑی کا تنہ اچھی خاصی ہانڈی بن جاتا تھا جس سے غذا اُبالنے اور پکانے کا کام لیا جاتا تھا۔ چونکہ سنگین ظروف کی نسبت وحشیوں کا تجربہ تھا کہ گرم ہونے کی حالت میں جب پانی ان میں ڈالا جاتا ہے تو وہ پھٹ جاتے ہیں، اس لیئے لکڑی کی یہ ہانڈی اُن کے لیئے بڑی نعمت تھی۔

امریکہ میں زمانۂ قدیم کے باشندوں نے ایک اور پتھر سے ظروف بنانے کا کام لیا، جس کو سوپ اسٹون (Soap stone) کہتے ہیں۔ اس میں شق ہوجانے کا عیب نہ تھا۔ یہ پتھر زمین کے اندر سے نکلتا تھا۔ چنانچہ شمالی امریکہ کے مشرق میں بہت سے گڑھے اب بھی پائے جاتے ہیں جہاں سے ازمنۂ قدیم کے وحشی پتھر نکالتے تھے، وہیں برتنوں کے ٹکڑے اور کچھ اوزار بھی دستیاب ہوئے ہیں جن سے برتن بنائے جاتے تھے۔

کھانا تیار کرنے کے متعلق اس سے قبل ذکر ہو چکا ہے کہ عورتیں گوشت کو خشک کرکے اُبال کر، آگ کے سامنے بھون کر کھانے کے قابل بناتی تھی۔

استدراک

Mason's Wn's Share in Pr. Culture, P. 32

سلہ ۲ Mason's Wn's Share in Pr. Culture, P. 34, 35

مسز ایلی سن (Mrs Allison) نے کناڈا کی عورتوں کے حالات میں لکھا ہے[1]

"یہاں کے وحشیوں کی خوراک پہلے صرف گوشت تھا، جو کبھی تازہ بھون کر اور کبھی خشک کرکے کھایا جاتا تھا، عود بلاؤ کی دم اور ریچھ کے پنجوں کا نفیس غذا میں شمار تھا، سورج مکھی کے بیجوں کو پیسکر اس کا آٹا استعمال کیا جاتا تھا۔ علاوہ اس کے اسپٹم (Spattum) گھاس کی جڑیں کھود کر خشک کرلی جاتی تھیں یا انہیں اُبال کر کھالیا جاتا تھا۔ ایک گھاس اور کائی کی طرح لانبی ہوتی تھی۔ اس کو جمع کرکے کچھ عرصہ تک پانی میں رکھا جاتا تھا اور پھر ایک گڑھا کھود کر گرم پتھروں پر اس کو بچھا دیتے تھے اور اس پر پتیاں اور پتھر کے ٹکڑے ڈال کر ڈھک دیتے تھے چند روز بعد جب یہ گڑھے کھولے جاتے تھے تو وہ گھاس ربڑ کی طرح ہوجاتی تھی اور اس کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر کھانے کے کام میں لائے جاتے تھے۔"

بنکرفٹ (Bancroft) کا بیان ہے کہ:۔[2]

جزیرۂ وینکور[3] (Vancouver) میں عورتیں چار طریقوں سے کھانا تیار کرتی تھیں ایک اُبال کر: لکڑی کے برتنوں میں گرم پتھر کے ٹکڑے

اشتراک

[1] Mason's Wn's Share in Pr. Culture, P. 34, 35

[2] Bancroft, Native Races, New York, 1874-76

[3] ایک جزیرہ جو شمالی امریکہ کے مغرب میں برٹش کولمبیا سے ملا ہوا اس پر برطانیہ کا قبضہ ہے۔

ڈال کر ہر قسم کی غذا اُبالی جاتی تھی۔ دوسرا طریقہ بھاپ کے ذریعہ سے پکانے کا
تھا۔ گرم پتھر پر کھانا رکھکر او اس پر پانی ڈال کر چٹائی سے اچھی طرح ڈھک دیتے
تھے لیکن یہ طریقہ بہت کم رائج تھا۔ تیسرا طریقہ بھوننے کا تھا اور یہ صرف چھوٹی
چھوٹی مچھلیاں تیار کرنے کے لیئے مستعمل تھا۔ چوتھا طریقہ خام چیزوں کے
کھانے کا تھا، اور مچھلیوں کے انڈے زیادہ تر کچے ہی کھائے جاتے تھے۔"

اب بھی ایشیا اور جزائر ایشیا[1] کے وحشی قوموں کے حالات سے یہ امر پایۂ ثبوت
کو پہنچتا ہی کہ ازمنۂ قدیمہ میں انسان کے اسباب خورو نوش کیا تھے اور موجودہ مہذب
ممالک کے طریق طعام تک پہنچنے کے لیئے مراسم قدیم نے کتنے مدارج ارتقاء کے
طے کیئے۔ تمام دنیا میں کوئی قوم ایسی نظر نہ آئیگی کہ اس کے ہاں کھانا پکانے کا
انتظام مرد کے سپرد ہو۔ جس ملک اور جس آب وہوا میں جا کر دیکھیئے، غذا اور
سامانِ غذا پر عورت ہی کی حکومت نظر آتی ہی۔ ادنیٰ طبقوں میں عورت خود برتن صاف
کرتی ہی، اپنے ہات سے ترکاری وغیرہ حاصل کرکے پکاتی ہی اور مرد کے سامنے لا کر رکھتی
ہی۔ اگر اور زیادہ ناقدانہ نظر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ زمین کو قابلِ زراعت
بنانے کے وقت سے لے کر اُس ساعت تک کہ نوالہ مُنھ تک پہنچتا ہی، کوئی درجہ
یا مرحلہ ایسا نہیں ہی کہ عورت کا ہاتھ اُس میں شامل نہو۔ غلہ بوتے میں وہ مدد کرتی

استدراک

[1] جزائر ایشیا کی تعداد بہت ہی جنمیں خاص خاص یہ ہیں:۔ ساترا، جاوا، بورنیو، جزائر فلپائن، لنکا، قبرص

ہی، جب پرندے آتے ہیں تو وہ اُن کی حفاظت کرتی ہی، کھیتوں کو خس و خاشاک سے وہ صاف رکھتی ہی، خرمن جمع کرنے میں وہ مرد کی اعانت کرتی ہی، جب کھیتیاں پک جاتی ہیں تو اُن کے کاٹنے میں وہ زیادہ حصّہ لیتی ہی، اور جب غلّہ گھر میں آجاتا ہی تو پھر اُس کے کاموں کی کوئی انتہا نہیں۔ کوٹنا، پیسنا، چھاننا، پکانا وغیرہ وہ خدمات ہیں جن کو شخص جانتا ہی۔ اعلیٰ طبقہ میں عورت اِن خدمات سے ایک حد تک سبکدوش ہی، لیکن کھانے کا اہتمام والصرام وہاں بھی اُسی کے سپرد ہی، یعنی اگر وہ خود اپنے ہاتھ سے نہیں کرتی تو اپنی نگرانی میں دوسروں کے ذریعے سے اُن تمام مراتب کو طے کرتی ہی، جو تیاریِ غذا کے لیئے ضروری ہیں۔ اس کی وجہ سولئے اِس کے اور کچھ نہیں کہ یہ خدمت زمانۂ قدیم سے عورت کے سپرد ہی اور وہ اِس کو بہ نسبت مرد کے بہتر طریق سے صرف اس لیئے انجام دے سکتی ہی کہ ضروریاتِ فرائض کے زیرِ اثر رہنے کے وجہ سے عورت کو اس میں کافی تجربہ حاصل ہی اور وہ اسبابِ خور و نوش کے متعلق مخترعِ اوّل ہونے کی حیثیت سے اُس کے اہتمام والصرام کی زیادہ اہل ہی۔
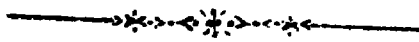
دُوسری فصل

بُننے کے متعلق عورت کے کارنامے

تمام اُن کاموں میں جو عورت کے ہاتھوں سے انجام پاتے ہیں، بننے سے زیادہ کوئی کام ایسا نہیں ہے جو کسی فن کی ترقی کے جغرافیے کو بہترین طریقے سے ظاہر کرتا ہے یعنی اس صنعت اور اُس ملک کے درمیان جہاں اس کی ترقی ہوئی ہے جو تعلق ہے اس سے نہایت واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔

آپ اگر کسی ملک میں کوئی مخصوص پیداوار کثرت کے ساتھ پاتے ہیں تو آپ کو یقین کر لینا چاہیے کہ عورت نے اُسے ضرور ڈھونڈھ نکالا ہوگا، اور اُس سے کوئی نہ کوئی کام لیا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ صنف لطیف اور پیداوارِ فطرت کے درمیان ایک قدرتی رابطہ قایم تھا کہ عورت اُس تک فوراً پہنچ گئی اور یہ عورت کے ہاتھوں تک پہنچکر مختلف شکلیں اختیار کرنے لگی۔ اگر عورت نے کسی ملک میں وہاں کی پیداوار سے کوئی مخصوص صنعت وحرفت قائم کی اور پھر دوسرے ملک میں چلی گئی تو اپنی صنعت کو بھی ساتھ لے گئی، اور وہیں کے پیداوار سے کام لینا شروع کر دیا۔ حبشی عورتیں جب اوّل اوّل لونڈیوں کی حیثیت سے امریکا گئیں، تو یہاں بھی انھوں نے کھجور کی پتیوں سے وہی کام لینا شروع کیا جو افریقہ میں لیا کرتی تھیں اور پیچ دار ٹوکریاں بنانی شروع کیں۔ عورت کی یہ صنعتِ قدیم دو قسمیں رکھتی ہے۔

ایک ٹوکریاں بنانا دوسرے ٹوکریاں بُننا۔ اول قسم کا تعلق سخت پیداوار سے ہے جس سے ٹوکریاں بنائی جاتی ہیں۔ دوسری قسم نرم پیداوار سے متعلق ہے جس میں چٹائیاں۔ تھیلے، بادبان، ملبوس وغیرہ شامل ہیں۔ ان دونوں قسموں کے درمیان کوئی بین فرق الفاظ سے ظاہر کرنا دشوار ہے۔ صرف دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان دونوں میں صرف بننے اور پھندے ڈالنے کا فرق ہے۔ ان ہی دو خاص قسموں کی اور بھی چھوٹی چھوٹی تقسیمیں ہیں جیسے کاتنا، جال بننا، پھندے ڈالنا، فیتے بنانا، سینا وغیرہ۔ چھال کو کوٹ کر کپڑے تیار کرنے کا رواج خط جدی[1] اور خط سرطان کے درمیان واقع ہونے والے ممالک میں عام طور سے اب بھی پایا جاتا ہے۔

قسم اوّل کی بھدی صورت ٹٹیاں اور جھابے ہیں یا پھر وہ جال ہیں جو شاخوں کو باہم گوتھ کر مچھلی پکڑنے کے لئے بنائے جاتے تھے۔ روئے زمین پر اب بھی کوئی وحشی قوم ایسی نہیں ہے جس کی عورتیں ٹوکری بنانا نہ جانتی ہوں اور ان کے مدفنوں سے بھی جلی ہوئی ٹوکریاں اور چٹائیاں کثرت سے برآمد ہوتی ہیں[2] جو

استدراک :-

[1] خط استوا کے دونوں جانب جو حصہ کرۂ زمین کا ہے وہ مابین خط جدی و خط سرطان واقع ہے۔ کرۂ ارض کی فرضی تقسیم جن خطوط سے کی گئی ہے ان میں دو خط یہ بھی ہیں۔

[2] Mason's Wn's Share in Primitive Culture

ثبوت ہیں اس امر کا کہ یہ صنعت وحشیوں میں بہت زمانۂ قدیم سے رائج ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ ان تمام کاموں کے لئے کسی نہ کسی اوزار کی ضرورت ہوگی اور بغیر کسی دقت وکاوش کے فطرت نے اپنی پیداوار کو انسان کی ذہانت کا مصرف بننے کے لئے یوں آسانی سے پیش نہ کردیا ہوگا۔

ٹوکریاں بُننے کے سلسلہ میں بعض اوزار تو وہ ہیں جو پیداوار صحرا فراہم کرنے سے متعلق ہیں، اور بعض وہ ہیں جو بننے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں اور یہ اوزار سب کے سب بہت سادہ ومعمولی ہیں چوں کہ ٹوکریاں بننے کے لئے مختلف پیداوار سے کام لیا جاتا ہے، کہیں لکڑی سے، کہیں چھال سے، کہیں گھاس اور اس کی جڑوں سے، اس لئے ان اوزاروں میں بھی اختلافِ پیداوار کے ساتھ تفاوت ہے اور ہونا چاہیئے۔ لیکن اک اوزار ایسا ہے جو تمام ممالک و اقوام میں مشترک ہے اور وہ سلائی یا سُتالی ہے۔ جو ہر قسم کی ٹوکری بنانے کے کام میں مستعمل ہے اور جو زمانۂ قدیم کی عورتوں کی قبروں سے بھی برآمد ہوئی ہے۔

پہلے ٹوکری دو طرح بنائی جاتی تھی۔ ایک طریقہ بننے کا تھا اور دوسرا سینے کا اور ان دونوں میں بہ لحاظ پیداوار ملک بہت تنوع پیدا کیا جاتا تھا۔ جنھوں نے مختلف ساخت وممالک کی ٹوکریوں کو دیکھا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اُن میں تانے بانے کے پیٹنے کے انداز سے کتنا تنوع پیدا ہو جاتا ہے اور کتنے قسم کے پھول اُن میں بن جاتے ہیں۔

شمالی امریکا میں ایک قوم الگن کون[1] ہے۔ اس قوم کی عورتوں نے معلوم کیا کہ بعض درخت ایسے ہیں جو تہ بہ تہ چھالیں رکھتے ہیں اور ایک خاص موسم وزمانہ میں اگر ان چھالوں کو لکڑی یا ہتھوڑے سے ضرب پہنچائی جائے تو حلقے کے حلقے الگ ہو جاتے ہیں۔ عورتوں نے اس معلومات سے فائدہ اُٹھا کر یہ حلقے نکالے، اُن کی لمبی لمبی پٹیاں کاٹیں اور ٹوکریاں بنانی شروع کیں۔

واشنگٹن (Washington)[2] اور برٹش کولمبیا (British Columbia)[3] میں عورتیں دیودار کی چھال سے بھی یہی کام لیتی ہیں۔ تمام ممالک کی ٹوکریوں کی ساخت کا اصول ایک ہی ہے، ڈھانچے کی لکڑیاں سخت ہوتی ہیں اور جو ٹہنیاں اُس ڈھانچے پر لپیٹی جاتی ہیں وہ نرم ہوتی ہیں تاکہ ڈھانچے کی لکڑیوں سے اچھی طرح لپٹ سکیں اور اُن کے اُلٹ پھیر سے مختلف شکلیں پیدا ہو سکیں کچھ زمانہ کے بعد پٹیوں کو رنگ کر استعمال کرنا شروع کیا گیا، جس سے ٹوکریاں اور زیادہ حسین نظر آنے لگیں۔

دوسری صورت ٹوکری بنانے کی وہ ہی جو بُننے سے متعلق ہی۔ اس کا رواج زیادہ تر اُن ممالک میں پایا جاتا ہی جہاں بانس کثرت سے ہوتا ہی، چنانچہ مشرقی ہند

استدراک :-

[1] (Algonquian) [2] شمالی امریکہ میں یونائیٹڈ سٹیٹس (United states) کا ایک مشہور مقام [3] شمالی امریکا میں مقبوضات برطانیہ کا ایک بڑا صوبہ

سیام کی ٹوکریاں نہایت خوبصورت و مضبوط ہوتی ہیں۔ ٹوکریاں بنانے والے پہلے بانس کے ٹکڑے اور بانس کی تیلیاں مہیا کرتے ہیں۔ پہلے بانس کے ٹکڑوں کو پیچ دے کر کمان کی طرح بنا لیتے ہیں۔ اور پھر اُن پر تیلیاں قایم کر کے اور بانس کے باریک چھلکے لپیٹ کر مختلف قسم کی ٹوکریاں تیار کرتے ہیں۔ شمالی امریکا میں گھاس کی باریک باریک جڑیں بھی اسی کام میں لائی جاتی ہیں۔ واشنگٹن اور برٹش کلمبیا کی عورتیں ٹوکریوں پر جھلّی مڑھ لیتی ہیں اور اس کے اندر گوشت وغیرہ ڈال کر گرم پتھروں کی مدد سے اُبال لیتی ہیں۔ قطب شمالی کی طرف ایک قسم کا صنوبر ہوتا ہی وہاں کی عورتیں اس کی باریک جڑوں سے ٹوکریاں بناتی ہیں۔ گرم ممالک میں جہاں کھجور ہوتا ہی وہاں اُس کے پتوں سے یہ کام لیا جاتا ہی۔ جاپان میں صرف پٹیوں کے اُلٹ پھیر سے ٹوکریوں پر نہایت نفیس پھول بوٹے نمایاں کئے جاتے ہیں۔ جن پٹیوں یا بانس کے فیتوں سے ٹوکریوں کو سیتے ہیں اُن کے بنانے کے مختلف طریقے ہیں۔ میتھیوز، ماؤنٹن چینٹ (Mountain Chant) میں لکھتے ہیں[۱] کہ

"نواجو قوم کی عورتوں نے قبل اس کے کہ انھوں نے کمل بننا سیکھا گھاس کی چٹائیاں بنائیں۔ اگر ٹوکریوں کو غور سے دیکھا

استدراک:۔

[۱] Mathew's Fifth Annual Report

جائے تو معلوم ہوگا کہ جو شکلیں، پھول، پتیاں وغیرہ اُن پر
نمایاں ہوتی ہیں۔ اُن میں کیسی یکسانیت ہوتی ہے۔ ایک کا
دوسرے سے فصل و وصل اس قدر مرتب و منتظم ہوتا ہے کہ
اُس سے نسوانی دماغ کی فطری ریاضی دانی بخوبی ثابت ہوتی
ہے۔ اگر بننے یا سینے کے وقت پٹیوں کے شمار اور پیچ ڈالنے کے
نظم و انداز کو بھول جائے تو کبھی ایسی ہموار صورت پیدا نہیں
ہوسکتی اور نہ ٹوکریوں میں یکساں دھاریاں پڑسکتی ہیں۔"[لہ]

بہت سی وحشی قوموں کی عورتوں نے یہ بھی کوشش کی کہ وہ ٹوکریوں میں طیور و
وحوش وغیرہ کی صورتیں پیدا کریں اور اس حد تک اس میں کامیابی حاصل کی
کہ اس وقت بھی مہذب ممالک میں بیل اور فیتے بنانے والی عورتیں اُن کی نقل
کرنے کو انتہائے مہارت سے تعبیر کرتی ہیں۔ افریقہ میں حبشی عورتیں کھجور کی پتوں کی
بہت سی لانبی پٹیاں چیر کر رکھ لیتی ہیں اور زمین پر بیٹھ کر صرف اپنی انگلیوں
کی مدد سے اچھی اچھی چٹائیاں بنتی ہیں۔ اس صورت میں پٹیوں کو بل نہیں دیا جاتا
بلکہ سیدھی استعمال کی جاتی ہیں۔ میگزیکو (Mexico) وسط امریکا، جنوبی
امریکا، افریقہ، اوشنیا (Oceania) میں کاغذ یا نمدے کی طرح چٹائیوں

استدراک :۔

[لہ] Mathew's Fifth Annual Report

کے تھان کے تھان عورتیں تیار کرتی ہیں۔ واشنگٹن کے نیشنل میوزیم (عجائب خانہ)
میں ایک چٹائی کا تھان چالیس فٹ لانبا اور دس فٹ چوڑا موجود ہی جزیرہ ہوائی
(Hawai) لے میں چھالوں کے کپڑے تیار کرنا صرف عورتوں ہی کا کام
تھا۔ اس کے لئے صرف موگریوں کی ضرورت ہوتی تھی جن سے وہ چھالوں کو
کوٹتی تھیں اور تونبوں کی جن سے پانی لے لے کر وہ چھالوں پر چھڑکتی تھیں
اس جزیرہ کی عورت کو یہ معلوم تھا کہ کس درخت کی چھال کوٹنے سے ریشہ ریشہ
ہو جاتی ہی اور اُس ریشے سے کس قسم کا کپڑا تیار کیا جا سکتا ہے [ٹلہ]۔ امریکا میں کلمبیا
(Columbia) اور دریائے فرنیرہ کے درمیان جو حصہ واقع ہی وہاں صنوبر
کے درخت کثرت سے ہوتے ہیں۔ زمانہ قدیم میں یہاں کی وحشی عورتیں ان صنوبروں
کی چھالوں کو کوٹ کوٹ کر ریشم کے سے تار نکالتی تھیں اور اُن سے کپڑا بنتی تھیں
افریقہ میں عورتیں کھجور کی پتیوں اور تار کی چھال سے ریشہ نکال کر کپڑا بنتی تھیں
ان ریشہ نکالنے والی عورتوں کے ساتھ اُن عورتوں کو بھی فراموش نہ کرنا چاہیے
جنھوں نے نسوں اور رگوں کے ذریعے سے کپڑا تیار کیا۔ وہ ہرنوں اور دوسرے

استدراک:۔

لہ شمالی امریکا اور آسٹریلیا کے درمیان ایک مشہور جزیرہ جو زمانہ قدیم میں اپنے آتش فشاں پہاڑوں کے
وجہ سے مشہور تھا۔ لیکن اب ان پہاڑوں میں عرصہ دراز سے سکوت و سکون پایا جاتا ہی۔

Bishop Brigham, Ms. Catalogue, 1892 ٹلہ

جانوروں کی پشت یا ٹانگوں کی نسوں کو دھوپ میں خشک کرلیتی تھیں اور کوٹ کوٹ کر اُن سے ریشے نکالتی تھیں"۔ "اسکیمو" کی عورتوں نے جو تاگے اس طریق سے نکالے، اُن میں بعض اتنے باریک تھے کہ آج بھی مہین سی مہین سوئی میں پروئے جاسکتے ہیں[1]۔

کپڑا بننے سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہوئی ہوگی وہ تاگے ہیں اور تاگا بنانے کے لئے کاتنا یا بل دینا ضروری ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں جال بنانے، پھندا ڈالنے کے لئے جو تاگا یا ڈورا استعمال کیا جاتا تھا اُس کو پہلے ران پر رکھکر ہتھیلی سے بٹتے تھے۔ جس سے ریشے یا ڈور میں بل پڑجاتے تھے۔ بعض قوموں کی عورتوں میں لکڑی کے ٹکڑوں کے ذریعے سے بل دیا جاتا تھا یعنی تاگے کے سِروں کو دو لکڑیوں میں باندھ کر ایک کو دوسرے پر گھماتے تھے اور اس طرح اُس میں بل پڑجاتا تھا۔ ہندوستان کے دیہات میں اب بھی ڈوریاں اسی طرح بٹی جاتی ہیں۔ لیکن سوت کاتنے اور تاگا بٹنے کا وہ طریقہ (جو زمانۂ قدیم میں عام طور سے رائج تھا اور اب بھی ایشیا کے اکثر حصوں میں پایا جاتا ہے) چرخا ہے یقیناً چرخے کی صورت یہ نہ تھی جو اب ہے۔ لیکن اصول کے لحاظ سے جو طریقہ زمانۂ قدیم میں رائج تھا وہ موجودہ چرخے سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔ پہلے آہنی تکلا نہ تھا

استدراک :-

[1] Mason's Wn's Share in Pr. Culture

بلکہ صرف ایک سیدھی سی لکڑی بجائے اس کے مستعمل تھی تاہم چرخے کا دائرہ یا پہیا بہت قدیم چیز ہے سب سے پہلے جو آلہ سوت بننے کے لئے کام میں لایا گیا، چرخا نہ تھا بلکہ ایک لکڑی تھی جو آج کل کی رئی یا متھانی (دودھ بلونے اور مکھن نکالنے کی لکڑی) سے بہت مشابہ تھی۔ روئی یا اُون کو بائیں ہات میں لے کر اس کا تھوڑا سا سرا ہاتھ سے نکال کر لکڑی میں اٹکا دیتے تھے اور اس کو داہنے ہاتھ سے گھماتے تھے اس طرح وہ حصہ جو ہات کی مدد سے بڑھایا جاتا تھا بٹ جاتا تھا اور اسی لکڑی میں لپیٹ دیا جاتا تھا۔[۱] آج کل ہندوستان میں کمہار اور ماہی گیر جال بنانے کے لئے ڈور کو اکثر اسی طرح بٹتے ہیں۔

روم، یونان اور مصر کی زمینوں سے جو قدیم نقوش دستیاب ہوئے ہیں اُن میں یہ منظر اکثر دیکھا جاتا ہے کہ عورت چرخا یا پھرکی کے ذریعہ سے سوت کات رہی ہے۔ دوآبۂ دجلہ اور فرات کے درمیان جو پتھر زمین سے برآمد ہوئے ہیں اُن سے بھی ۲۵۰۰ برس قبل مسیح چرخے کا رواج ارض فلسطین میں ثابت ہوتا ہے۔[۲]

تھامسن[۳] نے فلسطین میں کاتنے کا ایک اور قدیم ترین طریقہ معلوم کیا ہے وہ کہتا ہے کہ یہاں عورتیں بکری کی اُون کو کاتتی ہیں۔ لیکن نہ چرخے کا استعمال کرتی

استدراک:-

[۱] Bancrofi, Native Races, N. York, 1874

[۲] Carpet Weaving by H. T. Harris

[۳] Thompson's The land and the Books, 1880

ہیں نہ پھرکی کا۔ وہ ایک پتھر سے اُون کی ایک لڑ نکال کر باندھ دیتی ہیں اور پتھر
کو چکر دیدیتی ہیں۔ جب اُون کی لڑ خوب بٹ جاتی ہی تو پتھر پر لپیٹ دیتی ہیں اور
پھر اُون کو کھینچ کر پونی سی نکال لیتی ہیں اور اُسے بھی اسی طرح بل دیتی ہیں۔ اس
تاگے سے وہ تھیلے کمل وغیرہ بنتی ہیں ان کے بننے کا طریقہ بھی بہت سادہ ہے
وہ تانے کے تاگوں کو زمین پر بچھا کر دونوں سرے مضبوط لکڑیوں سے باندھ
دیتی ہیں اور بانے کے تاگے ہاتھ سے اُس کے اندر ڈال کر لکڑی کی منو ٹی
بھدی کنگھی سے نیچے کو دبا دیتی ہیں۔ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاتا کہ سب سے
پہلے کپڑا بننے کا فن کس نے ایجاد کیا۔ لیکن اگر قدیم یہودیوں کی روایات پر
اعتبار کیا جائے تو ہم کو ماننا پڑے گا کہ اس کو بھی ایک عورت نے جو "ٹیوبلکین" کی
بہن تھی اور جس کا نام "نانا" تھا ایجاد کیا[۱]۔ رہا یہ امر کہ قدیم ترین کرگہ یا راچھ کس وضع
وصورت کا تھا، یہ معلوم کرنا مشکل ہی۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ سب سے قدیم راچھ[۲]
وہ ہی جو برٹش گائنا کی وحشی عورتوں کے پاس اب بھی پایا جاتا ہے یہ دو
لکڑیوں سے بنایا جاتا ہی ایک لکڑی جھکا کر نصف دائرہ کی صورت میں بنالی
جاتی ہی اور دوسری لکڑی سیدھی ہوتی ہے جس کے کنارے اس کمان کے

استدراک :-

Carpet Weaving Industry by H. T. Harris ۱ھ

Mason's Wn's Share in Pr. Culture ۲ھ

کناروں سے باندھ دیئے جاتے ہیں۔ بہرحال قدیم صورت جو بھی ہو اس میں شک نہیں کیا جا سکتا کہ کاتنے اور بننے کی خدمت عورتوں ہی کے سپرد تھی اور انھوں نے اس فن میں بڑی ترقی کی جس کا ثبوت انجیل سے بھی ملتا ہی کہ

"گھر کے لوگوں کو کپڑا مہیا کرنا عام طور سے عورت ہی کا کام تھا"[1]

نیز عہد سلیمان علیہ السلام میں عورت خصوصیت کے ساتھ اس کام کو انجام دیتی تھی۔ "امثال سلیمان علیہ السلام" میں لکھا ہی کہ

"وہ تکلے پر اپنا ہاتھ چلاتی ہی۔ اور اُس کے ہاتھ اٹیرن پکڑتے ہیں
وہ اپنے گھرانے کے لئے سردی سے نہیں ڈرتی کیوں کہ اُس کے
خاندان میں ہر ایک سُرخ لباس اوڑھے ہوئے ہی"[2]

مصر کے بالائی حصے میں بعض قدیم مقابر پر ایسی تصاویر دیکھی جاتی ہیں جن میں عورتیں تکلے پر اُون کات رہی ہیں اور ہاتھوں سے قالین بُن رہی ہیں۔ قدیم لٹریچر سے معلوم ہوتا ہی کہ فراعنۂ مصر کے محلات ایسے قالینوں سے آراستہ رہتے تھے اور "قلوپطرا جس وقت قیصر کے پاس آئی ہے وہ بہترین ملبوس سے آراستہ تھی"[3]

استدراک :-

[1] Dictionary of the Bible and 1 Sam, ii, 19

[2] انجیل مقدس۔ باب ۳۱۔ امثال سلیمان آیت ۱۔ ۲۸

[3] Practical book of Oriental Rugs by Mr. G. Bose

"ہومر" نے اپنی مشہور رزمیہ[1] نظم میں اس وقت کی حالت بتائی ہے جب "اولیس" نے "اجاکس" کا تعاقب کیا ہے۔ ہومر اس تعاقب کو ایک خاص تشبیہ کے ساتھ ظاہر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

"اولیس" نے اجاکس[*] کے نقوش قدم کا ایسا متصل تعاقب کیا جیسے کوئی زرین کمر عورت اپنے سینے سے اس چرخہ کو لپٹائے رہے جس سے وہ نقرئی سوت کاتتی ہے:"

اس سے ثابت ہے کہ تقریباً ایک ہزار برس قبل مسیح جب کا یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے عورتوں میں سوت کاتنے کا اتنا رواج تھا کہ شعراء اس سے تشبیہات اخذ کرتے تھے۔

جزیرۂ بورنیو (Borneo) کی قدیم عورت بھی علاوہ انتظام زراعت کے گھر پر کپڑا بھی بنتی تھی۔ اس کپڑے کی بناوٹ میں کھجور کی پتیاں رنگ کر شامل کر دی جاتی تھیں جس سے کپڑے میں بہت حسن پیدا ہو جاتا تھا۔ یہاں کی عورتیں اپنے ہی ہات کا بنا ہوا کپڑا استعمال کرتی تھیں۔

ہالینڈ (Holland) کی عورتیں زمانۂ قدیم میں کپڑا بننے میں بہت

---

[1] استدراک:-

[*] ہومر کے اشارے ہیں:

As when some dapper girdled wife
Near to his bosom holdeth
The Spindle whence she draweth out
The rove beyond the silver
So near Ulysses kept and trod
The very prints of Ajax.

مشاق تھیں اور لڑکی کو جو کپڑا جہیز میں دیا جاتا تھا، گھر ہی کا بُنا ہوا ہوتا تھا۔

اگانڈا۔ (Uganda) مشرقی افریقہ میں کسی وقت انجیر کی چھال کا کپڑا بنایا جاتا تھا۔ عورتیں چھال کو جدا کر کے اُسے موگریوں سے کوٹتی تھیں۔ یہ چھال کوٹنے سے پھیل کر باریک کاغذ کی طرح ہو جاتی تھی۔ اگر اس میں کوئی سوراخ ہو جاتا تھا تو اُسی کے ریشہ سے رفو کر دیتی تھیں۔ رفو کرنے کے لئے یہ ہڈیوں کی سوئی استعمال کرتی تھیں[۱]۔

میسن لکھتا ہے کہ

> "زمانۂ قدیم میں میگزیکو کی عورتیں خرگوش کے بالوں سے بہت باریک کپڑے تیار کرتی تھیں علاوہ اس کے وہ روئی اور پر دونوں کو ملا کر کاتتی تھیں اور اُس سے بھی نہایت نفیس کپڑے بُنتی تھیں[۲]"

اس صنعت کے متعلق سب سے زیادہ حسین وہ کام ہے جو پروں سے بنا جاتا ہے اور اس کی قدامت کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ شاہان اسیریا کے سروں پر جو چھتریاں لگائی جاتی تھیں وہ پروں کی بُنی ہوئی ہوتی تھیں۔ جزیرۂ ہوائی میں اب بھی لبادے گلے کے فیتے وغیرہ پروں سے بنائے جاتے ہیں اور یہ صنعت وہاں ہنوز زندہ ہے۔ مسٹر مرفی کے بیان کے مطابق سب سے پہلے جس نے ایک عمودی راچھ یا کرگہ پر

استدراک:-

[۱] Mason's Wn's Share in Pr. Culture

[۲] Women of All Nations

تمیس بی وہ"نا رکونیس برپکس کی بیوی" تنا کو ل" تھی جس کا زمانہ مسیح سے ۱۲۰۰ برس قبل تھا۔ اس صنعت کے تدریجی ارتقا کی کوئی صحیح تاریخ مرتب نہیں کی جا سکتی اور یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس صنعت کے مختلف شعبوں میں عورت کے کارنامے کیا ہیں اور ان میں کن کن صورتوں سے اس نے حسن پیدا کیا۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ جب اس صنعت میں مشینی کو دخل دیا گیا، تو وہ بھی بالکل فطری پیداوار سے متعلق تھا جس کا ثبوت موجودہ زمانہ کی وحشی عورتوں کے کارناموں سے ملتا ہے۔ "اریزونا" (Arizona) میں بعض درخت ایسے ہیں جن کی پتیاں دو مختلف رنگ رکھتی ہیں۔ وہاں کی عورتیں ان پتیوں سے مختلف قسم کے متنوع الالوان دسترخوان بناتی ہیں۔ کلیفورنیا کی عورتیں سیاہ رنگ ایک جنگلی پھلی کے عرق سے حاصل کرتی تھیں اور سرخ رنگ بوکا درخت کی جڑوں سے۔ ان سے وہ اون کو بھی رنگتی تھیں اس کے علاوہ زرد سیاہ و سرخ رنگ کیمیائی طریق سے بھی بناتی تھیں سیاہ رنگ سماں" درخت کی چھال اور پتی کو جوش دے کر گیرو اور گوند ملانے سے حاصل کیا جاتا تھا۔ زرد رنگ کے لئے بھی ایک درخت تھا جس کی کونپلوں کے عرق میں پھٹکری ملا دینے سے لیمو کا سا رنگ تیار ہوتا تھا۔ سرخ رنگ ایک اور درخت کی چھال سے نکالا جاتا تھا۔ جزیرہ ہوائی میں بھی مختلف درختوں کی جڑیں، چھالیں اور

استدراک :۔

[1] Textile Industries by W. S. Murphy.

[2] شمالی امریکہ میں ایک مقام کا نام

پتیاں رنگ سازی کے کام میں آتی تھیں اور زرد، سُرخ، سبز، سیاہ اور کئی قسم کے رنگ تیار ہوتے تھے[1]

اسی ضمن میں جال بنانے کا بھی مختصر سا ذکر ضروری ہے جس کا رواج نہ صرف زمانۂ قدیم میں پایا جاتا تھا۔ بلکہ اب بھی تمام وحشی اقوام میں دیکھا جاتا ہے۔ سب سے پہلے وحشی عورت نے جال بنانے کی ابتدا اس طرح کی کہ غار کے قریب درختوں کی قطاروں میں انگور کی بیلیں لپیٹ دیں جس نے جال کی صورت اختیار کر لی۔ اس فن نے رفتہ رفتہ اس قدر ترقی حاصل کی کہ ٹوکریاں، مچھلی پکڑنے کے جال وغیرہ سب اسی ترکیب سے بنائے جانے لگے۔ اب بھی کلیفورنیا میں وحشی عورتیں جال کی ٹوکریاں نہایت نفیس نفیس طیار کرتی ہیں اور جزیرۂ سموا (Samoa)[2] کی عورتیں ایک درخت کی چھال سے ریشے نکال کر اُس کو بٹتی ہیں اور پھر اُس کے جال تیار کرتی ہیں[3]۔ ہندوستان میں بہت سی وحشی قومیں ایسی ہیں جن کی عورتیں اب بھی چھینکے وغیرہ جال کی صورت میں تیار کرتی ہیں اور شہروں میں لا کر فروخت کرتی ہیں۔

الغرض عورت کی زندگی زمانۂ قدیم سے ضروریات خانہ داری فراہم کرنے کے لئے وقف رہی ہے اور چونکہ ملبوس وغیرہ طیار کرنا بھی گھر کے انتظام سے جُدا کوئی چیز نہ سمجھا جاتا تھا، اس لئے عورت نے اس طرف بھی توجہ کی اور ایسی کامیاب توجہ کہ آج بھی جدید تہذیب اس صنعت کے لحاظ سے اس کی ممنون ہے۔

---

[1] استدراک Bishop Brigham, Cat. Ms. Honalulu, 1892

[2] تمام جزیرہ مابین شمالی امریکا و آسٹریلیا

[3] Turner, Samoa, London, 1884

تیسری فصل

چرم سازی اور عورت

اس زمانہ میں جس چیز کو ہم چرم یا چمڑا کہتے ہیں وہ اک چیز ہے جس میں خدا جانے کتنی صنعتیں صرف ہو چکتی ہیں جب ہم اُسے اس ایک لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس وقت سے کہ کھال جانور کے جسم سے علیحدہ ہوئی ہو اُس وقت تک کہ وہ قابل استعمال ہوا ہو کسی نہ کسی صنعت کا عمل اُس پر ہر وقت ہوتا رہا ہے۔

بھیڑ، بکری، گھوڑا، کتا، گائے، بیل اور ان کے علاوہ بہت سے جانوروں کی کھالیں قصاب اور شکاری جمع کرتے ہیں اور کھال بنانے والوں کے پاس (جو اکثر مرد ہوتے ہیں) بھیج دیتے ہیں۔ پھر وہاں سے زین بنانے والوں، جوتہ تیار کرنے والوں اور جلد سازوں وغیرہ کے پاس، وہاں سے تاجروں کے پاس اور پھر وہاں سے دنیا کی ساری آبادی کے پاس مختلف اشیاء کی صورتوں میں پہنچتی رہتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کھالوں کو رنگنے اور پکانے کی صنعت زمانہ حال کی ہے یا زمانہ قدیم کی۔ یقیناً ہمارے پاس صحیح معنی میں کوئی مثال ایسی نہیں کہ ہم زمانۂ قدیم کی عورت سے اس صنعت کو بھی منسوب کر سکیں لیکن اس میں کلام نہیں کہ وہ جانوروں کی کھالوں کو مختلف طریقے سے کام میں لاتی تھی اور اُن کو قابل استعمال بنانے کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کرتی تھی۔

پانی کے اندر، زمین کے اوپر، فضائے ہوا میں کوئی جانور ایسا نہ تھا کہ عورت
کا ہاتھ اس تک پہنچا ہو اور اُس کی کھال کا کوئی نہ کوئی مصرف قرار نہ دیا ہو۔ بلّی
بھیڑیا، لومڑی، بکری، بھیڑ، بیل، بھینس، ہرن، ریچھ، خرگوش، گلہری، مچھلی، گھڑیال
کچھوا، اور تمام طیوران سب کی کھالوں کو عورت بناتی تھی اور کسی نہ کسی کام میں
لاتی تھی۔ باریک کھال رکھنے والے جانوروں کے بال اور چمڑے زیادہ تر زیبائش
و آرایش کے کام آتے تھے یا اُون کی تپلی تپلی پٹیاں کاٹ کے بننے کے مصرف
میں لائے جاتے تھے اور دبیز کھالوں کو عورت جوتہ، ملبوس، خیمے وغیرہ کی
تیاری میں صرف کرتی تھی۔

اسکیمو کی عورتیں چڑیوں کی کھالوں کو سی کر کرُتی کی قسم کا ایک ملبوس تیار
کرتی تھیں اور جب اُسے پہنتی تھیں تو بال دار حصہ اپنے جسم کی طرف رکھتی تھیں
اُن کے ہاں کھالوں کو قابلِ استعمال بنانے کا طریقہ صرف یہ تھا کہ وہ کھال کی
اُلٹی سمت کو دانتوں سے خوب چباتی تھیں اور تانت یا اعصاب کے ریشوں سے
اُن کھالوں کو اس طرح سی لیتی تھیں جیسے ٹاٹ کی پٹیاں ایک دوسرے سے
ملا کر سی جاتی ہیں اور جس وقت یہ ملبوس تیار ہو جاتا تھا تو کوئی شخص تمیز نہ کر سکتا
کہ سلائی کہاں کہاں ہے۔ گلہری کی کھالوں کو بھی وہ اسی طرح سی کر اور درست
کر کے ملبوس بناتی تھیں۔ اس طریق سے کھال درست کرنے کو صرف خشک کرنا
کہہ سکتے ہیں اور یہ طریقہ حقیقتاً بہت قدیم ہے۔

دوسرا طریق جس سے بڑے بڑے جانوروں کی کھالیں قابل استعمال بنائی جاتی تھیں بہت سادہ تھا اور تمام وحشی قومیں اس سے آگاہ تھیں۔ اس کو ہم سمور سازی کہہ سکتے ہیں کیوں کہ چمڑے کے بال بدستور قایم رکھے جاتے تھے اور پھر اُن کا ملبوس تیار کیا جاتا تھا۔ بڑے بڑے جانوروں کا چمڑا علیحدہ کرنے کے بعد عورتیں کھال کے اندرونی حصہ کو بڑی حد تک نکال ڈالتی تھیں اور بیرونی حصہ کو معہ بال کے قایم رکھتی تھیں۔ وہ اس عمل کو ایسی ہوشیاری سے انجام دیتی تھیں کہ چمڑا کسی جگہ نہ کٹتا تھا اور مخمل کی طرح ہموار سمور نکل آتا تھا۔ اس عمل کے لئے مختلف ممالک میں مختلف اوزار مستعمل تھے۔ اسکیمو کی عورتیں چربی دُور کرنے کے لئے ایک خاص اوزار استعمال کرتی تھیں جو سینگ یا ہڈی کا ہوتا تھا اور چمڑا پھیلنے کے لئے پتھر کے اوزار سے کام لیتی تھیں۔ امریکہ کی وحشی عورتیں گوشت اور چربی کے حصوں کو کاٹ کر چمڑے کے اندرونی حصہ کو کھُرپی سے چھیل دیتی تھیں۔ اس کام کے لئے اُن کے پاس تین اوزار تھے۔ ایک چاقو گوشت کاٹنے کے لئے دوسرے کھُرپی کھال صاف کرنے کے لئے اور تیسرے ایک دندانہ دار آلہ جس سے وہ کھال کی اندرونی سطح کو کھُردری کرکے چمڑے کو نرم اور لچیلا بناتی تھیں۔ علاوہ ان اوزاروں کے اسکیمو اور امریکہ کی عورتیں ہاتھ پاتوں اور دانتوں سے بھی مدد لیتی تھیں۔ ملبوس کی غرض سے بڑی بڑی کھالوں کے درست کرنے کا عام طریق یہ تھا کہ پہلے اُنھیں دُھوپ میں خشک کیا جاتا تھا اور

ان پر جانوروں کا بھیجا تیل کی طرح مل دیا جاتا تھا خشک ہونے کے بعد پھر صاف کی جاتی تھی۔ دوسرا طریق یہ تھا کہ جب چمڑا خشک ہو جاتا تھا تو اس کے بال کو کاٹ دیتی تھیں۔ اسکیمو کی عورتیں اس کھال سے کشتیوں کو منڈھتی تھیں اور سوائے ملبوس بنانے کے اور بھی بہت سے کاموں میں لاتی تھیں۔

چمڑہ بنانے کی صنعت نے سب سے زیادہ مشکل کام سابر کی قسم کا چمڑہ تیار کرنا ہی۔ سرد ممالک میں یہ صنعت رائج نہیں ہوئی۔ البتہ گرم ممالک میں وحشی عورتوں نے طیار کرنے کی کوشش کی اور اس میں بڑی حد تک کامیاب ہوئیں۔ اس صنعت میں سب سے پہلا کام یہ ہوتا ہی کہ کھال کے بالوں کو علیحدہ کردیا جائے چرم سازی کے پرانے کارخانوں میں اس کے لئے دو طریقے جاری تھے ایک یہ کہ بے بجھا ہوا چونا چمڑے پر مل دیا جاتا تھا جو بالوں کو گرا دیتا تھا اور دوسرا یہ کہ کھال کو گرم کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ اچھی طرح پسیج جاتی تھی اور مسامات کھل کر بال آسانی سے علیحدہ ہو جاتے تھے۔ معلوم ہوتا ہی کہ ان کارخانوں نے طریق ثانی وحشی عورتوں سے سیکھا تھا۔ کیوں کہ وہ بھی بالوں کو چمڑے سے اسی طریقے سے جدا کیا کرتی تھیں۔ الاسکا کی عورتیں جنگلی بکروں کی کھالوں کے بال اسی طرح جدا کرکے ان کا کمل بناتی تھیں جب کھال پوری طرح پسیج جاتی ہے تو بال اکھاڑنے کے لئے کسی اوزار کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ صرف ہاتھوں کی مدد سے بہت جلد جدا ہو جاتے ہیں۔

"گرین لینڈ" کی تاریخ میں مسٹر گرینڈ نے لکھا ہے کہ اسکیمو کی عورت سیل مچھلی کے بال دار کھال کا ملبوس طیار کرنے کے لئے پہلے اُسے چوبیس ۲۴ گھنٹے تک پیشاب کے برتن میں ڈال رکھتی ہے۔ اس سے کھال کی چربی صاف ہوجاتی ہے اس کے بعد وہ خشک ہونے کے لئے پھیلا دی جاتی ہے۔ اور پھر سوکھنے کے بعد دوبارہ پیشاب چھڑک کر پتھر سے رگڑی جاتی ہے اور ہاتھوں سے مل کر نرم کردی جاتی ہے۔ جس حصّہ کا چمڑا زیادہ دبیز ہوتا ہے وہ مسلسل تین دن تک پیشاب کے برتن میں رکھا جاتا ہے اور اس کے بعد چاقو یا دانت سے بال علیحدہ کردیئے جاتے ہیں اور پھر تین دن تک پانی میں رکھنے کے بعد خشک ہونے کے لئے پھیلا دیا جاتا ہے اس طریق سے وہ چمڑا طیار کیا جاتا ہے جو ملبوس کے اوپر بطور برساتی کے استعمال ہوتا ہے۔ اس کے اندر سے پانی ننو ذکرکے جسم کے کپڑوں تک نہیں پہنچ سکتا۔

کشتی منڈھنے کے لئے بڑی بڑی سیل مچھلی کی کھالیں اس طرح تیار کی جاتی ہیں کہ کھال کو بغیر چربی جُدا کئے ہوئے لپیٹ دیتی ہیں اور اس کو خوب کچلتی ہیں اس کے بعد گھاس ڈال کر دھوپ میں ہفتوں تک خشک ہونے کے لئے ڈال دی جاتی ہیں جب اس طرح بال الگ ہوجاتے ہیں تو نمک کے پانی میں چند روز تک رکھکر خشک کرلیتی ہیں۔ اور کھال کے کناروں کو دانتوں سے کھینچ کھینچ کر سیتی ہیں اور سیون کی جگہ چربی وغیرہ اچھی طرح مل دیتی ہیں تاکہ پانی اندر نہ جاسکے۔ جو چمڑا بچ رہتا ہے اُسے چھیل کر پتلا کرلیتی ہیں اور برف پر رکھ دیتی ہیں۔ اس سے

بڑا اسپید ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد جب وہ اُسے سُرخ رنگنا چاہتی ہیں تو بیخ صنوبر
کی چھال اور اس چمڑے کو ملا کر چباتی ہیں۔

مسٹر ہال کا بیان ہے کہ

"کھال بنانے کے لئے سب سے پہلے جو ترکیب عمل میں لائی جاتی تھی
یہ تھی کہ ایک اوزار سے جو معہ دستہ کے ۴ انچ لانبا ہوتا تھا کھال کو
عورتیں چھیلتی تھیں۔ اس کے بعد جب کھال خشک ہوجاتی تھی تو پھر
چھیلتی تھیں۔ اس کے بعد چباتی تھیں اور پھر آخری مرتبہ چھیل کر صاف
کر لیتی تھیں اس طریق سے کھال سابر کی طرح نرم ہوجاتی تھی۔"

"تکلین" کہتا ہے کہ

"کمبرلینڈ میں سیل مچھلی کی کھال سے پہلے چربی علیحدہ کر لی جاتی تھی
اس کے بعد عورت کھال کو پھیلا کر چاقو سے نیچے کی جھلی دُور کر دیتی
تھی اور پھر کھال کو برف میں ڈال کر پانوں سے کچلتی تھی جب وہ
اچھی طرح دُھل جاتی اور دُھوپ تیز ہوتی تو اندرونی سطح اوپر کی جانب
کرکے پھیلا دی جاتی تھی۔ اگر دُھوپ نہ ہوتی تو جھونپڑے کے اندر
بانسوں پر اس کو پھیلا کر نیچے چراغ روشن کر دیتی تھی۔"

ڈاکٹر فرانز بوس لکھتے ہیں کہ

"وسط اسکیمو میں سیل مچھلی کی کھال مختلف طریقوں سے تیار کی جاتی تھی

مچھلی کا پیٹ ایک چاقو سے چاک کر کے کھال کھینچ لی جاتی تھی اور
عورت کھال کو اپنے سامنے پھیلا کر ہاتھ میں چاقو لے کر گھٹنوں کے
بل کھڑی ہو جاتی تھی اور چربی چھیل چھیل کر برتن میں رکھتی جاتی تھی
جتنے حصے کی چربی صاف ہوتی جاتی تھی۔ اس کو لپیٹ کر بائیں
ہاتھ میں تھامتی جاتی تھی، اگر کھال کے بالوں کو دور کرنا مقصود نہ ہوتا
تو چربی کے ساتھ ساتھ کھال کی اندرونی تہ بھی چاقو سے دور کر دی
جاتی تھی۔ اس عمل کے بعد کھال کو کھونٹیوں یا میخوں سے باندھ کر
برف کی سطح سے ۲ انچ اوپر تان دیتی تھی اور برف سے مل مل کر
دھوتی تھی۔ اگر کھال میں نیزے کا کوئی نشان یا سوراخ ہوتا تو
اسے سی دیتی اور کھال کو خشک کر لیتی تھی۔ شروع موسمِ بہار میں
جب سردی زیادہ ہوتی تو صرف چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کی کھالیں
تیار کی جاتیں۔ کیوں کہ اس کے لئے دھوپ اور گرمی کی زیادہ
ضرورت تھی۔ تاہم اگر ضرورت شدید ہوتی تو عورتیں چار بانسوں کا
ایک ڈھانچہ تیار کر کے کھال کو اس پر تان دیتیں اور نیچے آگ
روشن کر کے کھال کو خشک کر لیتیں۔ بڑی مچھلیوں کی کھالیں
خیمے، تھیلا وغیرہ بنانے کے کام آتی تھیں اور چھوٹی کھالیں ملبوس کے۔
امریکہ کی قدیم عورتوں کے لئے سخت محنت کا زمانہ وہ ہوتا تھا جب جنگلی بھینسوں

کے شکار کرنے کا وقت شروع ہو جاتا۔ کیوں کہ بھینسوں کی کھال جلد خراب ہو جاتی ہے اور فوراً اس کو بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مرد صرف اسی قدر شکار کرتے تھے جس قدر کھالیں عورتیں تیار کر سکتی تھیں شکار کے بعد ہی عورت فوراً کھال کھینچ لیتی اور گوشت کو ہڈیوں سے علیحدہ کرکے چمڑے میں لپیٹ کر جھونپڑے کی طرف چل دیتی۔ شام کو جب مرد شکار سے لوٹتے تو چربی وغیرہ بھون کر ان کے سامنے رکھی جاتی جو نہایت نفیس غذا سمجھی جاتی تھی۔ دن بھر میں عورتیں کھالوں کو صاف کرکے خشک ہونے کے لئے پھیلا چکتی تھیں اور اس سے مختلف چیزیں بناتی تھیں دبیز حصے کا چمڑا ڈھال بنانے کے لئے منتخب ہوتا تھا، بالوں کے کمل بنتے تھے اور گیلی کھال کے ٹکڑے کرکے اور دوسری چیزیں تیار کی جاتی تھیں، جن کی ان کو ضرورت ہوتی۔ گیلی کھال سے بنانے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت اس کی ایک صورت آسانی سے قایم ہو جاتی تھی اور خشک ہونے کے بعد جب چمڑا سخت ہو جاتا تو وہی صورت جو گیلے ہونے کی حالت میں بنائی گئی تھی، مضبوط و مستحکم ہو جاتی۔ ملبوس بنانے کے لئے عورتوں کو زیادہ محنت سے کام لینا پڑتا تھا جب کھال خشک اور سخت ہو جاتی تھی تو ایک آلے سے وہ کھال کی اندرونی سطح کو چھیلتی تھیں اور چھیلنے کے بعد چربی اور بھیجا ملا کر اس پر ملتی تھیں تاکہ چمڑا نرم ہو جائے اور ملبوس آسانی سے تیار ہو سکے۔

خیمہ طیار کرنے کے لئے چمڑے کے بال بھی الگ کر دیئے جاتے تھے اور اس کی دبازت بھی کم کردی جاتی تھی تاکہ چمڑا زیادہ نرم ہو جائے۔

"پاٹاگونیا" کی عورتیں علاوہ انتظام خانہ داری کے لومڑی اور شتر مرغ کی کھالوں کے سمور بھی تیار کرتی تھیں خیمہ بنانا بھی ان کا فرض تھا اور سفر کے وقت گھوڑوں پر خیمے اور اسباب کا بار کرنا بھی ان ہی کے سپرد تھا۔ ان کے خیمے بالکل چرمی ہوتے تھے جو بانسوں پر تان دیئے جاتے تھے۔

وحشی عورتوں اور علی الخصوص شمالی امریکہ کی عورتوں میں خیاطی کی بھی اہلیت پائی جاتی تھی۔ اگر جنوبی امریکہ کی عورتیں بالوں سے صرف کمل تیار کر سکتی تھیں تو یہاں کی عورتیں کھالوں کو چاقو سے کاٹ کر ان کا ملبوس بھی سیتی تھیں ان کے سینے کا طریق یہ تھا کہ وہ چمڑہ کے کنارے پر سوراخ کر کے اسی چمڑے کے فیتے پرو پرو کر کناروں کو ملاتی تھیں یہاں تک کہ سارا لباس سل جاتا تھا اور وہ سیتے وقت اُن میں پر، دانت، ہڈیاں، بالوں کے گچھے وغیرہ بھی اٹکاتی جاتی تھیں جن سے ایک خاص قسم کا وحشی حسن ملبوس میں پیدا ہو جاتا تھا۔ یہ چمڑے پر مختلف قسم کے کام بنا کر اُن کے جوتے اپنے مردوں اور بچوں کے لئے تیار کرتی تھیں اسکیمو میں بھی عورتیں جوتا بناتی تھیں۔ لیکن چمڑا کھینچنے یا تاننے کے لئے اُن کے پاس کوئی شکنجہ یا سنسی نہیں ہوتی تھی" بلکہ صرف اپنے دانتوں سے کام لیتی تھیں۔

مسٹر مرڈوک نے اسکیمو کی عورتوں کا اندازِ ملبوس بہت تفصیل سے بیان کیا ہے اور یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ وہ اپنا لباس کس طرح قطع کرتی تھیں۔

"پہلے عورتیں بہت سے ٹکڑے الگ الگ کاٹ لیتی تھیں اور پھر
سینہ، شانہ، کلائی وغیرہ پر رکھ رکھ کر ٹکڑوں کو علیحدہ علیحدہ جوڑتی
تھیں۔ وہ اپنے لباس کے لئے بالوں کی جھالریں اور رنگین سموُ
بھی استعمال کرتی تھیں جس سے ملبوس فی الجملہ بہت خوشنما نظر
آتا تھا۔

خلیج ہڈسن کے مغرب میں جو قومیں آباد ہیں اُن کی عورتوں کی نسبت مسٹر ہرن
لکھتے ہیں کہ

"وہ اپنے شوہروں کے لئے چمڑے کے تسموں پر خارپشت (سیہی)
کے کانٹوں کا کنگن اور سربند تیار کرتی تھیں علاوہ اس کے چرمی
تھیلیاں، سفری تھیلے اور صندوق بھی عورتیں ہی بناتی تھیں تھیلیوں
کے لئے ہرنوں کا نرم چمڑا کام میں لایا جاتا تھا اور بڑی بڑے
بکسوں کے لئے کچا چمڑا جو لکڑی کی طرح سخت ہو جاتا تھا۔ وہ ان
بکسوں کو سبز رنگتی تھیں اور اُن پر سُرخ دھاریاں بھی ڈال دیتی تھیں"

اگانڈا (مشرقی افریقہ) کے وحشی عورتیں نہایت نفیس و نرم چمڑا تیار کرتی تھیں اور
اُن میں صحرائی برگ و بار کے مدد سے مختلف رنگ بھی پیدا کرتی تھیں۔ اس
چمڑے کا ملبوس عام طور سے استعمال کیا جاتا اور یہاں کی عورتوں کو اپنی
صنعت پر بڑا ناز تھا۔ اب بھی یہ صنعت یہاں کی عورتوں میں زندہ ہے لیکن،

بہت مضمحل انداز سے[1]۔

وحشی قوموں کی عورتوں میں اب بھی زمانۂ قدیم کے بہت سے فنون رائج ہیں لیکن بہت کم اور اُس کی وجہ یہ ہی کہ مردوں نے ان فنون کو حاصل کرکے ان کی صورتیں بدل دی ہیں۔ جہاں پہلے چرمی خیمے نظر آتے تھے وہاں اب اینٹ پتھر کے مکانات ہیں۔ جہاں پہلے بستر، صندوق وغیرہ چمڑے کے بنائے جاتے تھے اب وہاں لوہے اور لکڑی کے۔ پہلے عورتیں اپنے اپنے خیموں میں خاموشی کے ساتھ یہ کام کرتی رہتی تھیں اب وہ مردوں کے زیر اثر بڑے بڑے کارخانوں میں مصروف نظر آتی ہیں تاہم اب بھی نازک اور نرم کام عورتوں سے ہی انجام پاتے ہیں فرق صرف یہ ہی کہ اگر وہ پہلے صحرائی جانوروں کے سمور اور اُن کے بالوں پر اپنی صنعت صرف کیا کرتی تھیں تو اب ریشم کے کیڑوں اور پالے ہوئے جانوروں کے نرم اُون پر صرف کرتی ہیں۔ دستانے بنانے کا کام اب بھی مہذب ممالک میں عورتوں کے ہی سپرد ہی۔ زمانۂ قدیم کے بعد جو دور تہذیب و شائستگی کا آیا اس میں سمور کا استعمال ترک ہوگیا تھا۔ لیکن چوں کہ زمانہ ماضی کے واقعات ہمیشہ دُہرائے جاتے رہتا ہی اور پُرانی چیزوں میں ازسرِ نو جان ڈالنا، اس کی روایت دیرینہ ہے اس لئے تعجب نہ کرنا چاہیئے اگر زمانہ قدیم کی

استدراک :-

[1] Women of all Nations.

عورتوں کی صنعتِ سمور سازی پھر بر سرِ کار نظر آئے۔ دیکھا جاتا ہی کہ مغرب میں اس وقت بیل مچھلی کا سمور مہذب عورتوں کی پشت پر ڈالنے کے لئے تلاش کیا جا رہا ہی اور ٹوپیوں کو رنگین و خوشنما پروں سے آراستہ کرنے کے لئے ہزاروں لاکھوں خوبصورت طیور بے رحمی سے ہلاک ہو رہے ہیں۔ لیکن ان کی تیاری میں عہدِ حاضر کی صناعتِ انسانی اس سے زیادہ اور کوئی ترقی نہیں کر سکی کہ اس نے اوزاروں کی صورتیں بدل دی ہیں اور وقت میں کچھ وسعت پیدا کر دی ہے کہ پہلے جس چیز کو عورتیں چند دن میں بناتی تھیں اب وہ چند گھنٹوں میں تیار ہو جاتی ہیں۔

چوتھی فصل

فن ظروف سازی اور عورت

فن ظروف سازی کے متعلق عورت نے جو ترقیاں کی ہیں وہ بہت اہم ہیں؛ نہ صرف اس لحاظ سے کہ اس کا تعلق ترقی و تمدن سے بہت قریب کا تعلق ہے بلکہ اس اعتبار سے بھی کہ وہ حقیقتاً ازبس کارآمد ثابت ہوا۔ یہ ظاہر کیا جاچکا ہے کہ ظروف سازی کے متعلق عورت نے اُس وقت تک توجہ نہیں کی جب تک غذا کو ابال کر کھانے پکانے کا رواج زمانۂ قدیم میں رائج نہیں ہوگیا۔

ظروف سازی کی تاریخِ قدیم صحت و تکمیل کے ساتھ مرتب نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس فن کی ابتدا اُسی وقت ہوگئی تھی جب اقوامِ عالم بالکل وحشیانہ زندگی بسر کررہی تھیں اور فنِ تاریخ کی بنیاد قایم نہ ہوئی تھی۔ اس لئے اس فن کی تاریخ قدیم کے متعلق ہم کو جو معلومات حاصل ہوسکتی ہیں ان کا ذریعہ زیادہ تر موجودہ وحشی اقوام کے حالات ہیں اور اُنھیں کو دیکھکر ہم زمانۂ قدیم کی ظروف سازی کے متعلق قیاسات سے کام لے سکتے ہیں۔ مختلف ممالک میں جو برتن زمانۂ قدیم کے زمین سے برآمد ہوئے ہیں ان سے بھی اہم انکشافات ہوتے ہیں۔

دنیا میں اب بھی بہت سی قومیں ایسی ہیں جن میں یہ فن اب تک اسی قدیم صورت میں پایا جاتا ہے۔ ان میں سب سے پہلے اسکیمو کی قوم قابلِ ذکر ہے۔ یہاں کی

عورتیں چوں کہ بہت سرد ملک میں رہتی ہیں، اس لئے وہ لکڑی اور کوئلہ کا استعمال
بہت کم جانتی ہیں۔ اور کھانا صرف چراغ کی مدد سے تیار کرتی ہیں۔ گرین لینڈ[۱]،
لیبریڈر[۲]، اور سواحل الاسکا[۳] پر جو وحشی قومیں آباد ہیں، اُن کی عورتیں بھی اسی طرح
کھانا پکاتی ہیں اور اس غرض کے لئے وہ سوپ اسٹون کی رکابیاں بناتی ہیں
جن کا کنارہ ایک طرف اُٹھا ہوتا ہے۔ ان رکابیوں میں وہ سیل مچھلی کی چربی
ڈال دیتی ہیں اور درختوں کے ریشوں کی بتی بنا کر روشن کر دیتی ہیں جب یہ چراغ
یا چولھا روشن ہو جاتا ہے تو اُس کے اوپر کھانے کا برتن جو خود ایک بڑی رکابی
کی صورت رکھتا ہے، غذا تیار کرنے کے لئے اوپر معلق لٹکا دیتی ہیں۔ اس چراغ
سے اتنی گرمی پیدا ہوتی ہے کہ کھانا پک جاتا ہے اور اسی کے ساتھ خیمہ یا جھونپڑا
بھی منور رہتا ہے[۴]۔

خلیج برسٹل[۵] کے آباد حصہ کی عورتیں سوپ اسٹون کے برتن یا چولھے نہیں
بناتیں، بلکہ مٹی کے تیار کرتی ہیں اور ان میں بنانے کے وقت کتے کا خون اور
کتے کے بال ملا دیتی ہیں۔ ان برتنوں کی صورت اسکیمو کے برتنوں سے کچھ
مختلف ہوتی ہے ان میں کچھ عمق ہوتا ہے اور پیالوں کی سی شکل ہوتی ہے ان کی

استدراک:۔
[۱] Greenland شمالی امریکہ میں شمال و مشرق کے کونہ پر ایک بڑا جزیرہ [۲] (Labrador) شمالی امریکہ کا ایک ساحلی مقام [۳] (Alaska) شمالی امریکہ میں جنوب و مغرب کے کونہ پر جزیرہ نما [۴] Ninth An. Report, Bur, Ethnd. [۵] الاسکا کے متصل واقع ہے۔

ساخت بالکل وہی ہے جو نہایت قدیم زمانہ میں یونان کے دارالسلطنت ایتھنز
میں رائج تھی اور روما کے معبد "وسٹا" میں بھی اسی ساخت کے برتن پائے جاتے تھے
میگزیکو، اریزونا، جنوبی امریکہ، افریقہ، نیو گاسنا میں بھی وحشی عورتیں اب تک
زمانہ قدیم کے برتنوں کی ساخت پر ظروف تیار کرتی ہیں۔ شمالی امریکہ کے
جنوب و مغربی حصہ میں عورتیں زمانۂ قدیم سے ظروف سازی کی صنعت نہایت
کامیابی کے ساتھ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ ان کے موجودہ ظروف
اور اوزار ظروف سازی کے وہی ہیں جو ایک ہزار سال قبل پائے جاتے تھے
یہاں کی عورتیں مٹی کے برتن بناتی ہیں۔ مٹی یا تو وہ اُن مقامات سے کھود کر لاتی
ہیں جہاں چکنی مٹی معدن کے اندر تہ بہ تہ صورت میں پائی جاتی ہے یا پھر اُن
مقامات سے جہاں دریا اپنی رفتار کو بدل کر نفیس گیلی مٹی ان فطری صناعوں
کے لئے چھوڑ جاتا ہے۔ یہ مٹی صاف نہیں ہوتی، اس میں کنکر پتھر بھی ملے ہوتے ہیں
اس کو صاف یا باریک کرنے کے لئے اُس کے پاس نہ چھلنی ہے نہ چکی۔ اس
وہ مٹی کو پانی سے دھو دھو کر کنکر وغیرہ علٰحدہ کرتی ہے اور جو صاف اجزا
مٹی کے تہ نشین ہو جاتے ہیں اُن کو الگ کرتی ہے اور پھر اُن کے برتن تیار
کرتی ہے۔ اوّل اوّل وحشی عورتوں کو اس مٹی کے برتن تیار کرنے میں بڑی

استدراک :-

Mason's Wn's Share in Pr. Culture ۵۱

زحمت ہوئی۔ کیوں کہ وہ خشک ہونے کے بعد پھٹ جاتے تھے۔ لیکن کچھ زمانہ کے بعد عورت کی فطری ذہانت نے اس نقص کو دُور کیا اور ریت وغیرہ ملا کر برتن بنائے جانے لگے[۱]۔ قدیم زمانہ کے جو ٹکڑے برتنوں کے دستیاب ہوئے ہیں اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں ریت، کوڑیوں اور سیپیوں کا سفوف اور ٹوٹے ہوئے برتنوں کے پسے ہوئے اجزا ملے ہوئے ہیں جب یہ عورتیں مٹی کو دھوتی ہیں تو موٹے اجزاء کو بھی محفوظ رکھتی جاتی ہیں۔ اور اُن کے بھدے برتن تیار ہوتے ہیں۔ باریک مٹی کے برتن زیادہ نازک اور نفیس ہوتے ہیں۔ زمانۂ قدیم میں برتن بنانے کے لئے چاک نہ تھا۔ بلکہ صرف ہاتھ کی مدد سے عورتیں برتن بناتی تھیں اور صرف اُن کی نگاہ اُن میں حسن و تناسب پیدا کرتی تھی۔ ایک طریقہ برتن بنانے کا تو بالکل ویسا ہی تھا جیسا اب بھی بچے مٹی کے برتن وغیرہ بنا کر کھیلا کرتے ہیں۔ دوسرا طریق یہ تھا اور اب بھی رائج ہے کہ کسی چیز کے اوپر یا اُس کے اندر گیلی مٹی تھوپ دی جاتی تھی اور اس طرح اُس کی ایک شکل پیدا ہو جاتی تھی۔ اس امر کا ثبوت کہ زمانہ قدیم میں کدو، ٹوکری وغیرہ کے اوپر مٹی تھوپ کر برتن طیار کئے جاتے تھے، نہ صرف برتنوں کی ساخت سے ملتا ہے بلکہ اُن نشانات سے بھی جو برتنوں پر پائے گئے۔ یہ نشانات اکثر

استدراک:۔

[۱] Wn's Share in Pr. Culture

ٹوکریوں کی بناوٹ کے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ برتن ٹوکریوں پر تیار
کیے گئے ہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہی کہ ٹوکریاں بنا ناظروف سازی سے قبل
کی ایجاد ہی۔ آثار قدیمہ کے علما نے انھیں برتنوں کی مدد سے زمانہ قدیم کے
پھندے ڈالنے کی صورتیں جال بنانے کے انداز ٹوکریاں بُننے کے مختلف
نمونے دریافت کیے۔

برتن بنانے کا ایک طریقہ اور بھی تھا جو بہت زیادہ دلچسپ ہی[۱]۔ وحشی عورتیں
گیلی مٹی کی موٹی موٹی لڑیں سوتوں کی طرح بناتی تھیں اور کسی ٹوکری کے اندر یا
باہر ان لڑوں کو ایک کے اوپر ایک جماتی چلی جاتی تھیں۔ جہاں ایک لڑ دوسری
لڑ سے ملتی تھی وہاں چٹکی سے دبا دیتی تھیں تاکہ دونوں اچھی طرح مل جائیں۔ ہر چند
خشک ہونے کے بعد پتھر یا کسی دوسری سخت چیز سے رگڑ کر چٹکیوں اور انگلیوں
کے نشانات مٹا دیئے جاتے تھے۔ پھر بھی بہت سے برتن زمانۂ قدیم کے ایسے دستیاب
ہوئے ہیں جن میں یہ نشانات پائے جاتے ہیں۔ پاپوا کی عورتیں برتن بنانے میں
ان تینوں طریقوں سے مدد لیتی ہیں یعنی وہ ایک برتن کو مٹی کے لڑوں سے شروع
کرتی ہیں اور پھر دوسرے برتن پر تھوپ کر کچھ حصہ صرف ہاتھ کی مدد سے تیار
کرتی ہیں۔ ان تینوں طریقوں کے استعمال میں کوئی ترتیب اُن کے یہاں ملحوظ

استدراک:۔

[۱] Holmes Fourth An. report

نہیں ہے۔ کسی ایک طریق سے شروع کرکے وہ اُس کو دوسرے یا تیسرے طریق سے انجام تک پہنچا دیتی ہیں۔ پوبلو کی عورتیں جس طرح برتن بناتی ہیں اُس کا حال "مسٹر کشنگ" نے کئی سال تک اُن کے درمیان رہ کر معلوم کیا ہے۔ کابیاں اور پیالے بنانا چنداں دشوار نہیں ہے۔ لیکن وہاں کی عورتیں پانی رکھنے کے لئے ایک ظرف بوتل کی صورت کا تیار کرتی ہیں جو زیادہ تعجب انگیز ہے۔ اگر برتن کا منہ بہ نسبت درمیانی حصّے کے زیادہ چوڑا ہو تو وہ ڈھانچے کے اندر سے آسانی سے نکل سکتا ہے۔ لیکن اگر برتن کی گردن تپلی ہو تو نکلنا دشوار ہے۔ اس کے متعلق[1] مسٹر کشنگ لکھتے ہیں کہ

> "برتنوں کی گردن بنانے کے لئے ہاتھ سے کام لینا ممکن نہیں کیونکہ ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اس کے بنانے کا طریق یہ ہے کہ جب برتن کی بیرونی سطح کو وہ چکنا کرتی ہیں تو اوپر کے حصّہ کو پچکا دیتی ہیں جس سے گردن کی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔ ایک عورت نے میرے سامنے ایک برتن اس قسم کا تیار کیا۔ اُس نے جب برتن کی دیوار پوری تیار کرلی تو اندر ریت چھڑک کر دبے چھیلنے کے آلے سے پچکا دیا۔ اور اس طرح اُس کی گردن بہ نسبت مُنہ کے تنگ ہوگئی

استدراک :۔

[1] Fourth An. report by Mr. Cushing

جب برتن خشک ہوگیا تو وہ تقریباً ایک انچ سکڑ گیا اور ٹوکری آسانی
سے الگ ہوگئی"

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت برتن بنانے کے لئے زمانۂ قدیم میں کتنی
محنت اختیار کرتی تھی۔ مٹی کو زمین سے کھودنا، گھر لانا، دھونا، صاف کرنا، دھانے
اس کو تھونپا، لڑیں بنا کر تہ بہ تہ جمانا، خشک کرنا، اور رگڑ کر چکنا بنانا۔ یہ سب وہ
کام تھے جو برتن بنانے کے لئے ضروری تھے اور تنہا عورت ان سب کو انجام
دیتی تھی۔ پھر اُس کی خدمت اسی پر ختم نہ ہوجاتی تھی، بلکہ اُسے برتنوں کو رنگنا بھی
پڑتا تھا۔ ظروف کو رنگین بنانے کے لئے وہ مختلف رنگ کی مٹیوں اور درخت
کی چھالوں کے عرق سے کام لیتی تھی۔

ڈومنٹ[۱] نے ڈیڑھ صدی قبل "مسی سپی[۲]" کی عورتوں کا حال لکھا ہے کہ

> وُہ مٹی جمع کرکے اُسے صاف کرتی ہیں۔ کوڑیاں وغیرہ باریک پیس کر
> اُس میں ملا دیتی ہیں اور پانی سے مٹی گوندھ کر چھ چھ فٹ کی لڑیاں
> بناتی ہیں۔ رکابیاں بنانے کے لئے وہ بائیں ہاتھ کے انگوٹھے
> سے لڑی کا ایک کونہ دبا کر مرکز قایم کرلیتی ہیں اور اُس کے گرد

استدراک:۔

[۱] Bntel. Dumont, Mem. Sur. la Loismia

[۲] (Missipi) شمالی امریکہ کا ایک مشہور دریا اور شہر۔

لڑیوں کو جلدی جلدی لپیٹتی جاتی ہیں۔ اور ہاتھ کو تر کرکے
اندرونی اور بیرونی سطح برابر کرتی جاتی ہیں۔ یہ عورتیں پیالی، رکابیاں
گھڑے، صراحیاں، سب اسی طریقے سے تیار کرتی ہیں۔ جب برتن
خشک ہوجاتے ہیں، تو کوئلہ، بھوسہ، یا جنگلی جانوروں کے خشک گوبر
کی مدد سے ان کو پکا لیتی ہیں۔

نکوبار[1] کی وحشی عورتیں بھی مٹی اسی طرح تیار کرتی ہیں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ لیکن برتن
تیار کرنے میں کچھ اختلاف ہے۔ یہاں کی عورتیں پہلے ناریل کی پتیوں کا ایک حلقہ
بناتی ہیں اور اس پر برتن تیار کرتی ہیں جب برتن خشک ہوجاتا ہے تو حلقے سے
الگ کرکے بانس کے ٹکڑوں سے ہموار کردیتی ہیں۔ ان کے یہاں برتن پکانے کا
طریق یہ ہے کہ پہلے ٹوٹے ہوئے برتنوں کے ٹکڑے زمین میں گاڑ دیتی ہیں اور
برتنوں کو اوندھا دیتی ہیں۔ برتن کے نیچے جو خلا ہوتا ہے۔ اُس میں ایک تہ راکھ
کی اور ایک ناریل کے چھلکوں کی جما دیتی ہیں۔ اور اُن پر لکڑیاں رکھ کر آگ دیدیتی
ہیں اور آگ کو ہوا دیتی رہتی ہیں اُس وقت تک کہ ساری لکڑی جل کر خاک
نہ ہوجائے۔ برتنوں پر دھاریاں ڈالنے کی ترکیب یہ ہے کہ کچے ناریل کے چھلکے
لے کر اُن کی پٹیاں کاٹ لیتی ہیں۔ اور گرم برتن پر چپکا دیتی ہیں[2]۔ جہاں جہاں

استدراک:۔

[1] ہندوستان کے جنوب میں ایک جزیرہ۔

[2] . M. Man, Journal of the Anthr. Institute London.

چھلکا لگتا ہی وہاں سیاہ دھاریاں پڑ جاتی ہیں۔

پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ظروف سازی کی ابتدا، مصر، چین یا ان ممالک کی قوموں سے ہوئی ہی جن کی تاریخِ قدیم ہم کو معلوم نہیں ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں کیوں کہ انیسویں صدی کے وسط سے جو تفتیش اس کے متعلق شروع ہوئی ہے اُس سے ثابت ہوتا ہی کہ جہاں کہیں مٹی پائی جاتی تھی وہیں کی قوموں نے علیٰحدہ علیٰحدہ اس کی بنیاد ڈالی جس طرح انسان ضرورت و احتیاج سے مجبور ہوکر نجار، آہنگر، پارچہ باف بنا اسی طرح اس کو برتن بنانے پڑے۔ جب سے تاریخ کی ابتدا ہوئی ہے اُس وقت سے مختلف ممالک نے مختلف انواع کے برتن تیار کیے ہیں اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ قبل شروع ہونے کے مختلف ملکوں کے برتن میں باہم اختلاف نہ ہو۔ قدیم مصری عہد کے جو برتن زمین سے دستیاب ہوئے ہیں وہ بہت چمکیلے ہیں اور اُن کی مٹی میں ریت کا زیادہ حصہ ملا ہوا ہی۔ بعض برتن ایسے بھی نکلے ہیں جو چٹانوں اور پتھروں کو کھود کر بنائے گئے ہیں[۱]۔ بالکل ممکن ہی کہ یونان، اسیریا، بابل، چین، ہندوستان میں قدیم زمانہ کے برتن مصری برتنوں سے مختلف ہوں اور ایک کی ساخت دوسرے سے نہ ملتی ہو۔ ہندوستان کے آثارِ قدیمہ سے جو برتن دستیاب ہوئے ہیں اُن کے دیکھنے سے

استدراک :-

[۱] Encyclopaedia Brittanica

معلوم ہوتا ہی کہ عہد مسیح سے صدیوں قبل فن ظروف سازی یہاں کمل حالت میں تھا۔ سانچی ٹوپ[1] سے بھی پرانے برتنوں کے بہت سے ٹکڑے برآمد ہوئے ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ فن ہندوستان کے عہد قدیم میں پوری ترقی حاصل کرچکا تھا۔ خود میں نے ان برتنوں کے ٹکڑوں کو دیکھا ہے اور یہ معلوم کرکے مجھے سخت حیرت ہوئی ہی کہ بعض برتن عہد قدیم کے موجودہ زمانہ کے برتنوں سے کہیں بہتر تھے۔ مٹی کا بدھنا جس وضع وصورت کا آج کل بنایا جاتا ہی، بالکل اسی انداز کا پہلے بھی بنایا جاتا تھا۔ چند صُراحیوں کی ٹوٹی ہوئی گردنیں بھی وہاں کے عجائب خانہ میں موجود ہیں، جن سے اُن کا تناسب وحسن اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہی۔ پھراسی کے ساتھ اُن کے رنگ و روغن کو دیکھکر تعجب ہوتا ہی کہ باوصف ہزاروں سال گذر جانے اور زمین کے اندر مدفون رہنے کے اب تک اُسی آب وتاب کے ساتھ باقی ہی۔

بہرحال اس میں کلام نہیں کہ فن ظروف سازی کی ابتدا زمانہ قدیم کی انھیں اقوام سے ہوئی، جن کو ہم وحشی کہتے ہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہوسکتا کہ اس طرف سب سے پہلے جس کو توجہ ہوئی وہ عورت تھی، جیسا کہ ہم دوسرے باب

استدراک ۔

[1] (Sanchi) ریاست بھوپال (وسط ہند) میں ایک مقام جہاں بدھ کی ہڈی مدفون تھی یہ ٹوپ اشوکا کے زمانہ کا ہی جس سے مسیح سے ۲۰۰ برس قبل کا زمانہ پایا تھا۔

میں ظاہر کر چکے ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ برتن بنانے سے پہلے عورت نے اپنی کتنی کوششوں کو ناکام و مایوس دیکھا ہوگا اور کس قدر کاوشوں کے ساتھ تجربہ کے درمیانی مدارج طے کر کے اُس نے مٹی کو اس قابل پایا ہوگا کہ وہ اس پر اپنی صنعت صرف کرے۔ رہا یہ امر کہ برتنوں کی شکلیں اُس نے کیوں کر اختراع کیں اس کے متعلق جہاں تک برتن کی صورتوں و نیز قیاس سے معلوم ہو سکتا ہے یہ ہے کہ عورت نے اس مسئلہ میں سب سے پہلے عالم نباتات وحیوانات سے مددلی اور جنگلی پیداوار (مثلاً کدو وغیرہ) اور دریائی اشیاء (مثلاً گھونگھے اور سیپ وغیرہ) کی تقلید کی اور رفتہ رفتہ تجربہ کے ساتھ اُن کی صورتوں میں تغیر و تبدل ہوتا رہا یہاں تک کہ ایک زمانہ وہ آیا کہ برتن بجائے ہاتھ کے چاک کے ذریعہ سے اور بجائے مٹی کے چینی اور شیشے کے بنائے جانے لگے۔

اب کہ فن ظروف سازی اس قدر وسیع ہو گیا اور بے شمار معدنی اشیاء سے سیکڑوں، ہزاروں قسم کے برتن تیار ہونے لگے ہیں، انسان اُس موجد اوّل کے احسان کو فراموش کر سکتا ہے جس نے اوّل اوّل ایک پتھر کو برتن بنایا۔ لیکن تاریخ حرفت وصنعت عورت کے قدیم کارناموں کو نہیں بھلا سکتی۔ کیوں کہ وہی اس کی خلّاق ہے اور وہی اساس وبُنیاد ہے تمام اس بوقلمونی کی جو موجودہ زمانہ کے فن ظروف سازی سے منسوب کی جاتی ہے۔

پانچویں فصل

عورت کی باربردارانہ خدمات

اس دورِ ترقی میں دنیا کی رونق اور عالم کا ہنگامہ جس چیز سے وابستہ ہے وہ صرف تجارت ہے۔ اگر تجارت مسدود کر دی جائے تو دنیا کی یہ عظیم الشان دوکان سُونی نظر آنے لگے اور کائنات کی ساری رونق درہم و برہم ہو جائے۔ اب غور کرو کہ تجارت کا قیام کس چیز سے ہے؟ ظاہر ہے کہ اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ سامان و اسباب منتقل کرنے کے ذرائع اُٹھ جائیں تو تجارت کا یہ سارا تار و پو د منتشر ہو جائے اور دولت و ترقی کا شیرازہ ابتر۔

جہاز، ریل گاڑیاں، جانور، انسان، سب اسی شغل میں مصروف ہیں کہ ایک چیز کو ادھر سے اُدھر منتقل کر دیں گویا ہر وہ چیز جو تمھیں متحرک نظر آتی ہے یا وہ ہے جو منتقل کی جا رہی ہے، یا وہ ہے جو خود اسباب کو منتقل کر رہی ہے۔ ایک بندرگاہ کھڑے ہو کر جہازوں کی آمد و رفت کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ انسان کس انہماک کے ساتھ شب و روز سامانِ تجارت کو ادھر سے اُدھر منتقل کرنے میں اپنی زندگی کو وقف کیے ہوئے ہے۔ کسی بڑے ریلوے اسٹیشن پر ریلوں کی آمد و رفت پر غور کرو اور دیکھو کہ حیاتِ انسانی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا کہ کسی شغل میں بسر نہ ہوتا ہو۔ پھر اسی ریل و جہاز سے متعلق جو دیگر ذرائع اس کام کے لیے پیدا ہو گئے ہیں اور

اس کے لئے جو جنبش و حرکت انسان کو خود کرنی پڑتی ہے اس کا احاطہ مشکل ہے۔ لیکن یہ جہاز و ریل کس صدی کی چیزیں ہیں؟ غالباً اسی صدی کی جواب گزر رہی ہے یا زیادہ سے زیادہ اس صدی کی جو اس سے قبل گزر چکی ہے۔ تو کیا اس سے پہلے بار برداری کا طریق رائج نہ تھا؟ یقیناً تھا۔ بادبانی کشتیاں، ہاتھی، اونٹ گھوڑے، بیل، خچر وغیرہ سب سے یہی کام لیا جاتا تھا اور برفستان کی گاڑیاں، کتوں، ہرنوں، گھوڑوں کی گاڑیاں سب اسی غرض کے لئے مستعمل تھیں۔ لیکن ہمیں ان سے بھی بحث نہیں ہے بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ دنیا میں اوّلین ذریعہ بار برداری کیا تھا۔ اس کی جستجو جس وقت کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اوّلین ذریعہ بار برداری دنیا میں عورت تھی۔ یقیناً عالمِ حیوانات میں چڑیاں، شہد کی مکھیاں اور چیونٹیاں وغیرہ عورت سے پہلے اپنی دنیا کے ذرائع بار برداری تھے۔ لیکن عالمِ انسانیت میں سب سے پہلے جس نے یہ درس حاصل کیا، عورت ہے۔

ذرائع بار برداری کی دو قسمیں ہیں۔ بعض اُن میں ایسے ہیں جو آدمیوں کو ادھر سے اُدھر منتقل کرنے کے لئے کام میں لائے جاتے ہیں۔ اور بعض اشیاء کے منتقل کرنے کے کام میں آتے ہیں۔ ان دونوں میں پہلی قسم کا ذریعہ زیادہ قدیم ہے جو صرف عورت کی ذات سے قائم تھا، کیوں کہ ازمنۂ قدیمہ میں بھی جب بچے پیدا ہوتے ہوں گے تو عورت ہی اُن کو اپنی آغوش میں رکھتی ہوگی اور اپنی ہی گود میں لے کر اُن کو ادھر اُدھر پھراتی ہوگی۔ رہا دوسرا طریقۂ بار برداری اس کی

نسبت بھی تحقیق سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ سب سے پہلے عورت ہی نے نہ صرف
اپنے بچے کو بلکہ اور چیزوں کو بھی ادھر سے اُدھر منتقل کرنے کے لئے ایسی تدابیر
اختیار کیں جن سے وہ بوجھ کو سر و پشت پر آسانی سے اُٹھا سکے۔

ظاہر ہے کہ زمانۂ قدیم میں جب عورتیں صحرائی پیداوار غذا بنانے کے لئے
جمع کرتی ہوں گی، تو اُس کو گھر بھی لاتی ہوں گی اس لئے وہ عورت جس نے
بوجھ لادا، یقیناً اُس نے ٹوکریاں بھی بنائیں۔ اسی طرح جب عورت چشموں کی
تلاش میں باہر نکل جاتی تھی تو وہ اس ضرورت کو بھی محسوس کرتی تھی کہ پانی
اپنے جھونپڑے تک کس طرح لے جائے اور اس غرض کی تکمیل کے لئے اس نے
برتن تیار کئے۔ اس لئے اسی باربردار عورت کو فنِ ظرف سازی کا بھی موجد ہونا
پڑا اور اس سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ دنیا عورت کی اس خصوصیت کے لحاظ سے
اُس کی کس قدر ممنون ہے۔

عورت نے سب سے پہلے فنِ باربرداری کے جس شعبہ کے متعلق اپنی توجہ مبذول
کی، یہ تھا کہ وہ اپنے بچے کو کیوں کر ادھر سے اُدھر لے جائے۔ اور اس کے لئے
جو تدابیر اُس نے اختیار کیں خواہ وہ کیسی ہی بھدی کیوں نہ ہوں، لیکن اس سے
انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ موسم و مقام کے لحاظ سے بالکل مکمل تھیں۔ مثلاً اسکیمو
کی عورت جو نہایت سرد ملک میں زندگی بسر کرتی تھی، اس رمز سے واقف تھی
کہ جب درجۂ حرارت صفر سے بھی چالیس درجہ گھٹ جائے گا تو اُس کا بچہ

برودتِ موسم کے مقابلہ میں اپنی حرارتِ جسم کو کھو بیٹھے گا اور ایسے وقت میں گہوارہ
کے تختہ پر اُس کو لٹا دینا، گویا موت کے تختہ پر سُلا دینا ہوگا۔ اس لئے ایسے موسم میں
وہ بچہ کا گہوارہ اپنے ہی سینے کو قرار دیتی ہے۔ جہاں وہ سینے اور سمور کے
درمیان لپٹا ہوا ادھر سے اُدھر منتقل کیا جاتا ہے۔

سرزمین اسکیمو و خطِ سرطان کے درمیان وحشی لوگوں کی بہت سی قومیں آباد
تھیں اور اُن سب کی عورتیں اپنے اپنے ملک کی آب و ہوا کے لحاظ سے گہوارہ
تیار کیا کرتی تھیں، کناڈا میں بید کی چھال کا گہوارہ بنایا جاتا تھا، جس میں سمور کا
ٹکڑا بچھا رہتا تھا، برٹش کلمبیا کے ساحلی مقامات پر گہوارہ کشتی کی شکل کا بنایا جاتا
تھا اور بجائے سمور کے اس میں دیودار کی چھالیں باریک کرکے بچھا دی جاتی
تھیں اور زیادہ جنوب میں ہٹ کر جہاں سردی کی وہ شدت نہیں ہوتی گہوارہ کی
تعمیر بید، سرکنڈے وغیرہ سے ہوتی تھی اور اس میں ایک چھجہ نکال دیا جاتا تھا تاکہ
بچہ دھوپ سے محفوظ رہے۔ کوہستانی مقامات میں گہوارہ مستطیل بنایا جاتا تھا۔ اور وہ
ایک دوشاخہ پر جو سیڑھی کی طرح ہوتا تھا قایم کیا جاتا تھا۔ بہرحال ہر ملک کی
آب و ہوا کے لحاظ سے گہوارہ کی ساخت مختلف ہوتی تھی اور ایک جگہ کا گہوارہ
دوسری جگہ کام نہ دے سکتا تھا۔ ایشیا اور جنوبی امریکہ میں بھی گہوارہ کی ساخت میں
موسم کا لحاظ رکھا جاتا تھا جو ممالک خطِ سرطان و خطِ جدی کے درمیان واقع ہیں
وہاں گہواروں کا وجود تقریباً معدوم ہے۔ کیونکہ یہاں گرمی کی وجہ سے بچے کی

حفاظت کا سوال بہت اہم سوال سمجھا جاتا ہی اور یہاں اکثر اُسے اپنے ہی آغوش میں رکھتی ہی۔ ان ممالک کی عورتیں ستر شانہ اور تقریب قریب تمام اعضاء کو برہنہ رکھتی ہیں اور بچے بھی بالکل برہنہ رہتے ہیں اس لئے وہ کبھی گردن پر سوار دیکھا جاتا ہی اور کبھی کولوں پر۔ برٹش نیو گانا میں عورتیں اپنے بچوں کو چھوٹی چھوٹی ٹوکریوں میں رکھکر شانہ پر لادلیتی ہیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہی کہ کھانے کی ٹوکری لکڑیوں کا گٹھہ ایک تسمہ سے بندھا ہوا پیٹھ پر لٹکتا رہتا ہے اور ان سب کے اوپر چھوٹا بچہ بیٹھا رہتا ہے یہاں کی عورتیں بہت بچپن سے بوجھ لادنے کی عادی بنائی جاتی ہیں۔ پاپوا کی عورتیں اپنے بچوں کو بجائے پشت کے اپنے سامنے ایک جال میں ڈال کر اُس کی ڈور کو سر کے اوپر لٹکا لیتی ہیں۔ اگر کسی شخص کو عورتوں کی باربرداری میں شک ہو تو اُس کو چاہیئے کہ دیہات وقصبات میں بازار کے دن جا کر دیکھے کہ عورتیں کس شان سے نظر آتی ہیں۔ اُن کے جسم کا کوئی حصہ، کوئی ہڈی اور کوئی عصب ایسا نظر نہیں آتا جو کسی نہ کسی بوجھ کے اثر سے متاثر نہ ہو۔ چین اور ایشیا کے دیگر ممالک میں ہنگی کا استعمال زائد تھا جس کے ذریعہ سے گھر کی تمام چیزیں کھیت کی پیداوار منتقل کی جاتی تھی۔ بہرحال تمام ممالک میں عورت نہ صرف اپنے بچوں کے لحاظ سے باربرداری کا کام کرتی ہی۔ بلکہ خانہ داری کی تمام چیزوں کے اعتبار سے بھی جن کو

استدراک:-

Thompson, British New Grinea, 1892 ۓ

اندر سے باہر اور باہر سے اندر لانا اُس کے فرائض میں داخل ہے۔ ادنیٰ طبقہ کی عورتوں میں کوئی عورت ایسی نہ ملے گی جو بوجھ اُٹھاتی ہو۔ ہندوستان کی عورت کی دیہاتی زندگی کلیتہً باربرداری کی زندگی ہے جس میں وہ کسی جگہ جنگل سے لکڑی جمع کر کے سر پر لاتی ہوئی نظر آتی ہے کہیں گھاس اور پتوں کے گٹھے اُٹھائے ہوئے ہے اور کسی جگہ ٹوکریوں میں گوبر اکٹھا کر کے لئے جا رہی ہے جن لوگوں نے عورتوں کو پانی لاتے دیکھا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ وقتِ واحد میں وہ کتنے برتن پانی سے بھرے ہوئے لے جا سکتی ہے۔ ہندوستان کی زرعی زندگی کی کامیابی کا دارومدار صرف عورت کی اسی خصوصیت پر ہے جس کے زیرِ اثر وہ ہر وقت کسی نہ کسی چیز سے لدی ہوئی گھر سے کھیت کی طرف اور کھیت سے گھر کی طرف جاتی ہوئی نظر آتی ہے۔

"واشنگٹن" کے نیشنل میوزیم میں درختوں کے ریشوں کی اینڈویاں یا گنڈریاں زمانۂ قدیم کی رکھی ہوئی ہیں جس وقت سر پر گھڑا وغیرہ رکھتی تھیں تو اُس کے نیچے پہلے اینڈوی رکھ لی جاتی تھی۔ جب برتن میں پیندی بنانے کا رواج ہوا تو اینڈویوں کا استعمال جاتا رہا۔ لیکن ہندوستان میں اس کا رواج اب بھی ہے اور نہایت کثرت سے ہے۔

اریزونا کی عورتیں پانی لانے کے لئے لکڑی کے ساخت کی صراحیاں استعمال کرتی ہیں۔ صراحی کے اُبھرے ہوئے حصہ میں دو حلقے بنے ہوئے

ہوتے ہیں جس میں عورت بالوں کی رسی ڈال کر اپنے سر پر لٹکا لیتی ہی اور اس طرح
برتن اُس کے پیٹھ پر قایم رہتا ہی۔ بعض قوموں کی عورتیں پیشانیوں کو مجروح
ہونے سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک تاج نما گدی بناتی ہیں جو اکثر چمڑے کی
ہوتی ہی۔ ایک گدی پیٹھ کے لئے بھی ہوتی ہی جس پر بوجھ رکھا رہتا ہے۔ اگر بوجھ
بھاری اور ٹھوس ہوتا ہی تو یہ چھوٹی ٹوکریاں استعمال کرتی ہیں۔ لیکن اگر بوجھ
ہلکا اور زیادہ جگہ گھیرنے والا ہوتا ہی تو ٹوکری بڑی ہوتی ہے یہاں تک کہ بعض
اوقات عورت کا سارا جسم اُس سے چھپ جاتا ہی۔

اگر تم کسی صبح کو اُٹھکر جرمنی کے شہر میں جاؤگے تو دیکھوگے کہ دروازے کے
سامنے میز یا صندوق پر ایک لانبی سی ٹوکری رکھی ہوئی ہے اور اُس کی ڈھانچے
کی لکڑیاں ایک یا دو انچہ نیچے کی طرف نکلی ہوئی ہیں۔ اور دو چوڑے تسمے ٹوکری
کے دونوں کناروں میں لگے ہوئے ہیں۔ ایک عورت آتی ہی اور اُن دونوں
تسموں کو اپنے شانہ پر ڈال کر بوجھ کو آسانی سے اُٹھاکر چل دیتی ہے۔

لفٹنٹ پیری[1] نے اپنے تجربات گرین لینڈ میں ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا
کہ اسکیمو کی عورتیں گھر کی تعمیر کے لئے تین تین سو پونڈ وزن کا ناہموار پتھر اپنی پیٹھ پر
لاد کر لے جاتی ہیں۔ مرڈوک[2] اس کی وجہ یہ بتاتا ہی کہ اُن کا بدن بہت پھیلا ہوتا

استدراک :-

[1] Lieutenant Peary
[2] Mudcoh, Ninth An. Rep. 1892

ہی۔ اس لئے وہ بہ نسبت دیگر اقوام کی عورتوں کے زیادہ وزن اُٹھا سکتی ہیں۔

کالنسن[2] لکھتا ہی۔

"اسکیمو کی عورتوں کو بار برداری کا سارا کام انجام دینا پڑتا ہے

یہاں تک کہ لڑکے بھی اپنا بوجھ اپنی بہنوں پر لاد دیتے ہیں"۔

بحری و ساحلی مقامات میں اسکیمو کی قوم دو قسم کی کشتیاں تیار کرتی ہی۔ ایک مردوں کے استعمال کے لئے جو سیل مچھلی کی کھال سے منڈھی ہوتی ہے اور شکار کے لئے مخصوص ہی۔ دوسری عورتوں کی کشتی کہلاتی ہی جو مسافروں اور اسباب کے لانے اور لے جانے کے کام آتی ہی۔ اس کشتی کو چار عورتیں چپّو سے چلاتی ہیں اور جب ہوا موافق ہوتی ہی۔ بادبان سے بھی کام لیتی ہیں۔ یہ بادبان بھی سیل مچھلیوں کی جھلّی کا ہوتا ہے۔

مسٹر ہرن[1] نے اپنے تجربات سفر میں ذکر کیا ہی کہ اُن کو جو کچھ تکلیف وحشی جزائر کی سیاحت میں ہوئی اُس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اُنھوں نے غلطی سے کسی عورت کو اپنے ساتھ نہ لیا تھا۔ اُن کا تجربہ یہ ہی کہ مرد پر جب بوجھ لدا ہوتا ہی تو وہ زیادہ نہیں چل سکتا برخلاف عورت کے کہ وہ مرد سے دُونا بوجھ لے کر دُور تک سفر کر سکتی ہی علاوہ اس کے وہ خیمہ بھی نصب کرتی ہی اور تمام وہ خدمات انجام دیتی ہی جن کی استدلال ...

[1] Hearue, Journeyate, London. 1795

[2] J. Collinson, Roy. Soc. London, 1855

ضرورت سفر میں ہر شخص کو پیش آتی ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ اُس کی خدمات نہایت ارزاں حاصل ہوتی ہیں اور وہ اس درجہ قانع ہوتی ہے کہ اگر کبھی کافی غذا میسر نہ آئے تو صرف برتنوں کو پونچھ کر چاٹ لینے پر کفایت کرتی ہے۔

دریائے مسوری[1] کے کنارے ایک قوم سیوکس رہتی ہے ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ بہت قدیم زمانہ سے وہ فن کشتی سازی و کشتی رانی سے واقف ہیں مسٹر کیٹ لن[2] بیان کرتے ہیں کہ بڈھے سردار نے اپنے گھر کی ایک کنیز کو حکم دیا اور اُس نے ایک چرمی کشتی اپنے سر پر رکھ لی۔ یہ کشتی بید کے ڈھانچے پر بھینس کی کھال منڈھ کر بنائی گئی تھی۔ اس عورت نے کشتی کو پانی میں ڈال دیا اور ہم لوگ اُس میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد عورت پانی میں اتری اور کشتی کو گھسیٹ کر لے چلی۔ جب زیادہ عمیق جگہ پہنچی تو اُس نے اپنا کرتہ اُتار کر کنارے کی طرف پھینک دیا اور پیرتی ہوئی کشتی کو لے چلی جب ندی کے وسط میں پہنچے تو ایک درجن لڑکیاں دوسرے کنارے کی طرف سے آکر مل گئیں۔ یہ سب کے سب کشتی کے چاروں طرف اپنے لانبے لانبے سیاہ بال پانی میں کھولے ہوئے نہایت آزادی سے پیر رہی تھیں جو عورت کشتی لائی تھی اُس سے اُنھوں نے کشتی لے لی اور انعام لینے کے لئے اُسے چکر دینا شروع کیا۔ اور پھر کنارے کی طرف لے گئیں؛

استدراک:-

[1] (Missouri) شمالی امریکہ کے مشرق میں ایک دریا ہے۔ [2] Smithson, Catlin, Rep.

جس زمانہ میں یہاں جنگلی بھینسے کثرت سے پائے جاتے تھے تو اس وقت یہاں یہ کشتیاں کثرت سے بنتی تھیں اور ان کو صرف عورتیں ہی بناتی تھیں۔

"رابرٹ ویلس"[1] لکھتے ہیں کہ

"ڈیاک کی عورت بالعموم اپنا دن کھیت میں صرف کرتی ہے اور شام کو لکڑی اور ترکاریوں کے گٹھے اپنے سر پر لے جاتی ہے اور یہ سفر اس کو ناہموار کوہستانی مقامات میں میلوں تک کرنا پڑتا ہے بعض اوقات اُسے ہزار ہزار فٹ کی بلندی صرف چٹانوں پر چڑھکر طے کرنی پڑتی ہے۔ گھر پہنچکر بھی وہ آرام نہیں کرتی بلکہ وہاں دھان کوٹنے میں مصروف ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی اس محنت کو ۹-۱۰ سال کی عمر سے شروع کرتی ہے اور اُس وقت تک بالکل ضعیف و بیکار نہ ہو جائے جاری رکھتی ہے۔"

مصر کی محنت و مزدوری کرنے والی عورتیں بھی سخت جفاکش ہیں۔ وہ گھڑے لئے دریا یا نہر سے گھڑوں میں پانی بھر بھر کر لے جاتی ہیں۔ کھیتوں میں بھی کام کرتی ہیں اور گھر کے مویشی بھی چراتی ہیں[2]۔

استدراک:۔

[1] Robert Wallace, J. Soc. Arts, 1892

[2] Women of all Nations

افریقہ میں سرسموئل بیکر[1] نے دیکھا ہے کہ عورتیں عام طور سے ادھر اُدھر اپنے سروں پر ٹوکریاں رکھے ہوئے گزرتی ہیں اور مقام گونڈوکرو سے نمک بھر بھر کر لاتی ہیں اس حال میں کہ ایک ہاتھ میں بکری کی رسی بھی ہوتی ہے جس کو وہ ساتھ چرانے کے لئے لے جاتی ہیں۔

شمالی البانیا میں اب تک قدیم معاشرت کہیں کہیں نظر آجاتی ہے۔ یہاں کی عورتیں اب بھی بہت محنت کرتی ہیں۔ وہ پہاڑوں پر بڑے بڑے بوجھ لکڑی غلہ وغیرہ کے لے کر آسانی سے چڑھ جاتی ہیں۔ بسا اوقات یہ بوجھ اتنے وزنی ہوتے کہ عورت دوہری ہو ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ کبھی کسی سے شکایت نہیں کرتی۔ مرد اُن کے آگے ہوتے ہیں لیکن سوائے ہتیاروں کے اور کوئی چیز اُن کے پاس نہیں ہوتی[2]۔

صحرائے عرب[3] کے بدو جب ریگستان میں چراگاہ یا چشمہ کی تلاش کی غرض سے اپنا جائے قیام بدلنا ضروری سمجھتے ہیں تو اُن کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ یوں ہی خالی ہاتھ اپنے اونٹوں کو لے کر چل دیں۔ پھر اب یہ عورت کا کام ہوتا ہے کہ وہ خیموں کو اُکھاڑے، سارا سامان اکٹھا کرے اور اونٹوں پر بار کرکے لے جائے

استدراک :۔

[1] Sir Samuel Baker, Ismailea, 1875

[2] Women of All Nations

[3] Thomson, The Land and the Books, 1880

عورتیں اس کام کو اس قدر سرعت کے ساتھ انجام دیتی ہیں کہ مردوں کا قافلہ دُور نہیں پہنچتا کہ یہ بھی سارا اسباب لے کر اُن سے مِل جاتی ہیں۔

تھامسن کہتا ہے کہ ارضِ مقدس میں آج بھی عورتوں اور لڑکیوں کی ایک جماعت اپنے سیاہ رنگ کی لانبی لانبی صراحیاں پانی سے بھری ہوئی شہر کے باہر سے لاتی ہوئی دیکھی جاتی ہے اور اس شغل میں وہاں کی عورتیں قریب قریب تمام دن مصروف رہتی ہیں۔

کرد قوم کی عورتوں کے حال میں ایک کتاب[1] کا یہ اقتباس غالباً دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔

"جب ہم ایسے مقام پر پہنچے جہاں کی سڑک پانی سے کٹ گئی تھی تو ہم نے وہاں ایک عورت کو دیکھا جو لدے ہوئے خچر کو لے جانا چاہتی تھی، لیکن خچر عبور نہ کر سکتا تھا عورت نے علاوہ اس بوجھ کے جو پہلے سے اس کے پشت پر تھا اور علاوہ ایک سوت کاتنے کی چرخی کے جو اس کے ہاتھ میں تھی، خچر کا بھی سارا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیا جو یقیناً ایک من سے زائد تھا، لیکن وہ نہایت آسانی سے گاتی ہوئی اور سوت کاتتی ہوئی اس دشوار گزار مقام سے لدی

استدراک :-

[1] Woman's work for women, Novr. 1888 ملے

پھندی گزرگئی۔ گرد عورتیں جب رات کو لیٹتی ہیں تو سر کے نیچے گھاس
باندھنے کی رسیاں رکھ لیتی ہیں۔ آدھی رات گزرجانے کے بعد وہ
رسیاں لے کر چلی جاتی ہیں۔ اور صبح کو پوری طرح لدی ہوئی ڈھلوان
پہاڑوں سے گاتی ہوئی اور گاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

میں نے دیکھا ہے کہ یہاں کی عورتیں بھرے ہوئے بڑے بڑے
کھانچے اپنی پیٹھ پر اور بچوں کو گود میں لئے ہوئے چار چار دن تک
مسلسل ناہموار دروں میں سفر کرتی ہیں۔ چند سال گزرے جلیبو کی
ایک عورت میرے پاس آئی۔ اس کا شوہر جو ایک دیوہیکل شخص تھا،
راستہ میں بیمار ہوگیا تھا۔ اس عورت نے اُس کو اپنی پیٹھ پر لاد کر
مسلسل چار دن تک سفر طے کیا۔"

اس زمانہ میں بھی بھٹیوں اور کانوں میں عورتوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے جست کی
بھٹیوں میں اکثر عورتیں ہی کام کرتی ہوئی دیکھی جاتی ہیں، جہاں بعض اوقات ایسی
سخت گرمی ہوتی ہے کہ نلوں کے ذریعہ سے باہر کی ہوا پہنچانے کی ضرورت محسوس
کی جاتی ہے۔ کانوں کے اندر عورتیں زیادہ تر بوجھ اُٹھانے اور لدی ہوئی گاڑیاں
ڈھکیلنے کے کام پر لگائی جاتی ہیں۔ بائیس گز زمین کے اندر چار لڑکیوں کو اتنی ٹب
اُٹھانے پڑتے ہیں اور ہر ٹب میں ڈیڑھ ہنڈریڈ ویٹ وزن ہوتا ہے۔ لوہے کے
کارخانوں میں بھی عورتیں کثرت سے کام کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

کوپن ہگن[1] کا نظارہ نہر عجیب ہی۔ یہاں صدہا عورتیں مچھلی پکڑنے کے مشغلہ میں مصروف دیکھی جاتی ہیں وہی کشتیاں کھیتی ہیں، مچھلیاں پکڑتی ہیں ان کو فروخت کرتی ہیں اور مختلف قسم کے کھانے اُن سے طیار کر کے ہوٹلوں کو مہیا کرتی ہیں۔ دراں حالیکہ مرد ان کی بالکل مدد نہیں کرتا۔

شمالی کلیفورنیا میں کچھ زمانہ قبل عورتیں جنگل سے سَن جمع کرتی تھیں۔ اپنے دانتوں سے اُن کے ریشے الگ کر کے کاتی تھیں اور جال بنا کر مچھلیاں پکڑتی تھیں ناروے، سویڈن، ڈنمارک، فرانس، ہر جگہ کاشت کرنے والی اور مزدوری پیشہ عورتیں بہت محنت کرتی ہیں اور یہ معلوم کر کے حیرت ہوتی ہی کہ اُن کی دوسری بہنیں جو شہر کے دولت مند خاندانوں سے متعلق ہیں، کیوں کر پُرتعیش زندگی بسر کرنے کی عادی ہوگئی ہیں۔ یورپ میں قریب قریب ہر جگہ اگر مرد اپنی پیٹھ پر سامان حرب لئے ہوئے نظر آتا ہی تو عورت اسباب خانہ داری لئے ہوئے دیکھی جاتی ہی اس لئے اگر دنیا میں امن قایم رکھنے کے لئے حرب و اقتصاد دونوں کی ضرورت ہی تو یقیناً یہ نعمت بغیر عورت کی مدد کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ جو نظام کائنات میں مرد کے دوش بدوش حصہ لے رہی ہے۔

حسب بیان مسٹر کنان[2] معلوم ہوتا ہی کہ روس کی عورتیں بھاری بوجھ لے جانے

استدراک:۔

[1] Copenhagen سلطنت ڈنمارک کا دارالامارۃ [2] Mr. Kennan.

میں متفقہ قوت سے کام لیتی ہیں جیسے افریقہ و ایشیا وغیرہ میں پالکی اُٹھانے کے لئے۔

یہاں کی عورتیں بہت مضبوط ہیں اور دو سو پونڈ کا وزن بہنگی میں رکھکر صرف دو عورتیں اُٹھا کر لے جاتی ہیں۔ روسی عورتیں یہ بھی جانتی ہیں کہ جب زیادہ بوجھ ہو تو پشت و گردن کو کس طرح اُٹھا لینا چاہیئے۔

یورپ میں جرمنی کی عورتوں سے زیادہ محنتی و جفاکش کوئی عورت نہیں واقعہ یہ ہی کہ محنت مُہلک نہیں ورنہ یہاں کی بہت سی لڑکیاں قبل جوان ہونے کے ہلاک ہو جاتیں۔ کیوں کہ وہ بہت کم سنی کے زمانہ سے سخت محنت کرنے کی عادی بنائی جاتی ہیں۔ نرمبرگ[۱] کے بازار میں چری[۲] بیچنے والی عورتیں کثرت سے دیکھی جاتی ہیں یہ دیہات سے ایک بڑی گاڑی کو خود کھینچ کر لاتی ہیں۔ گاڑی کے اک کونہ میں بچہ پڑا ہوتا ہی۔ دوسری طرف چری کا ڈھیر اور ان دونوں کے درمیان ترکاریوں کا انبار لگا ہوتا ہی۔ یہ عورت جو ماں بھی ہے اور بیل بھی، جو کاشتکار بھی ہے اور دوکاندار بھی پانچ بجے صبح سے ۸ بجے شام تک بازار میں بیٹھی رہتی ہے، اس حال میں کہ قہوہ کے چند گھونٹ اور روٹی کے چند نوالے اس کی دن بھر کی غذا ہی۔ شام کو جب تاریکی پھیلنے لگتی ہی تو وہ اپنی ترکاریوں کے ڈھیر کو سنبھالتی ہی اور گھاس پھونس اپنے سوتے ہوئے بچے کے اوپر ڈال کر گاڑی کھینچتی ہوئی

استدراک :۔

[۱] Nuremberg جرمنی کا ایک مشہور شہر [۲] Cherry ایک قسم کا پھل جنگلی بیر کی طرح

گاؤں لے جاتی ہے۔ کہیں وہ تنہا گاڑی کو کھینچتی ہوئی نظر آتی ہے۔ کسی جگہ ایک طرف وہ ہوتی ہے اور دوسری طرف گائے یا کتا۔ گاڑی کے پیچھے پیچھے بہت سی بچے ہوتے ہیں جو بوسیدہ ملبوس پہنے ہوئے سروں پر اپنے جسم سے زیادہ وزنی بوجھ اٹھائے ہوتے ہیں۔ یہاں جب کوئی عورت کسی کسان سے ملازمت کی طلبگار ہوتی ہے تو وہ سمجھتی ہے کہ اس کو کام ہی کرنا ہے۔ اس لئے وہ اپنی خدمات متعین نہیں کراتی۔ یہاں عورت درخت گراتی ہے۔ لکڑی کاٹتی ہے اوزار پر دھار رکھتی ہے مشین میں تیل دیتی ہے۔ مویشیوں کے باڑے صاف کرتی ہے کوئلہ ڈھوتی ہے الغرض وہ دنیا کے سارے کام کرتی ہے اور کسی خدمت سے اُسے عار نہیں اسی طرح شہر میں عورتیں کام کرتی ہیں وہ بھی کپڑے دھونا، مکان صاف کرنا، پانی بھرنا پکانا، سینا، پرونا سب ہی کچھ کرتی ہیں اور ایک لمحہ کے لئے بھی بیکار نہیں بیٹھتیں

شہر برمبرگ میں آٹھ دروازے ہیں جن میں ایک دروازہ Ladies' Gate (عورتوں کا پھاٹک) کہلاتا ہے۔ یہ دروازہ ۱۸۴۸ء میں شاہ البرٹ کی تجویز سے تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ عورتوں سے صرف اسی لئے منسوب ہے کہ اس کی تعمیر میں عورتوں نے بہت بڑا حصہ لیا تھا۔ صبح ۶ بجے عورتیں یہاں پہنچ جاتی تھیں اور ایک ٹین میں جس کا قطر ۸ انچ کا اور عمق تین فٹ کا ہوتا، گارہ کھود کھود کر بھرتی تھیں اور تسمے سے اپنے شانوں میں باندھ باندھ کر معمار کے پاس لے جاتی تھیں۔ اور وہاں گارہ ڈال کر پھر واپس آتی تھیں۔ یہ کام وہ اس قدر تسلسل کے ساتھ شام تک

انجام دیتی تھیں گویا ہر عورت اپنی جگہ ایک مشین ہے جو کسی وقت اپنی حرکت و جنبش کو بند نہیں کرتی۔[1]

ہندوستان میں بھی عورت کی اس زندگی سے ہر شخص واقف ہے۔ مزدوری پیشہ طبقوں میں تقریباً نصف حصہ عورتوں کا ہے جو ہر قسم کا کام کرتی ہیں۔ بوجھ اٹھانا گارہ لے جانا، اینٹیں ڈھونا، سڑکیں جھاڑنا، پانی بھرنا، لکڑیاں، گھاس ترکاری وغیرہ لا کر بازار میں لا کر فروخت کرنا یہ سب عورتیں ہی کرتی ہیں اور لطف یہ ہے کہ وہ اپنی اس زندگی سے خوش ہیں۔

یونانیوں کے علم الاصنام میں اٹلس (Atlas) کو (جو ایک مرد کی صورت میں ہے) کرۂ ارض اپنے شانہ پر اٹھائے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ لیکن اگر واضع علم الاصنام مرد نہ ہوتا تو حقیقت کے لحاظ سے بجائے مرد کے کسی عورت کی تصویر ہوتی کیونکہ اگر نظر تعمق سے دیکھا جائے تو وہی ساری کائنات کے بوجھ کو اپنے ضعیف بازوؤں کی قوت سے اٹھائے ہوئے ہے جس کا کوئی اجر بھی مرد سے طلب نہیں کرتی۔

استدراک :۔

[1] New York World

چھٹی فصل

عورت اور فنون مختلفہ

عورت کی جن صناعیوں کا ذکر اوراقِ ماسبق میں کیا گیا ہے، اگر اُن پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ہر ایک صنعت کے ساتھ بہت سی دوسری صنعتیں بھی وابستہ ہیں اور عورت نے اُن سب کی ترقی میں پورا حصہ لیا۔ مثلاً زمانہ حجری میں عورت غذا تیار کرنے کے لئے چاقو، ہتھوڑا، کھرل، برتن اور بہت سے آلات و اوزار پتھر کے استعمال کرتی تھی اور ان چیزوں کے بنانے کے لئے عورت ہی حکاکی کی خدمت بھی انجام دیتی تھی جس میں کاٹنا، توڑنا، چھیلنا، سوراخ کرنا، پیسنا، رگڑنا، ساری باتیں شامل ہیں اسی طرح مرد اپنے فرایض کے لحاظ سے جن آلات و اوزار کا محتاج ہوتا تھا تیار کرتا تھا۔ الغرض زمانۂ قدیم میں مرد و عورت دونوں اپنا سارا وقت اوزار بنانے یا اوزار استعمال کرنے میں صرف کر دیتے تھے۔ اس کی ایک وجہ اور بھی تھی اور وہ یہ کہ جو حجری اوزار یا آلات ان کے پاس تھے وہ اُن کی ضروریات کے لحاظ سے ناقص تھے اور وہ ان کے نقص کو محسوس کرتے تھے۔

جب اوّل اوّل عورت کو چاقو کی ضرورت محسوس ہوئی تو اُس نے پتھر کا ایک پتلا دھار دار ٹکڑا قریب کی چٹان سے لے لیا۔ لیکن اسی کے ساتھ اُس نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ ناکافی ہے اور اُس کو اس سے بہتر کسی چیز کی ضرورت ہے۔

چنانچہ اُس نے اپنے تجربہ وتلاش سے معلوم کیا کہ جو پتھر سطح بیرونی پر حدتِ آفتاب سے متاثر ہونے کے لئے کھلا رہتا ہے وہ جلد ٹوٹ جاتا ہے، اور جو پتھر زمین کے اندر سے نکلتا ہے وہ زیادہ مضبوط ہوتا ہے، اس لئے عورت نے زمین کھود کر پتھر کو نکالا اور اس کے چاقو بنائے۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ اس ایک چاقو سازی سے کتنے مشاغل اور پیدا ہوگئے۔

(۱) لکڑی کو جلا کر نوک دار بنانا، اس لکڑی سے زمین کھود پتھر تک پہنچنا دوسرے پتھروں کی مدد سے اس پتھر کو توڑنا اور اس کے ٹکڑوں کو صحرائی جانوروں کے سینگوں اور دوسری لکڑیوں کی مدد سے سر کانا۔

(۲) پتھر سے پتھر پر ضرب پہنچا کر اُس کے ٹکڑے کرنا (یہ کام بہت محنت وصبر کا تھا، کیوں کہ مشکل سے کوئی ایسا پتھر نکلتا تھا جس سے اوزار بن سکے)۔

(۳) زمین کھودنے سے جو کچھ حاصل ہو اُسے گھر لے جانا جو تنہا عورت کا کام تھا۔

(۴) زمین سے نکلے ہوئے پتھروں کے چاقو بنانا، تاکہ اس سے جانوروں کی کھال نکالی جائے، گوشت کاٹا جائے اور چمڑا بنایا جائے۔

علاوہ دھاردار آلات کے دوسرے قسم کے اوزار کی بھی اُس کو ضرورت تھی جس سے وہ اپنی غذا کو باریک کر سکے اس کے لئے اُس نے کھرل اور اس کا دستہ بنایا، اسی کے ساتھ اُس نے میز کی طرح ایک سطح سل بھی طیار کی جسے پتھر

رگڑ کر وہ چکنا کر لیتی تھی ۔

شمالی امریکہ کے معتدل حصّوں میں چاول وغیرہ پیسنے کے لئے عام طور سے کھرل مستعمل تھی اور دیگر حصص میں سِل کا رواج تھا۔ مُوکی عورت اب بھی غذا تیار کرنے کے لئے پچاس مختلف طریقوں سے غلہ بناتی ہے۔ اور اتنے متنوع الالوان کھانوں کے لئے عورت کو حکّاکی، حمالی، معماری، طباخی وغیرہ کے سارے کام کرنے پڑتے ہیں[1] ۔

یہ عورت غلہ پیسنے کے لئے عجیب و غریب طریقے سے کام لیتی ہے سب سے پہلے وہ چکی یا سِل کے لئے پتھر کا انتخاب کرتی ہے اور کئی سلیں اُٹھا لاتی ہے۔ ان کے کناروں کو وہ سنگین ہتھوڑوں سے صاف کرتی ہے۔ اس کے بعد وہ زمین میں ایک مستطیل گڑھا سات فٹ لانبا اور ۲۰ انچ چوڑا کھودتی ہے جو چار حصّوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ ان میں سلوں کو جما دیتی ہے اور اس طرح صندوق کی سی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ صندوق دیوار کے قریب بنایا جاتا ہے تاکہ پیسنے کے وقت پاؤں دیوار کے سہارے سے رہ سکے۔ جگہ کی موزونی کا اندازہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ دیوار کی طرف پشت کر کے ایک عورت اپنا زانو ٹکا دیتی ہے۔ دوسری عورت اس جگہ ایک نشانی بنا دیتی ہے۔ جب یہ صندوق تیار ہو جاتا ہے تو

استدراک :۔

[1] The Republic, St. Louis-James Money

اُس کے کنارے اور جوڑ پر مٹی لگا دی جاتی ہے۔ اس کے بعد زیادہ کھُردری سِلؔ موٹا آٹا پیسنے کے لئے کنارے پر، اس کے بعد کم کھُردری باریک آٹا پیسنے کے لئے، اور سب سے آخر میں چکنی سِلؔ جوار کا آٹا پیسنے کے لئے نصب کر دی جاتی ہے۔ بٹہ بھی اسی لحاظ سے کھُردرا اور چکنا بنایا جاتا ہے۔ پیستے وقت عورتیں صندوق کے پیچھے دوزانو ہو جاتی ہیں، اپنے پاؤں دیوار سے ٹکا لیتی ہیں اور ڈھلواں سِلؔ پر غلّہ ڈال کر دونوں ہاتھ سے بٹے کو پکڑ کر رگڑتی ہیں اور ہر جنبش پر بٹہ کو نصف گھما دیتی ہیں۔ یہ طریقہ پیسنے کا سخت اور دیر طلب ہے۔ لیکن عورتیں گا گا کر اس محنت کو اپنے لئے آسان بنا لیتی ہیں۔[1]

روٹی پکانے کے لئے چولھا بنانے کا طریق یہ ہے کہ پتھر کی دو سلیں ۵ انچ کے فاصلے سے دیوار کے پاس قایم کر دیتی ہیں، اور ایک پتھر اُن کے اوپر رکھ دیتی ہیں جو توے کا کام دیتا ہے۔ اس پر گیلا آٹا پھیلا دیتی ہیں۔

سوپ اسٹون، ان عورتوں کے لئے ایک عجیب نعمت ہے۔ کیوں کہ آگ سے اُس میں شقاق پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی مسطح سِلؔ پیسنے کے کام آتی ہے اگر اس میں ذرا عمق پیدا کر دیا جائے تو وہ چراغ اور توے کا کام دیتی ہے اگر اس کو کھود کر نصف دائرہ کی صورت پیدا کر دی جائے تو وہ کھانے کا برتن ہے اور اگر اچھی طرح

استدراک:۔

[1] The Republic, St. Louis James Money

گرا لائی ہو جائے تو کارآمد ہانڈی ہو۔ الغرض یہ پتھر بہت مفید چیز ہے اور وحشیوں کا یہ بڑا احسان ہو کہ انھوں نے نہ صرف اس پتھر کو دریافت کیا، بلکہ اسے مختلف کاموں کے لیے موزوں بھی ثابت کیا۔ اسی پتھر کے سلسلے میں عورت نے جو اوّلین بنیاد کان کھودنے کی ڈالی وہ فراموش کرنے کے قابل نہیں ہے اور نہ وہ فن سنگ تراشی نظر انداز کیا جا سکتا ہو جو اس پتھر سے مختلف اوزار، آلات وظروف بنانے کی صورت میں وحشی عورتوں نے دُنیا میں قایم کیا۔

اسی سلسلہ میں استعمال نمک کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ غذا میں نمک کا استعمال کب سے شروع ہوا اور اوّل اوّل کس نے اس کو دریافت کیا۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ صحرائی جانور انسان سے قبل نمک کے تلاش کرنے اور اُس کو چاٹنے یا کھانے کے شایق تھے۔ اس لیے اگر زمانہ قدیم میں جب کہ انسان نے بہت سی باتیں جانور سے حاصل کیں، نمک کا استعمال بھی اس سے سیکھا ہو تو عجب نہیں۔

معلوم ہوتا ہو کہ زمانۂ قدیم کے وحشی کھانے میں نمک ڈالتے تھے اور چونکہ عورت کے فرایض میں اوّلین فرض غذا کا تیار کرنا تھا، اس لیے اس فرض کے ماتحت اس کو نمک مُہیا کرنا بھی لازم تھا[۱]۔

استدراک:۔

[۱] Bancroft's "Native Races"

کہا جاتا ہی کہ میگزیکو میں عورتیں اُن جھیلوں سے جو شور ہیں پانی لاتی تھیں اور اُسے جوش دیتی تھیں اور اسی طرح جو نمک نکلتا تھا اُسے ٹکیوں کی صورت میں جما کر محفوظ رکھتی تھیں۔ اس امر کا ثبوت کہ عورتیں ہی اس کام کو کرتی تھیں یہ ہی کہ نمک کی پیداوار بھی ایک دیوی ہی سے منسوب سمجھی جاتی تھی اور ہر سال ایک مخصوص مہینے میں اس دیوی کی یاد یا پرستش میں محفلِ نشاط قایم ہوتی تھی جس میں عورتیں یا لڑکیاں رقص کرتی تھیں۔

وادیِ اوہیو (Ohio) کے قریب جو چشمے نمک کے ہیں اُن کے پاس بہت سے ٹکڑے ٹوٹے ہوئے برتنوں کے پائے گئے ہیں۔ یہ برتن زمانۂ قدیم کی عورتوں کے ہیں جس کا ثبوت اس سے ملتا ہی کہ اُن پر ٹوکریوں کی بناوٹ کے نشان موجود ہیں (اور اس سے قبل ثابت کیا جا چکا ہی کہ زمانۂ قدیم کی عورتیں ٹوکریوں پر مٹی چڑھا کر برتن بناتی تھیں) اس واقعہ سے یہ بھی واضح ہی کہ اوہیو کے قرب و جوار کی قومیں کسی زمانہ میں بُننا، برتن بنانا، نمک تیار کرنا سب کام کرتی تھیں[1]۔

واشنگٹن کے نیشنل میوزیم میں تمام اُن درختوں کو فراہم کر کے محفوظ کیا گیا ہی۔ جن کو زمانۂ قدیم کی عورتیں غذا کے کام میں لاتی تھیں اسی طرح لندن کے

استدراک:۔

[1] Sellers, Pop. Scimonth. N. Y

رائل گارڈنس میں ایک عجائب خانہ قایم ہے جس میں پیداوارِ صحرا کے لحاظ سے مختلف فنون کی تاریخ بتائی گئی ہے۔

وسط کلیفورنیا کی یوکا یا عورتوں کا حال پاوِرس لکھتا ہے کہ

"وہ غلہ کے لئے زراعت بھی کرتی تھیں لیکن اُن کے پاس ہل نہ تھا بلکہ زمین کو کسی نوکدار چیز سے کھود کر مٹی کو ہاتھ سے ملتی تھیں اور بہت باریک کر دیتی تھیں۔ ہر چند اس طرح صرف تھوڑا سا رقبہ قابل زراعت بن سکتا تھا، لیکن پیداوار کثرت سے ہوتی تھی[1]"

لیوسن کار نے برسوں کی تحقیق و مطالعہ کے بعد شمالی امریکہ کی عورتوں کے اکتشافات زراعت وغیرہ کے متعلق معلوم کئے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ

"یہ صحیح ہے کہ زراعت کے کاموں میں مرد بھی عورت کی کچھ نہ کچھ مدد ضرور کرتے تھے، لیکن یہ عورت ہی کی ذہانت تھی جس نے زراعت کے لئے آگ کی مدد سے جنگل کو صاف کرنا اختیار کیا۔ عورتیں ہی زمین صاف کرتی تھیں، بیج بوتی تھیں اور اُس وقت تک کہ غلّہ پک نہ جائے کھیتوں سے خس و خاشاک دُور کرتی رہتی تھیں، اس حال میں کہ اُن کی مدد کے لئے نہ بیل تھے نہ گھوڑے اور

استدراک:۔

[1] Cont. N. A. Ethnol. Wash, 1877

نہ کوئی دوسرا جانور[۱]"

ارض فلسطین میں اب بھی عورتیں ہی غلہ بونے، کاٹنے، اور کوٹ کر بیج نکالنے کی خدمت انجام دیتی ہیں[۲]۔

ہر چند اب یہاں زمانۂ قدیم کی سی مصروفیت عورتوں میں نہیں پائی جاتی لیکن پھر بھی کنوئیں، کھیت، خرمن وغیرہ عورتوں ہی سے آباد نظر آتے ہیں۔

جزیرۂ بورنیو میں جنگل صاف کرنے کے وقت عورت بھی مرد کی پوری مدد کرتی ہے۔ مرد بڑے بڑے درختوں کو کاٹتا ہے اور عورت چھوٹے چھوٹے پودھوں کو اس کے بعد آگ لگا دی جاتی ہے۔ جب زمین ٹھنڈی ہو جاتی ہے تو مرد اُسے کھودتے ہیں اور عورتیں بیج ڈال کر پاؤں سے دباتی جاتی ہیں۔

ڈیاک قوم میں قبل اس کے کہ کھیت پختہ ہوں، عورت کو بہت سے کام کرنے پڑتے ہیں اور ان میں سے سب سے زیادہ مشکل کام نرانا ہے۔ جب کھیت پک جاتے ہیں تو مرد، عورت اور بچے سب مل کر کھیت کاٹ لیتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی زراعت کے بہت سے کام عورت انجام دیتی ہے اور وہ کاشتکار جو بدقسمتی سے کوئی عورت نہیں رکھتا، ناکامیاب کاشتکار ثابت ہوتا ہے۔

مشرقی افریقہ میں ٹیٹا عورتیں بالکل زراعت پیشہ ہیں وہ زمین کو اپنے بھدے

استدراک :-

[۱] Lucien Carr, Geol. Survey

[۲] Thomson, The Land and the Books

اوزار سے کھودتی ہیں اور صرف اُنگلیوں سے مٹی ہٹاکر بیج ڈال دیتی ہیں لیکن زمین اس قدر زرخیز ہے کہ سال میں چار چار فصلیں تیار ہو جاتی ہیں اور کثرت سے غلہ پیدا ہوتا ہی۔ یہاں کی عورتیں نہ صرف زراعت کے تمام کام انجام دیتی ہیں، بلکہ بازار میں جاکر خرید و فروخت بھی کرتی ہیں۔ اور جنگ کے زمانہ میں جاسوسی بھی کرتی ہیں[1]

زمانۂ قدیم میں علاج کرنے والوں کے دو طبقے تھے، ایک طبقہ جھاڑنے پھونکنے والوں کا تھا اور دوسرا عطائیوں کا۔ اوّل طبقہ میں عورتیں بھی شامل تھیں، دوسرا طبقہ اُن لوگوں کا تھا جنھوں نے اپنے تلاش و تجربہ سے جنگلی بوٹیوں کے افعال وخواص معلوم کرلئے تھے۔ اب بھی افریقہ کے جنوبی مقامات میں جو عورتیں صحرا کی پیداوار فراہم کرتی ہیں وہ سانپ کی جڑی بوٹی اپنے پاس رکھتی ہیں۔ کلیفورنیا میں ایک خودرو بیل صنوبر کے درختوں پر چڑھی ہوئی نظر آتی ہے، جو بہت سے امراض کے لئے مفید بتائی جاتی ہی۔ اس کا عرق تھوڑی مقدار میں مخرج بلغم ہے اور زیادہ مقدار میں مُسکن، اس لئے امراض ریہ اور بخار کے لئے مفید ہی اس سے اسقاطِ حمل بھی ہوجاتا ہی۔ امریکہ کے نیشنل میوزیم میں بہت سی کے بعد وہ دوائیں فراہم کی گئیں ہیں جن سے وحشی قومیں علاج کرتی تھیں[2]۔

افریقہ کے مغربی ساحل پر جو وحشی قومیں آباد ہیں اُن کی عورتیں اب بھی جڑی

استدراک :-

[1] French Sheldon, J. Anthrop. Inst.

[2] Mason's Wn's Share in Pr. Culture

بوٹیوں سے علاج کرنے میں بہت مشاق ہیں اور بعض اوقات مہلک امراض کے دُور کرنے میں بھی کامیاب ہو جاتی ہیں[1]۔

زمانہ نے جب فطری و اصلی حالت سے صناعت کی طرف ترقی کی جو ارتقاء کی صحیح رفتار ہی تو اس میں وہ زمانہ خاص ہے جب مویشیوں کے پالنے کا رواج شروع ہوا۔ وہ ممالک جن میں ایسے جانور نہیں پائے جاتے وہاں کی قومیں آج بھی بدستور وحشت کی حالت میں دیکھی جاتی ہیں۔ سب سے پہلے صحرائی جانوروں کو مانوس کرنے کی ابتدا، اس طرح ہوئی کہ اُن کے چھوٹے بچے پکڑ کر گھر لائے جاتے تھے جن کو عورت پالتی تھی، یہاں تک کہ بسا اوقات خود اُسے اپنا دودھ پلانا پڑتا تھا۔ اسکیمو کی عورتیں لومڑی کے بچوں کی پرورش کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ جوان ہو جاتے ہیں اور اُن کا چمڑا استعمال کے قابل ہو جاتا ہے۔ پوبلو قوم کی عورتیں چیل اور شکرے وغیرہ کو صرف اُن کے پر حاصل کرنے کے لئے پالتی ہیں۔ گائنا کی وحشی اقوام میں کوئی جھونپڑا ایسا نہ ہوگا جس میں صرف پر حاصل کرنے کے لئے مختلف قسم کی چڑیاں پلی ہوئی نظر نہ آئیں[2]۔

بڑے بڑے جانوروں میں سے جو جانور اُون اور دودھ مہیا کرتے ہیں۔ اُن کے متعلق یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ کس وقت سے اُن کے پالنے کا رواج شروع

استدراک :۔

Payne, Hist. of Amerca [1] Women of All Nations [2]

ہوا۔ لیکن موجودہ وحشی اقوام کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ اُن کی عورتوں کو ایسے جانوروں کے ساتھ زمانۂ قدیم سے وابستگی چلی آتی ہی اور اب بھی عورتیں ہی خصوصیت کے ساتھ اُن کی پرورش میں مصروف پائی جاتی ہیں مثلاً اِن کی جنگلی قوموں میں گھوڑوں کو چراگاہ میں لے جانا رات کو گھر لاکر انھیں پتیاں وغیرہ کھلانا عورت ہی کے سپرد ہی۔

جزیرۂ ہوائی میں مچھلیوں کے پالنے کا عام دستور تھا۔ اُن ساحلی مقامات پر جہاں سمندر کا پانی ادھر اُدھر بہ نکلتا تھا عورتیں انھیں گہرا کھود کر تالاب یا حوض کی صورت میں تبدیل کرلیتی تھیں اور پانی کے منفذ پر مونگے کی چٹانیں رکھدیتی تھیں تاکہ پانی اُن کے مسامات سے آسکے لیکن مچھلیاں سمندر میں واپس نہ جاسکیں یہ منظر اکثر دیکھا جاتا تھا کہ عورتیں کمر کمر تک پانی اور کیچڑ میں کھڑی ہوئی اُن حوضوں کو صاف کررہی ہیں۔ مرد کا کام صرف یہ تھا کہ وہ مچھلیاں پکڑ پکڑ کر ان حوضوں میں ڈالتا رہے[1]۔

فنِ تعمیر کے ابتدائی مدارج پر جب غور کیا جاتا ہی کہ سب سے پہلے حفاظت اور سایہ کی جس کو ضرورت محسوس ہوئی عورت تھی۔ نہ اس لحاظ سے کہ خود اُس کو ضرورت تھی بلکہ اس حیثیت سے بھی کہ اُسے اپنے بچّوں کو محفوظ رکھنا لازم تھا۔

استدراک :۔

[1] Wood, Uncivilized Races

سب سے پہلے انسان نے غاروں کے اندر پناہ لینا سیکھا۔ اس کے بعد جب زمانۂ حجری میں وہ شکار کرنے لگا تو کھالوں کے خیمے بنائے جانے لگے جو ابتدائے انتہا تک صرف عورت کا کام تھا۔ یقیناً جب مٹی کے مکانات تعمیر ہونے کا زمانہ شروع ہوا تو اس میں مرد و عورت دونوں برابر کے شریک تھے۔ لیکن جب تک پتوں، چھالوں اور کھالوں کے جھونپڑے کا رواج رہا، اُس وقت تک صرف عورت ہی کی ذہانت صرف ہوتی رہی۔

افریقہ کی بعض قوموں میں اب بھی جب مکان تیار ہو جاتا ہے تو اُس کی چھتوں اور دیواروں پر گوبری کرنا عورت ہی کے سپرد ہے۔ ہندوستان میں بھی عورت ہی اس کام کو انجام دیتی ہے۔

جزیرۂ انڈمان میں ہلکے ہلکے سفری خیمے نصب کرنا عورت کے فرائض میں ہے۔ یہ خیمے یا جھونپڑیاں دوشیزہ اور منکوحہ عورتوں کے لئے الگ الگ ایک خاص ترتیب کے ساتھ قایم کی جاتی ہیں[۵]۔

ڈاکٹر اسنا ئیڈر نے کلیفورنیا میں دیکھا ہے کہ جب مرد اپنی پتھر کی کلہاڑیوں سے کسی درخت کے تنے پر ضرب پہنچاتے ہیں تو عورتیں اپنے سنگین چاقوؤں سے چھال کو الگ کرتی جاتی ہیں یہاں تک کہ تنہ کٹ جاتا ہے اور درخت گر جاتا ہے

استدراک:۔

Man, Andaman Islanders. ۵ٖ

ڈاکٹر موصوف نے پتھروں کی کھرپیوں سے درختوں کے تنوں کو کشتیاں بنانے کے لئے کھودتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔

عورتوں کی ذہانت وفراست محنت وجفاکشی کی مثال میں وہ چرمی خیمے بھی پیش کئے جا سکتے ہیں جو مسطح حصص ملک میں نصب کرنے کے لئے وہاں کی عورتیں تیار کرتی ہیں یہ خیمے بھینس کی کھالوں سے مخروطی شکل کے بنائے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے وہ کھالوں کو صاف کرتی ہیں جس کا ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے اس کے بعد متعدد کھالیں لے کر ان کو کاٹتی ہیں اور پھر سب کو سی کر چھتری کی شکل تیار کرتی ہیں۔ ایک جانب کھلا رکھا جاتا ہے جو خیمہ نصب کرنے کے بعد صرف فیتوں کے ذریعہ سے کس دیا جاتا ہے اور نیچے کا تھوڑا سا حصہ آنے جانے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس میں دروازہ بھی چمڑے کا لگایا جاتا ہے۔ اگر موسم خراب ہوتا ہے تو اس دروازہ کو بھی اچھی طرح کس دیتی ہیں۔ خیمہ نصب کرنے کے لئے پہلے زمین اچھی طرح صاف کر لی جاتی ہے اور اُس پر خیمہ بچھا دیا جاتا ہے اس کے بعد تین بانس جن کے سرے آپس میں بندھے ہوتے ہیں پھیلے ہوئے خیمے کے اندر ڈال کر اُٹھائے جاتے ہیں جس سے خیمہ بلند ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد بانسوں کے نیچے کے حصہ کو جہاں تک ممکن ہوتا ہے پھیلا دیا جاتا ہے تاکہ کھال اچھی طرح تن جائے۔ جب اُس خیمے کو گرانا مقصود ہوتا ہے تو پھیلے ہوئے بانسوں کو سرکا کر ایک جگہ کر لیا جاتا ہے اور اس طرح خیمہ خود اپنے بوجھ سے گر جاتا ہے۔

صرف دو عورتیں پانچ منٹ میں خیمے کو نصب کر دیتی ہیں اور تین چار منٹ میں اکھاڑ ڈالتی ہیں[1]۔ اس دورِ تہذیب و ترقی میں جو صورت خیموں کی نظر آتی ہے وہ بالکل وہی ہے جو زمانۂ وحشت میں تھی اور اس میں کوئی اضافہ سوائے اس کے نظر نہیں آتا کہ کھال کی جگہ اب کپڑا استعمال کیا جاتا ہے۔

لوچیو کی عورتیں سخت محنت کرنے والی ہیں۔ یہ علاوہ گوشت بنانے اور کھال صاف کرنے کے لکڑیاں بھی کاٹتی ہیں پانی بھی لاتی ہیں اور گھر کا سارا انتظام ان ہی کے سپرد ہے۔ سفر کے وقت خیمے اکھاڑ کر لپیٹنا، سارا اسباب اکٹھا کرنا اور پھر اپنی پیٹھ پر لادنا عورت ہی کا فرض ہے۔ مرد بالکل خالی ہاتھ صرف شکار کرنے کے ہتھیار لئے ہوئے آگے آگے ہوتا ہے۔ موسم گرما میں شکاری کشتیوں کے اندر مرد بیٹھ جاتے ہیں اور عورتیں اُن پر سارا اسباب لاد کر نہایت محنت سے کشتیوں کو اس جگہ تک لے جاتی ہیں جس کو مرد نے اپنے قیام کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔

عورت کا جو تعلق آگ کے ساتھ ہے وہ ظاہر ہے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ عورت نے عام طور سے روشنی حاصل کرنے کا ذریعہ آگ کو نہیں بنایا اور غالباً اس میں خدا کی مصلحت شامل حال تھی ورنہ وہ رات کو بھی آرام نہ کرتی اور کام کرتے کرتے اپنی جان دے دیتی۔ تاہم بعض مقامات میں (مثلاً جزیرۂ انڈمان) عورت مشعل

استدراک:۔

[1] Dodge, Our Wild Indians, 1883.

بنا کر رات کو مچھلی کا شکار اور سفر کرنے کے لئے آسانیاں بہم پہنچاتی تھی[1]۔

خانہ داری کی زندگی میں کپڑے دھونے کا مسئلہ بھی نہایت اہم ہی اور اس کی قدامت کا پتہ متھیوز کی اس روایت سے چلتا ہی جو اس نے نواجو قوم کے ایک شخص کی بابتہ بیان کی ہی کہ اس کے بیٹے شکار کرنے میں ناکامیاب رہتے تھے اس لئے اس نے حکم دیا کہ وہ کسی گرم جگہ میں بند کر دیئے جائیں تاکہ خوب پسینہ نکلے چار دفعہ یہی عمل ہوا۔ اس کے بعد اس نے اپنی لڑکیوں کو حکم دیا کہ وہ چھالیں لائیں جن سے جھاگ پیدا ہوتا ہی چنانچہ ایسی چھالیں لائی گئیں اور ان کے جھاگ سے لڑکوں نے اپنے بدن اور کپڑے اچھی طرح دھوئے۔

اوزار یقیناً مشین سے پہلے کی چیزیں ہیں۔ اور مشین ان ہی کی ارتقائی صورت ہی پھر دیکھو کہ سل جس پر آٹا پیسا جاتا تھا، اوزار ہی تھی۔ جن پتھر کے ٹکڑوں سے زمین کھود کر جڑیں وغیرہ فراہم کی جاتی تھیں، وہ بھی اوزار ہی تھے اور اسی طرح بت سے پارہائے سنگ جن سے مختلف کام لئے جاتے تھے اوزار ہی تھے اور اسی کے ساتھ یہ بھی متحقق ہی کہ یہ اوزار زیادہ تر عورتوں ہی کے استعمال میں تھے پھر اگر موجودہ مشین کی دنیا قدیم وحشی عورتوں کے احسانات کو فراموش کر سکتی ہے تو فراموش کر دے لیکن کائنات کی وہ تاریخ جو صفحاتِ فطرت میں منقوش ہے

استدراک:-

Man, Andaman Islanders. [1]

ن واقعات کو نظرانداز نہیں کرسکتی اور جب تک یہ دنیا قایم ہے اُس وقت تک
وہ قدیم وحشی عورتوں کے احسانات سے سبکدوش نہیں ہوسکتی۔

مسٹر ڈال ایک اسکیمو عورت کی روزانہ زندگی کا حال بیان کرتا ہی کہ جاڑوں
میں وہ علی الصّباح اُٹھتی ہے اور لکڑی کے برتن سمیٹ کر ایک جگہ رکھتی ہی اس کے
بعد وہ چولھے کو دیکھتی ہی کہ اس میں آگ ہی یا نہیں۔ اگر آگ ہوئی تو لکڑیاں اُس پر
رکھدیتی ہے اور گھر والوں کو بیدار کرتی ہے۔ پھر وہ پانی لاتی ہی اور بستر وغیرہ
سمیٹ کر اُس وقت تک کہ گھر والے اپنی ضروریات سے فارغ ہوتے ہیں ہرن کا
گوشت یا مچھلی تیار کرلیتی ہی اور مرد کھاپی کر شکار کو چل دیتے ہیں اور عورت ترتیب
و صاف کرکے ملبوس کے لئے کھالیں درست کرنے اور اُن کو قطع کرکے سینے
میں مصروف ہوجاتی ہی۔ دوپہر کو کچھ لوگ آجاتے ہیں اور اُن سے بات چیت ہوتی
ہی۔ اگر کوئی مہمان آجاتا ہے تو وہ عزت سے ایک جگہ بٹھا دیا جاتا ہی اور عورت
اُس کے جوتے اپنے ہاتھ سے اُتارتی ہی۔ اور کچھ کھانے کو پیش کرتی ہے مہمان
دیر تک خاموش بیٹھا رہتا ہی اور پھر اپنے سفر کا حال اپنے گانوں کے حالات آہستہ
آہستہ کہنا شروع کرتا ہے۔ بعد غروب آفتاب آگ روشن کی جاتی ہے اور عورت
چھت پر جاکر شکار سے واپس آنے والے مردوں کا انتظار کرتی ہی جب مرد آتا ہے

استدراک :-

لہ Mr. Dal, an American Naturalist

تو عورت خاموشی کے ساتھ اُس کی پذیرائی کرتی ہے، اُس کے ہتھیار جسم سے علیحدہ کرتی ہے اور جوتے اُتار کر خشک ہونے کے لئے رکھدیتی ہے۔ اس کے بعد مرد کو کھانا دیتی ہے کھانا سب مل کر کھاتے ہیں اور صرف عورت اُن کو کھلاتی ہے، پھر آتشدان روشن کیا جاتا ہے جب آگ کم ہو جاتی ہے تو عورت اس کے کوئلے الگ کر دیتی ہے بستر بچھاتی ہے اور مرد آرام کرتا ہے۔

گائنا کی عورتیں گھر صاف کرتی ہیں پانی اور ایندھن لاتی ہیں کھانا پکاتی ہیں بچوں کی خدمت کرتی ہیں، کھیت بوتی ہیں، کاٹتی ہیں اور جب مرد سفر کرتے ہیں تو ضروری اسباب بڑے بڑے ٹوکروں میں رکھکر اپنی پیٹھ پر لادتی ہیں اگر وقت بچتا ہے تو وہ سُوت کاتتی ہیں اور اپنے بچوں کے لئے گہوارے اور بستر تیار کرتی ہیں جب دن ختم ہونے کے قریب ہوتا ہے تو وہ اپنے بچوں کے گہواروں کے نیچے آگ روشن کرتی ہیں اور مرد کہانیاں شروع کرتے ہیں۔ اس کہانی کے بیچ میں سب سو جاتے ہیں، لیکن اگر عورت جاگ کر آگ کو درست کرنے کے لئے اُٹھ بیٹھتی ہے تو کُتے بھونکنے لگتے ہیں اور بچے جاگ کر چیخنے اور رونے لگتے ہیں جس کو سُن کر مرد پھر جاگ اُٹھتے ہیں اور کہانی شروع کر دیتے ہیں۔

آسٹریلیا میں جس طرح عورتیں جنگل کی پیداوار جمع کرنے کی خدمت انجام دیتی ہیں اسی طرح دریا اور سمندر کی پیداوار بھی فراہم کرتی ہیں وہاں ایک دریائی گھاس ہوتی ہے جو پانی کی تہ میں پائی جاتی ہے اس کو صرف عورت ہی مہیّا

کرتی ہے وہ ایک جال لے کر غوطہ لگاتی ہے اور کئی کئی منٹ تک نیچے رہ کر اس گھاس کو جمع کرتی ہے۔ اسی طرح مچھلیوں کا شکار کرنے میں وہ بہت مشاق ہے اور سال میں آٹھ مہینے وہ اسی مشغلے میں صرف کرتی ہے۔

جزیرۂ فلپائن میں عورتیں بنتی ہیں، کاتتی ہیں، برتن بنا کر بیچتی ہیں اور پانی سے نمک نکالتی ہیں۔ یہاں ٹوکریاں بنانا مردوں کے سپرد ہے۔ زراعت کے کاموں میں مرد اور عورت برابر کی شریک ہیں، لیکن دھان کی کاشت صرف عورت کا کام ہے۔ مرد اس میں ہاتھ نہیں لگاتا۔

زولو قوم افریقہ کے وحشی اقوام میں بہت ذہین ہے اس کے حالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہ نسبت دیگر اقوام کے ان میں صناعات بہت زیادہ پائی جاتی ہیں جو خصوصیت کے ساتھ عورتوں ہی سے وابستہ ہیں۔ زراعت کا دارومدار عورت پر ہونا تو بہت عام اور معمولی بات ہے۔ لیکن معاشرت پر بھی یہاں کی عورتوں کا بڑا اثر ہے ان کی عورتیں علاوہ تمام انتظام خانہ داری کے مکان بھی خود تیار کرتی ہیں اور صحرائی جڑی بوٹیوں، سحر وافسوں سے علاج کرنے اور پیش گوئیاں کرنے میں بہت مشاق ہیں۔

پوبلو (Peublo) کی عورتیں بھی اپنے لئے وہی مشاغل رکھتی ہیں جو عام طور سے ہر جگہ عورت کے سپرد ہیں۔ لیکن یہاں اس کے لئے بہت دقتیں ہیں چوں کہ ریگستانی حصۂ زمین میں رہتی ہیں اس لئے وہ برتن بھی مٹی کے تیار نہیں

کرسکتیں، لکڑی کے برتن بھی نہیں بنا سکتیں کیوں کہ یہاں ایسے درخت نہیں ہوتے
جن کی لکڑی یہ کام دے سکے، گھاس البتہ کثرت سے ہوتی ہے۔ لیکن عورت نے
اس گھاس سے اپنی تمام ضرورتوں کو پورا کیا۔ یہاں کی عورتیں اس گھاس سے خانہ داری
کی تمام چیزیں طیار کرتی ہیں۔ کھانے پکانے کے برتن، غلہ صاف کرنے کے لئے
سُوپ اور چھلنی، بچھانے کے لئے چٹائیاں اور کپڑے، پانی بھرنے کے گھڑے
سب اسی گھاس سے بناتی ہیں۔

جزیرہ ماوری (نیوزیلینڈ) میں قدیم عورت بھاپ کے ذریعہ سے کھانا پکاتی
تھی ایک گڑھا کھود کر اس میں آگ روشن کی جاتی تھی اور پتھر کے ٹکڑے اس میں
ڈال کر گرم کئے جاتے تھے جب پتھر سُرخ ہوجاتے تھے تو آگ علیٰحدہ کر کے
اُن پر پانی چھڑک دیا جاتا تھا اور اس طرح جو بھاپ نکلتی تھی اُس پر گوشت پتوں
میں لپیٹ کر رکھدیا جاتا تھا۔ یہاں کی عورتیں پکی ہوئی غذاؤں کو چربی کے اندر
عرصہ تک محفوظ رکھتی تھیں۔ یہاں خاص خاص تقریبات کے موقع پر بڑی بڑی
دعوتوں کا رواج تھا تمام اطراف وجوانب کے گاؤں والے طلب کئے جاتے تھے
اور آٹھ آٹھ ہزار آدمیوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا اور ان دعوتوں کا انتظام بالکل
عورتوں کے سپرد ہوتا تھا۔

اسکیمو کے لوگ زمانۂ قدیم میں قطب شمالی سے بہت قریب رہتے تھے جہاں
مسلسل چھ ماہ تک برفباری اور کُہر کی وجہ سے رات سی رہتی ہے۔ اکثر حصہ زمین کا

بے برگ و گیاہ تھا۔ اُس وقت عورت صرف ہڈی، سینگ اور ہاتھی دانت کے برتن تیار کرتی تھی اور اُس کی فراہمی غذا کا خرچ صرف مچھلیوں اور جانوروں سے پورا ہوتا تھا۔ کھانا پکانا، کپڑا بننا موسم کے لحاظ سے سرد و گرم ملبوس تیار کرنا، کشتیاں بنانا، گھر کو آراستہ کرنا، کھالیں سنوارنا، کتوں کو پالنا صرف عورت کے سپرد تھا۔ گرمیوں میں اسکیمو کی عورتیں صرف خیموں میں رہتی تھیں اور ایام سرما میں گھروں کے اندر، یہ گھر دو قسم کے ہوتے تھے۔ زمین کے اندر مستقل مکانات اور برف کے اوپر عارضی جھونپڑے۔ چوں کہ دونوں قسم کے مکانات میں اکثر اوقات روشنی کی ضرورت ہوتی تھی اس لئے اسکیمو کی عورت نے چراغ کو اختراع کیا جس سے روشنی اور چیزوں کے خشک کرنے کا کام لیا جاتا تھا۔

جزیرۂ فجی کی عورت کسی زمانہ میں اپنی مصروف زندگی اور شدید محنت کے لئے مشہور تھی۔ مسٹر بلائتھ (Blythe) ایک سیاح کا واقعہ لکھتے ہیں کہ وہ ایک کشتی کے ذریعہ سے دریا کو عبور کر رہا تھا، بارش بہت تیز ہو رہی تھی، اس نے دور سے ایک کشتی کو دیکھا جس پر ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن کشتی کو کھینے والا کوئی نہ تھا اس کو تعجب ہوا لیکن غور کرنے سے معلوم ہوا کہ کشتی سے کچھ فاصلہ پر ایک سیاہ دھبہ نظر آ رہا ہے یہ ایک عورت کا سر تھا جو داہنے ہاتھ کی جنبش سے دریا کو عبور کر رہی تھی اور دانت میں بائیں ہاتھ کے سہارے سے کشتی کی رسی پکڑے ہوئے لئے جا رہی تھی۔ یہ اس مرد کی بیوی تھی۔ جو کشتی میں نہایت اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا

اس سے اندازہ ہو سکتا ہی کہ عورت مرد کے لئے کیا کیا قربانیاں نہیں کر سکتی درانحالیکہ تم زمانہ قدیم کی کسی تاریخ میں کوئی مثال ایسی نہ پاؤگے کہ مرد نے عورت کی شدید ترین تکلیف کو اپنے خفیف سے جنبش جسم سے بھی کم کرنے کی کوشش کی ہو۔

آسٹریلیا میں کسی وقت عورت کی خدمات بہت زیادہ وسیع اور محنت طلب تھیں جنگلی درختوں کی جڑیں اور پتیاں جمع کرنا، اُن کے جھونپڑے بنانا، گھر کا سارا اسباب اِدھر سے اُدھر اپنی پیٹھ پر منتقل کرنا سب عورت کا کام تھا۔ جب قافلہ سفر کرتا تھا تو مرد آگے آگے خالی ہاتھ چلتا تھا اور عورت پیچھے پیچھے ہوتی تھی اس حال میں کہ اس کا کوئی عضو، کوئی عصب، کوئی عضلہ ایسا نہ ہوتا تھا جو کسی بوجھ سے متاثر و متاذی نہ ہو۔ منزلِ مقصود پر پہنچ جانے کے بعد بھی اُس کو آرام نصیب نہ ہوتا تھا۔ وہاں وہ سب سے پہلے زمین میں لکڑیاں نصب کر کے جنگل کے پتے فراہم کرتی تھی اور جھونپڑا تیار کر کے مردوں کے آسائش کا انتظام کرتی تھی۔ اس کے بعد وہ فراہمی غذا میں مصروف ہو جاتی تھی، جو ایک مستقل محنت ہی جنگل سے جڑیں، پتیاں جمع کر کے لانا، پھلیوں کو ہاتھ پاؤں سے مل مل کر بیج نکالنا ناقص اور زہریلی پتیوں کو علیحدہ کرنا اور پھر مختلف طریقوں سے آگ روشن کر کے اس کو پکانا، جس قدر محنت طلب ہی محتاج بیان نہیں۔

اسکیمو کی مذہبی روایات میں سے ایک روایت ہی کہ چاند اور سورج دونوں

بہن بھائی ہیں۔ اور بہن (یعنی چاند) ہمیشہ اپنے بھائی سورج کا تعاقب کیا کرتی ہے چاند کی شادی کم سنی میں ایک طائر سے کر دی گئی تھی، جب اُس نے بُرا سلوک کیا تو چاند نے اپنے باپ کے ساتھ بھاگ کر نکل جانے کی کوشش کی، چڑیوں نے سمندر میں ایک طوفان برپا کر دیا اور اُس کشتی کو جس میں وہ اپنے باپ کے ساتھ بیٹھی ہوئی جا رہی تھی، تباہ کر دینا چاہا۔ باپ نے یہ دیکھکر چاہا کہ اپنی بیٹی کو دریا میں پھینک دے۔ لیکن وہ کشتی کے کنارے سے لپٹ گئی۔ باپ نے اس کی انگلیوں کی پوریں ایک ایک کر کے کاٹ ڈالیں پہلی پوروں سے وھیل مچھلیاں بنیں دوسری پوروں سے سیل مچھلی اور تیسری پوروں سے تہ میں رہنے والی مچھلیاں۔ اس کے بعد وہ خود بھی پانی کے اندر گر کر ڈوب گئی اور اُس وقت سے وہ زیر آب مخلوق پر جو اُسی کے اعضا سے بنی ہے۔ حکمراں ہے" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکیمو عورت کی معاشری زندگی زمانۂ قدیم میں کیا تھی اور اس کا تعلق دریائی پیداوار سے کس قدر تھا اور مچھلیوں کے ساتھ محض اس لئے کہ وہی زیادہ تر ذریعۂ پرورش تھیں، ان کا خیال احترام کس حد تک وابستہ تھا[a]۔

ہندوستان میں طبقۂ متوسطہ کی عورتیں جن فرایض کو روزانہ انجام دیتی ہیں وہ بھی قریب قریب وہی ہیں جن کو اسکیمو آسٹریلیا، افریقہ یا دیگر حصص زمین کی

استدراک:۔

[a] Women of all Nations.

محنتی عورتیں بجالاتی ہیں۔ تڑکے اُٹھنا، جھاڑو دینا، برتن صاف کرنا، بستر لپیٹنا
آگ روشن کرنا۔ کھانا تیار کرنا، سینا، پرونا، بچوں کی خدمت کرنا اور پھر سب سے
بڑھ کر مردوں کے ناز اُٹھانا۔ اگر ان میں سے ہر ایک کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم
ہوگا کہ عورت کا وجود نظام کائنات کے لئے کس قدر ضروری ہی اور وہ مردوں کے
لئے اس دنیا میں کیسی رحمت ہی اگر ادنیٰ طبقہ کی عورتوں کو دیکھا جائے تو اُن تمام
خدمات کے علاوہ اُسے زراعت کا کام بھی کرنا پڑتا ہے اور اس میں جس قدر
محنت عورت کو برداشت کرنی پڑتی ہی اس کا ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے جو
عورتیں مزدوری کرتی ہیں ان کو گھر کے تمام کاموں کے علاوہ دن بھر بوجھ
لاد کر ادھر سے اُدھر لے جانا پڑتا ہی۔ جو اُن کے جسم کی نازک ساخت کو دیکھتے
ہوئے بہت دشوار نظر آتا ہے۔ لیکن یہ ہمارا روز کا تجربہ ہی کہ وہ نہایت صبر و
تحمل سے ان تمام محنتوں کو برداشت کرتی ہیں۔ صرف اس لئے کہ وہ اپنے
مردوں کی خدمت اور اپنے بچّوں کی پرورش اچھی طرح کر سکیں۔

انسانی فطرت کے دو پہلو ہیں ایک متعلق بہ مادّہ دوسرا متعلق بہ روحانیت
جن میں مرد و عورت فطرتاً برابر کے شریک ہیں۔ لیکن جن جذبات سے متاثر ہو کر
مرد و عورت نے دنیا میں کام شروع کیا ہی اُس میں نہایت نازک فرق ہی۔
عورت فطرتاً نازک دل، رقیق القلب واقع ہوئی ہی۔ اس لئے جو جذبات اُس کے
اندر پیدا ہوتے ہیں ان کا تعلق خود اُس کی ذات سے کم اور

دوسروں کی ذات سے زیادہ ہوتا ہے۔ برخلاف مرد کے کہ اُس کے جذبات میں خود اُس کے داعیاتِ نفس زیادہ شامل ہوتے ہیں۔ اس لئے عورت کا (باوجود اس کے کہ وہ نازک جسم رکھتی ہے، باوصف اس کے کہ وہ زیادہ تکلیف برداشت نہیں کر سکتی) زمانۂ قدیم سے اس قدر محنت کرنے کا عادی رہنا صرف اس بنا پر کہ وہ اپنے جذبات سے مجبور رہی اور ایثار و روا داری اس کی فطرت میں داخل ہی۔

بچوں کے ساتھ جو تعلق ماں کو ہوتا ہی باپ کو نہیں ہوتا اس لئے اگر عورت اپنے بچوں کو آرام پہنچانے کے لئے زیادہ بیقرار و مضطرب نظر آتی ہے تو یہ اک نوع کا فطری اجبار ہی جس کا مقابلہ کوئی دنیاوی مصلحت نہیں کر سکتی جانوروں میں بھی مادہ بہ نسبت نر کے زیادہ محنت کرتی ہے اپنے بچوں کے لئے غذا فراہم کرنے کی خدمت وہی انجام دیتی ہے اور یہ یقیناً نظامِ فطرت ہی کہ اُس نے عورت کے دل کو اس قدر حسّاس پیدا کر کے دنیا کے کاروبار میں اس کو مرد کے دوش بدوش کام کرنے کا اہل بنا دیا۔ زمانۂ حال کے ہنگامۂ ترقی میں جو یکسر جلوۂ مادّہ ہے عورت کی فطرت کا وہ روحانی پہلو نظر انداز کیا جا رہا ہے جس نے سب سے پہلے ترقی مادہ کی بنیاد عالم میں ڈالی اور مرد اپنے علم و قوت کے زعم میں اس حقیقت کو بالکل فراموش کئے ہوئے ہی کہ دنیا کے یہ تمام علوم و فنون کس طرح پیدا ہوئے۔ کائنات کی یہ ساری زیبائش و آرائش کیوں کر رونما ہوئی

اگر عورت مرد کے پہلو میں اعانت کرنے والی نہ ہوتی اگر مرد اپنی زندگی کی راہ قطع کرنے کے لئے تنہا چھوڑ دیا جاتا تو کیا ہوتا؟ اس سوال کا جواب بہت آسان ہے، اگر عورت کی تاریخِ قدیم کو پیشِ نظر رکھکر اُس کی خدمات، اُس کے فراست و ذہانت کے کارناموں اور اُس کی شب و روز کی سخت محنتوں کو سمجھا جائے۔

جس وقت عورت دنیا میں آئی اُسی وقت سے اُس نے مرد کے ساتھ ساتھ سوچنا شروع کیا کہ زندگی کیوں کر بسر کی جا سکتی ہے اور اُس وقت تک کہ اس کے کوئی اولاد نہیں ہوئی وہ اور مرد دونوں اس فکر میں مساوات کا درجہ رکھتے تھے لیکن جس وقت عورت نے اپنی آغوش میں ایک بچّہ دیکھا تو اس کی فکر میں بہت زیادہ بیتابیاں پیدا ہوگئیں۔ پھر جب تک ایک بچہ اپنی ہی ماں کا بچہ اور ایک ماں اپنے ہی بچے کی ماں ہے اُس وقت تک دنیا کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ فطرت کی اس مظہرِ عظیم اور ترقیِ عالم کے اس اساسِ اولین کو نظر انداز کردے!

ساتویں فصل

عورت اور فنون لطیفہ

اُن فنون و صناعات کی ترقی میں جو لطف و تفریح سے متعلق ہیں عورت نے کیا حصّہ لیا؟ یہ بھی اک سوال ہی جو موضوعِ کتاب سے خاص نسبت رکھتا ہی اور اس باب میں اسی سے بحث کی جائے گی۔

یہ امر کہ زمانۂ قدیم میں اس نوع کے فنون پائے جاتے تھے، اک واقعہ و حقیقت ہی جس کو علماء آثار قدیمہ نے پوری طرح ثابت کر دیا ہی اور اب اس میں کسی شک کی گنجایش نہیں ہی۔ قدیم زمانہ کی تمام اُن اقوام کی نسبت جن کا کچھ بھی حال ہم کو معلوم ہوا ہے۔ یہ امر حفریات سے ثابت ہو چکا ہی کہ اُن میں خوشنما و حسین چیزوں کے تیار کرنے کا رواج تھا۔ ان اشیاء کو دیکھکر ہم زمانۂ قدیم کی حسین صناعات کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ لیکن ان میں تفریق قایم کر کے یہ حکم لگانا کہ وہ صنعت عورت کی ہی اور یہ مرد کی بہت دشوار ہے۔ کیوں کہ بہت سی وہ صنعتیں جو زمانۂ قدیم میں عورت سے متعلق تھیں اب مردوں کے ہاتھ میں ہیں اور عورت انھیں ترک کر چکی ہی۔

سب سے پہلے غور کرنا چاہئے کہ حُسنِ صنعت کا کیا مفہوم ہی اور اُس کے اسباب اختراع کیا ہو سکتے ہیں؟ یقیناً اوّل اوّل جب انسان نے چیزوں کو اختراع کیا

ہوگا۔ تو حُسن کا سوال پیش نظر نہ ہوگا۔ بلکہ صرف ضرورت کا مسئلہ سامنے تھا اس لیے جو اختراعات انسان نے اوّل اوّل کیں وہ کچھ نہ تھیں مگر یہ کہ فطری پیداوار میں اُس نے کچھ تغیر و تبدل پیدا کر دیا۔ مثلاً ایک پتھر کا ٹکڑا کہ وہ ایک قدرتی پیداوار تھی۔ لیکن انسان نے اس کو نوک دار بنا کر شکار کرنے کا آلہ بنا لیا، یا اُس میں عمق پیدا کر کے غلّہ کوٹنے کا برتن تیار کر لیا۔ اس لیے حُسنِ صناعت تو فی الجملہ اُن میں موجود تھا۔ کیوں کہ یہ اوزار و آلات ضروریات فراہم کرنے میں کافی معاون تھے۔ لیکن صناعتِ حُسن اُن میں نہ پائی جاتی تھی۔ پھر اب دیکھو کہ ان دونوں میں کیا فرق ہے (۱) جس طرح حُسنِ صناعت نام ہے صرف قدرتی پیداوار میں کچھ تغیر و تبدل کر دینے کا۔ اسی طرح صناعتِ حُسن مفہوم ہے اُن مصنوعی اشیاء کی شکل و صورت میں تغیر کرنے کا، یا بالفاظ دیگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ صناعات کا حُسن اُن تنوعات کا نام ہے، جو اشیاء کی ساخت میں انسان کی فطری ذہانت و فراست نے پیدا کیے (۲) چوں کہ صناعات میں حُسن پیدا کرنا صرف انسان کی دماغی رفتار کا مُتشکّل ہو جانا ہے اس لیے ظاہر ہے کہ ایک شے میں تکمیلِ حُسن اسی وقت پیدا ہو گی جب ایک سے زائد دماغوں، ذہانتوں اور فراستوں نے مل کر اُسے ترتیب دیا ہو۔ چنانچہ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اشیاء جن کے حُسن میں تنوع پایا جاتا ہے وہی ہیں جن کی ترکیب مختلف دماغوں کے افکار کا نتیجہ ہے معمار صرف ایک خوبصورت مکان تعمیر کر سکتا ہے لیکن جب تک باغبان، ظروف ساز، نقاش

ونجّار وغیرہ اپنی صناعات اس میں صرف نہ کریں۔ وہ تعمیر ہمارے لئے تکمیل کے ساتھ جاذبِ نظر نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح جو چیز آج اختراع ہوتی ہے وہ اک زمانے کے بعد مکمل ہوتی ہے۔ جب اس کی تکمیل میں مختلف دماغ اپنی محنتوں کو صرف کرچکتے ہیں

صناعات میں تخلیق حُسن کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ صناع کو اس سے کسی نفع کی توقع ہو۔ اس کی تین صورتیں ہیں (۱) اس کو کوئی مادّی منفعت حاصل ہو (۲) دوسرے لوگ اُس کی تعریف کریں (۳) خود اُس کے قلب کو مسرت حاصل ہو۔ زمانۂ قدیم کے صنّاعین ومخترعین کو بھی منفعت حاصل ہوتی تھی، لیکن زیادہ تر صرف تیسری قسم کی یعنی اطمینان ومسرتِ قلب۔ اگر عورت نے اوّل اوّل برتن ایجاد کیا تو اُس کا انعام صرف یہ تھا کہ وہ اپنے بچوّں کی پرورش اچھی طرح کرسکتی تھی۔

صناعتِ حُسن کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ ملک وقوم میں ایک خاص مذاق پیدا ہوجائے اور وہ اس مذاق کی رعایت سے اُس صناع کی قدر وعزت کرے جس سے یہ ذوق پورا ہوتا ہے۔ اس لئے زمانۂ قدیم کی وحشی عورتوں کی طرف سے یہ خیال قایم کرنا کہ انھوں نے صناعاتِ حُسن کے جانب بھی اوّل اوّل توجہ کی بے محل ہے کیوں کہ اُسے اس قدر فرصت نہ تھی کہ وہ بیٹھکر اشیاء کی شکل وصورت پر غور کرتی یا کوئی شعر ونغمہ ایجاد کرتی۔ اگر ظروف وغیرہ کے حُسن کا خیال تھا تو صرف اس قدر کہ وہ ضروریات کو پورا کرسکیں اور اگر کوئی شعر ونغمہ تھا تو صرف یہ کہ وہ فرطِ

محبت میں اپنے بچے سے مخاطب ہو کر کوئی بے اختیارانہ لفظ منہ سے نکال دے۔

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ صناعت نتیجہ تھا صرف مجبوری کا اور اُس میں حسن پیدا کرنے کے لئے کوئی فطری مجبوری نہ تھی۔ صناعت میں حُسن پیدا ہوا صرف غور و فکر، تدبر و تامل سے اور اُس میں تکمیل ہوئی تجربات و فراہمی اسباب سے جو ایک دن کا کام نہ تھا۔

پھر ان اسباب سے عورت نے کیا کام لیا اور غور و فکر کی فرصت کا مصرف صناعات کے باب میں اُس کے ہاں کیا تھا۔ اس کا جواب ہم کو مختلف واقعاتِ ماضیہ سے ملتا ہے اور یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ عورت نے قدرت کی عنایت کی ہوئی کسی فرصت و مُہلت کو بیکار نہیں جانے دیا اور اس نے صناعاتِ حُسن میں بھی مردوں کی اعانت کرکے کائنات کی زیبائش و آرائش میں کافی حصہ لیا۔

ظاہر ہے کہ سب سے پہلے جن چیزوں میں حُسن پیدا کرنے کا خیال عورت کو پیدا ہوا ہوگا، وہی ہوں گی جن کو وہ خود بناتی تھی۔ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ برتن بنانا، ٹوکریاں بننا اور اُس کے بعد سوت وغیرہ کات کر کپڑے تیار کرنا، یہ تھیں وہ صناعات جو زمانۂ قدیم میں عورت سے مخصوص تھیں اس لئے ظاہر ہے کہ انھیں صنعتوں میں حُسن پیدا کرنے کا خیال اوّل اوّل عورت کو پیدا ہوا ہوگا۔

حُسن کے نقطۂ نظر سے جب ہم صناعتِ انسانی کا تجزیہ کرتے ہیں تو اُس کے تین اجزا ہم کو ملتے ہیں۔ ایک صورت، دوسرے رنگ، تیسرے وضع اور ان

تینوں اجزاء کے لحاظ سے تین مدارج ہیں۔

(۱) ضروریاتِ زندگی کے متعلق کسی چیز کو بنانا اور کچھ تناسب اُس میں پیدا کرنا، بغیر اس ارادے کے کہ اُس میں حُسن پیدا کیا جائے۔

(۲) کسی چیز میں حُسن قصداً پیدا کیا جائے، لیکن اس حد تک کہ حقیقی مقصود و استعمال اُس چیز کا فوت نہ ہو جائے۔

(۳) کسی چیز میں ایسا حُسن پیدا کیا جائے کہ اس کی تیاری کی غایت زائل ہو جائے اور اُس کا مصرف بدل جائے۔

یہ تینوں مدارج ایک مثال سے زیادہ آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکتے ہیں۔ ایک نجار، کرُسی بناتا ہی اور اُس کا مقصود یہ ہے کہ اس پر بیٹھکر آرام کرے لیکن وہ بناتے وقت اُس کے تناسب کو بھی فی الجملہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ یہ پہلا درجہ ہوا۔ اگر وہ اس کرُسی میں قصداً حسُن پیدا کرے اور نقش و نگار بنائے تو یہ دوسرا درجہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ اسے اس درجہ نازک و تنگ بنادے کہ وہ بیٹھنے کے کام میں نہ آسکے، بلکہ صرف دور سے اُسے دیکھا جائے تو یہ تیسرا درجہ ہوگا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عورت نے اوّل الذکر دو مدارج کے طے کرنے میں کافی حصہ لیا اور اس لحاظ سے بھی وہ دنیا میں غیر مفید ثابت نہیں ہوئی۔

بُنی ہوئی چیزوں میں سب سے پہلا حُسن جو ایک وحشی عورت نے پیدا کیا اُس کا یکساں ہونا ہی جس طرح موسیقی کی ابتدا ایک ہی آواز کے مسلسل طور سے قایم رہنے

اور اُس کے تکرار میں ہی اسی طرح مصنوعاتِ انسانی کا یکساں ہونا اُن کی حسن کی ابتدا ہے وہ یکسانیت جو وحشی عورت بنی ہوئی چیزوں میں پیدا کرتی ہی اُن کی بناوٹ اور صورت سے متعلق ہی۔ چوں کہ زمانۂ قدیم میں دستور نہ تھا کہ وہ پہلے الگ الگ ٹکڑے بُنے اور پھر جس شکل کی ٹوکری چاہے تیار کرلے، اس لیے ظاہر ہی کہ ٹوکری کی شکل پہلے ہی سے اُس کے ذہن و دماغ میں رہتی ہوگی اور اسی کے مطابق وہ بنا شروع کرتی ہوگی اور یہی خصوصیت یعنی یکسانیت وحشی عورت کی صنعت کا حُسن تھا۔

نمائش شکاگو میں بہت سی ٹوکریاں رکھی گئی تھیں، ان میں اک ٹوکری ایسی تھی کہ سولھویں انچ کی چوڑی پٹی میں اننئ ہزار ٹانکے یا پھندے شمار کیے گئے تھے اور وہ سب اس قدر یکساں تھے کہ بڑے بڑے ماہرینِ فن کو دیکھکر حیرت ہوگئی۔

ٹوکریوں کو رنگین بنانے کا رواج بھی زمانۂ قدیم سے قایم ہی۔ جس کا ذکر اس سے قبل کیا جاچکا ہی۔ علاوہ اس کے ٹوکریوں میں ریاضی کی شکلوں سے جو حُسن پیدا کیا گیا وہ اس قدر متنوع، اس قدر عجیب و غریب ہی کہ اب اس میں کسی اضافہ کی گنجایش ہی باقی نہیں اور زمانۂ حال کے کپڑا بننے والے جوہری وغیرہ ان نمونوں کی نقل کردینے کو بڑا کمال سمجھتے ہیں۔

اسکیمو کی عورتیں جنگلی گیہوں کے درختوں کے ڈنٹھل سے ٹوکریاں بناتی ہیں اور اس میں سُرخ فلالین کے ٹکڑے ملاکر رنگینیاں پیدا کرتی ہیں۔ جو عورتیں جنوب

میں سواحلِ پیفک (بحرالکاہل) پر رہتی ہیں وہ جنگلی صنوبر کی باریک باریک جڑوں کو لے کر نہایت ہوشیاری کے ساتھ پھاڑتی ہیں۔ خشک ہوجانے کے بعد اُن کا رنگ ہلکا بادامی ہوجاتا ہے۔ اس سے وہ تھیلا بناتی ہیں جس کے اندر پانی نہیں جاسکتا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ٹوکری کی بناوٹ کیسی ہموار اور یکساں ہوتی ہے۔

زیادہ جنوب کی طرف بڑھکر معلوم ہوتا ہے کہ خود فطرت نے وہاں کی پیداوار کو قدرتی رنگینیوں سے معمور کر رکھا ہے اور عورت اُن سے اچھی طرح آگاہ ہے۔

اریزونا میں ایک درخت ہے جس کی پتیاں بیچ سے دو ہو جانے کے بعد دو رنگ پیش کرتی ہیں۔ باہر کی جانب سیاہی مائل سبز، اندر کی طرف سپیدی مائل سبز۔ مُوکی قوم کی عورت ان دونوں رنگوں کے اُلٹ پھیر سے نہایت خوبصورت وضع کی ٹوکریاں تیار کرتی ہے۔

کلیفورنیا اور امریکہ کے دیگر حصص کی عورتیں سیاہ و بادامی رنگ کی جھاڑیوں کے ریشہ وغیرہ استعمال کرکے اپنی صنعت کو دلکش بنانے میں بہت مشاق ہیں۔ شمالی امریکہ کے مشرقی حصّہ کی عورتیں سخت لکڑیوں کے چھیلنے سے جو باریک حصہ نکلتا ہے اس کو رنگ لیتی ہیں۔ جنوبی امریکہ میں بید کے چھلکوں سے کام لیا جاتا ہے۔ معتدل حصّوں کی عورتیں تمام ممالک میں بید، دیودار وغیرہ سے بخوبی واقف تھیں اور مختلف قسم کی گھاسوں، بیلوں، اور جڑوں کو رنگ کر کام میں لاتی تھیں۔ حیرت ہے کہ وحشی عورتوں نے یہ کیوں کر معلوم کرلیا کہ فلاں چیز

اس رنگ کو قبول کرے گی اور یہ رنگ فلاں چیز سے دستیاب ہو سکتا ہے۔
جن ممالک میں کھجور پایا جاتا ہے وہاں کی عورتوں نے جس حسن و رنگینی کے ساتھ
اس کے مختلف استعمالات معلوم کئے وہ بھی ان کے صناعتِ حسن کے ثبوت
میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ ایشیا میں یہ صنعت عام طور سے زیادہ خوشنما نہ تھی، تاہم
مشرقی ہند، چین و جاپان کی عورتوں نے بانس اور بید سے جیسے جیسے کام
لئے وہ آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ چٹائیاں، رنگین ٹوکریاں، کرسیاں، میزیں
وغیرہ سب اسی سے تیار کی جاتی ہیں۔ علاوہ اس کے جب سے تاریخ شروع ہوئی
ہے اُسی وقت سے مشرق کی عورتوں میں چرخے کا رائج ہونا پایا جاتا ہے جس سے
وہ اونٹ، بھیڑ، بکریوں اور دوسرے جانوروں کے بالوں کو کاتتی تھیں اور
چین کے متعلق تو کہا ہی نہیں جا سکتا کہ وہاں ریشم کب سے پایا جاتا ہے۔ رہا یہ امر کہ
یہ صنعت عورتوں سے متعلق تھی اس کا ثبوت یہ ہے کہ تمام وہ قومیں جنھوں نے
فنون و علوم کو مذہبی رنگ میں ظاہر کیا ہے اس صنعت کو دیوی سے منسوب کرتی
ہیں جس سے مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ عورت ہی نے اس فن کو تکمیل کی حد تک
پہنچایا۔

علاوہ ٹوکریوں کے وحشی عورتوں نے جال، فیتے، کپڑے وغیرہ بننے میں بھی
صناعتِ حسن فراوانی کے ساتھ پیدا کی۔ ٹوکریوں کے ساتھ عورت نے جو حسن پیدا کیا
وہ مختلف قسم کا ہے۔ کہیں اُس کی بناوٹ میں پھول، بوٹے پیدا کئے، کہیں مختلف

اشکال ریاضی کی بنائیں۔ کبھی پٹیاں رنگ کر استعمال کیں کبھی ٹوکری کو سادہ بُن کر
اُس پر رنگ چڑھایا، کہیں اس کی بُناوٹ میں مختلف رنگ کا اُون، پَر، سیپیاں
وغیرہ ملا کر حسن پیدا کیا۔ الغرض عورت اُسی وقت جب کہ وہ معمولی بُننے والی تھی
اس فکر سے غافل نہ تھی کہ وہ چیزوں کی وضع و ساخت میں تغیر و تبدل کر کے اور
اُن کو رنگین بنا کر حسن پیدا کرے۔ پھر اس خیال کو اُس نے صرف ٹوکریوں ہی میں
پیدا نہیں کیا بلکہ فیتوں، جال اور کپڑوں میں بھی صرف کیا۔

اس امر کا ثبوت کہ وہ زمانۂ قدیم میں رنگین و ریشمی کپڑے بُنتی تھی۔ قدیم
لٹریچر سے بھی دستیاب ہوتا ہے انجیل میں لکھا ہے کہ

"ساری عورتوں نے جو روشن ضمیر تھیں اپنے ہاتھوں سے کاتا اور اپنا
کتا ہوا آسمانی رنگ، ارغوانی رنگ اور قرمزی رنگ کا مہین کتان
لائیں اور سب عورتوں نے جن کے دلوں نے اُن کو حکمت کی طرف
رغبت دلائی، بکریوں کی اُون کاتی"[1]

امثالِ سلیمانؑ میں بھی اس کا بیان ہے کہ

"وہ اپنے لئے نگارین بالاپوش بناتی ہے اور اُس کی پوشاک مہین
کتان کی ارغوانی ہے اس کا شوہر مجلس میں مشہور ہے۔ جب وہ شہر کے

استدراک:-
[1] خروج باب (۳۵) آیت (۲۵)

بڑے آدمیوں کے ساتھ بیٹھتا ہے تو وہ مہین کتاں کے تھان

بنتی ہے اور بیچتی ہے وہ کاہلی کی روٹی نہیں کھاتی"[1]

ارسطو نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے ریشم کاتا وہ پمفائل (Pamphyle) پلیٹس (Plates) کی بیٹی تھی جو زمانۂ مسیح سے تقریباً چار سو برس پہلے تھی ممکن ہے یونان میں سب سے پہلے اسی وقت ریشم کا تاجانا شروع ہوا ہو۔ لیکن چینی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح سے دو ہزار چھ سو برس قبل ملکہ سی ہنگچی (Sibing-chi) نے ریشم کے لئے اٹیرن ایجاد کیا جو اس وقت تک ریشم کی صنعت میں وہاں مستعمل ہے۔[2]

ہومر ایک جگہ لکھتا ہے کہ

"خوبصورت تخت محل کے اندر جا بجا قایم کئے گئے تھے جہاں مختلف
قسم کے قالین جن پر زردوزی کام تھا جگمگا رہے تھے اور ان سب کو
عورتوں ہی نے بنایا تھا"[3]

یونانیوں کے علم الاصنام میں ارکنی (Arachne) کے باریک سوت کات کر مختلف قسم کے ریشمی کپڑے بُننے کا حال تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ یہ لڑکی ساحلِ

استدراک :-

[1] امثال سلیمانؑ آیت (۱۰-۲۸) [2] Textile Industry by W. S. Murphey.

[3] Fair thrones from Spaceto Space were raised.
Where various carpets with embroidary blazed.
The Works of Matrons. (Odyssey)

بحر روم پر واقع ہونے والے ایک چھوٹے سے گانوں میں رہتی تھی اس کے
والدین بہت غریب تھے، لیکن ایکنی کی صنعت نے تھوڑے زمانہ میں کافی دولت
حاصل کرلی اور وہ اس فن میں اس قدر مشہور ہوئی کہ آخر کار خود صنعت وحرفت کی
دیوی ما ئیرنوا (Minerva) اُس سے جلنے لگی۔[1]

ایشائی روس کے وحشی اقوام میں عورتیں عام طور سے فیتہ اور بیل بنانے میں
مشاق تھیں، عہد وسطیٰ میں موتی بھی بیل کے ساتھ ٹانکے جاتے تھے۔ یورپ میں
فیتہ بنانے کا رواج یہیں سے منتقل ہوا، یہاں کی یہ صنعت اس قدر عام اور مقبول
تھی کہ تمام طبقے کے لوگ اپنے ملبوس میں اس سے زینت پیدا کرتے تھے۔ اب یہ
صنعت قریب قریب مٹ گئی ہے اور صرف دو اضلاع میں تھوڑی بہت پائی جاتی
ہے اس صنعت کو جرمن کی عورتوں نے اپنے ہاتھ میں لے کر بہت ترقی کرلی ہے اور
اب وہاں کے دیہاتی عورتوں کی تجارت و دولت کا انحصار اسی صنعت پر ہے۔

جس وقت تک جدید تہذیب نے جزیرہ نمائے بلقان پر اپنا اثر نہیں کیا تھا وہاں
بہت سی نسائی صناعات پائی جاتی تھیں، ہرزی گو نیا میں عام طور سے اپنے ہاتھ کا
بنا ہوا کپڑا پہنتی تھیں اور خود ہی اس کو رنگتی تھیں، سرویا کی عورتیں نہایت عمدہ قالین
اور کمبل تیار کرتی تھیں، اسی طرح بوسینیا میں قالین بننا عورت کے فرایض زندگی میں

استدراک:-

[1] Favorite Greek Myths by Hyde

داخل تھا۔ لیکن چوں کہ تمدن جدید نے عورتوں سے بہت سے قدیم مشاغل کی جگہ نئی نئی صناعات کی اشاعت کر دی ہے، اس لئے اب سوائے پہاڑوں اور صحراؤں کے جہاں تہذیب کا ہاتھ نہیں پہنچا عورتیں اپنی ان قدیم صناعات کو فراموش کر چکی ہیں الاسکا میں کمل بہت کثرت سے اور نہایت عمدہ تیار ہوتے ہیں۔ یہ کمل نہایت نرم، خوبصورت اور مضبوط ہوتے ہیں۔ یہاں کی بڑی دولت یہی کمل ہے اور ایک شخص کے دولت مند یا غریب ہونے کا بھی معیار یہی ہے۔ اس کمل کو صرف عورتیں ہی تیار کرتی ہیں اور اس کی قیمت دو دو ہزار روپیہ تک ہوتی ہے۔ یہ صنعت عورتوں میں بہت قدیم زمانہ سے چلی آتی ہے اور اب تک کہیں کہیں پائی جاتی ہے۔

جزائر پالی نیشیا میں ایک خاص قسم کا کپڑا بنایا جاتا ہے جسے ٹاپا کہتے ہیں اور اسے صرف عورتیں ہی تیار کرتی ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کب سے ان میں اس کپڑے کے بنانے اور پہننے کا رواج ہے۔ یہ کپڑا اس طرح بنایا جاتا ہے کہ چند مخصوص درختوں کی کونپلیں توڑ کر ان کا چھلکا الگ کر دیا جاتا ہے اور کونپل کو لکڑی کے تختوں پر رکھ کر موگریوں سے کوٹتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ بڑھتا جاتا ہے اور اس طرح بہت سی پٹیوں کو جوڑ کر تھان کے تھان تیار کر لیتی ہیں۔ یہ کپڑا سادہ بھی ہوتا ہے اور بسا اوقات اس میں مختلف قسم کے نقش و نگار پیدا کئے جاتے ہیں نقش و نگار پیدا کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ موگری میں نقوش کھود دیئے جاتے ہیں اور اس کے ضربات سے کپڑے پر بھی وہی نقش پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ کپڑا کاغذ کی طرح باریک ہوتا ہے

یہ صنعت زمانۂ قدیم سے عورتوں میں رائج چلی آتی ہے اور اس وقت بھی کہ یورپ کے کپڑوں کا وہاں بہت رواج ہو گیا ہے۔ یہ کپڑا بنایا اور استعمال کیا جاتا ہے اس کپڑے کے ملبوس میں مزید حُسن پیدا کرنے کے لئے کیلے کے پتّوں کے پھول وغیرہ کاٹ کر اور رنگ کر جنگل کے پھولوں اور بعض درختوں کے ریشے کے ساتھ گوند سے چپکا دیتی ہیں۔ اس صنعت پر یہاں کی وحشی عورتوں کو بڑا فخر تھا یہاں تک کہ صدیوں قبل جزیرہ ٹاہیٹی (Tahiti) کی ملکہ اس کو اپنی توہین سمجھتی تھی کہ جزیرہ کی کوئی دوسری عورت اس سے بہتر ٹاپا کپڑا تیار کرے پھر اسی کے ساتھ ہر عورت اپنی جگہ یہ کوشش کرتی تھی کہ وہ اس کپڑے کے مختلف نمونے تیار کرے اور جدید اختراعات سے اُس کے حُسن میں اضافہ کرتی رہے۔ جزیرہ سموا میں علاوہ ٹاپا کے ایک خاص قسم کی چٹائی بھی عورتیں تیار کرتی تھیں جس سے ملبوس تیار کیا جاتا تھا۔ یہ چٹائیاں بھی کاغذ کی طرح باریک اور لچیلی ہوتی تھیں۔

شمالی امریکہ کے وسط حصہ میں ۲۳ قومیں مختلف زبانیں بولنے والی پائی جاتی تھیں۔ ان کی عورتیں عام طور سے ظروف سازی و بافندگی میں بہت مشاق و کامل تھیں انھوں نے برتن بنانے میں اس قدر ترقی حاصل کر لی تھی کہ آج بھی اُن کی کوئی مثال تلاش سے دستیاب نہیں ہو سکتی۔ یہ برتن نہ صرف نازک وحسین بنائے جاتے تھے بلکہ مختلف قسم کے ہزاروں نقش و نگار اور رنگینیوں سے

معمور ہوتے تھے۔ زمانۂ قدیم کے جو برتن زمین کے اندر سے یہاں دستیاب ہوئے
ہیں اُن کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ باوجود اس قدر طویل امتداد زمانہ کے اُن کے
رنگ و روغن کی آب و تاب وہی باقی ہے۔ یہاں کی عورتیں اپنے مصنوعات
کی تجارت بھی کرتی تھیں اور ایک خاندان کی دولت و امارت کا انحصار صرف
عورت کی مصنوعات اور اس کی تجارت پر تھا۔ مسز زینیا نٹال (Mrs. Zenia Nattal)
میکزیکو کی قدیم عورت کا حال لکھتی ہے کہ وہ محنتی ہوتی تھی اور بہت سی حسین صناعات
اس کی ذات سے وابستہ تھیں یہ مختلف نمونوں کے بڑے بڑے خوبصورت گل
اور کپڑے تیار کرتی تھیں یہ نقاشی کی بھی ماہر تھیں جسے وہ اپنے برتنوں کپڑوں
ٹوکریوں اور کملوں پر صرف کرتی تھیں۔ آج بھی یہاں عورت کی صناعات ایک
حد تک عورتوں ہی میں پائی جاتی ہیں۔ درانحالیکہ قدیم مرد کی وہ صناعات جو
صرف پتھر اور اس کے ٹکڑوں سے تعلق رکھتی تھیں، فنا ہو گئی ہیں۔

جزیرۂ فجی کی عورتیں درختوں کی چھال اور کوپل سے نہایت خوبصورت، نرم
اور باریک کپڑے تیار کرنے میں مشہور تھیں۔

جزائر پالینیشیا میں بھی چھالوں سے کپڑا تیار کیا جاتا تھا اور اس پر مختلف
قسم کے رنگین نقش و نگار پیدا کئے جاتے تھے ان جزائر میں ان کپڑوں کی تجارت
عام طور پر رائج تھی اور یہی صنعت حصول دولت کا بڑا ذریعہ سمجھی جاتی تھی[۱]۔

---

[۱] استدراک — Women of all Nations

ان بیانات سے ظاہر ہی کہ زمانہ قدیم میں عورت نے کپڑا بننے میں بہت ترقی کر لی تھی اور اس صنعت کے حسن کو درجۂ کمال پر پہنچا دیا تھا۔

ظروف سازی کے متعلق جو حسن عورت نے پیدا کیا اس کا تعلق سب سے پہلے برتن کی ساخت اور وضع سے تھا۔ یہ ظاہر کیا جا چکا ہی کہ عورت نے اوّل اوّل ظروف سازی کی بنیاد کس طرح ڈالی اور وہ پہلے کس قدر ناقص و نامکمل تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ جب وہ مٹی کے برتن بنانے لگی اور چاک کا رواج ہوا تو اس نے برتنوں کی ساخت میں کافی تناسب پیدا کیا جو اوّلین حسن ایک برتن کا ہو سکتا ہی نقش و نگار کی کی ابتدا جس طرح ہوئی وہ اس سے قبل بیان ہو چکی ہی۔

جو ظروف زمین سے برآمد ہوئے ہیں اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ پہلے ظروف پر نقش و نگار بنانے میں بنی ہوئی چیزوں سے زیادہ مدد لی جاتی تھی اور ٹوکریوں وغیرہ کی بناوٹ اور اُن کے پھول برتنوں میں اس طرح منقوش کئے جاتے تھے کہ عورتیں ٹوکریوں کو ڈھانچہ قرار دے کر اُن پر مٹی تھوپ دیتی تھیں۔ لیکن اس کے بعد جب رنگ سازی کا فن بھی وحشیوں میں رائج ہوا تو برتنوں پر رنگین نقش و نگار بنائے جانے لگے۔ امریکہ، مصر، بابل، اسیریا وغیرہ میں جو برتن قدیم زمانہ کے زمین کے اندر سے دستیاب ہوئے ہیں اُن میں کم ایسے برتن ہوں گے جو رنگین نہ ہوں اور مختلف رنگوں سے اُس پر پھول وغیرہ نہ بنائے گئے ہوں

فنون لطیفہ کے متعلق جو کچھ اوپر بیان کیا گیا، اس کے علاوہ موسیقی، نقاشی

اور فن آرائش و زیبائش بھی ہی۔ موسیقی کا تعلق دو چیزوں سے ہی آواز اور ساز
اور ان دونوں میں سے یقیناً سب سے پہلے آواز موسیقی کے حدود میں آئی ہوگی اور
اس کے بعد ساز کی بنیاد پڑی ہوگی۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ آواز کس وقت موسیقی
کے حدود میں آتی ہی۔ اس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ایک ہی آواز کا مسلسل
قایم رہنا موسیقی کی ابتدا ہی۔ زمانۂ قدیم میں جب انسان نے اوّل اوّل مسلسل آواز کا
علم حاصل کیا ہوگا تو ظاہر ہے کہ اُس نے یا تو جانوروں کی آواز کی تقلید کی ہوگی
یا پھر کسی تکلیف و مسرّت کے وقت کوئی بے اختیار آواز اُس کے مُنہ سے نکلی ہوگی
یقیناً مرد کو شکار کے سلسلے میں وحوش وطیور کی آواز سُننے کا زیادہ موقع حاصل
تھا۔ لیکن فطری جذباتِ مسرّت و تکلیف عورت کے اندر اُس وقت بھی ایسی ہی کثرت
سے پیدا ہوتے ہوں گے جیسے آج کل۔ اس لئے ابتدار موسیقی میں عورت و مرد
دونوں برابر کے شریک تھے اور نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے اختراع میں اوّلیت کا
فخر کس کو حاصل ہی۔ لیکن اس خیال سے کہ موسیقی کا صحیح مفہوم نرم و شیریں آواز کا
تسلسل ہی، عورت مُرجح ہے اور ممکن ہی کہ آہنگِ مسلسل کی ابتدا اُسی سے ہوئی ہو۔
رہا ساز سو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کب سے اُن کی ابتدا ہوئی اور دُنیا میں
مختلف ساز کس طرح ظہور پذیر ہوئے مگر روایاتِ قدیمہ اور حفریات سے اس کا
ثبوت ملتا ہی کہ اسیریا، مصر، یونان میں، جن کو غالباً اس فن کی ترقی میں اوّلیت کا
فخر حاصل ہے، عورتیں نہ صرف موسیقی میں ماہر تھیں بلکہ ساز کا استعمال بھی بخوبی جانتی تھیں۔

سلیمانؑ اپنے دنیاوی جاہ وجلال کے اظہار میں فرماتے ہیں کہ

"میں بہت سے گانے والے مرد اور گانے والی عورتیں رکھتا ہوں[۱]"

ہومر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم یونانیوں کی عورتیں نہ صرف تمام گھر کی خدمت انجام دیتی تھیں بلکہ اُس وقت گاتی بھی تھیں۔ چنانچہ ذیل کے بیان سے کلیپسو کا کپڑا بُننا اور گانا ثابت ہے۔ ہومر لکھتا ہے کہ

"وہ بیٹھی اور گانے لگی۔ چٹانوں میں اُس کے گیت گونج رہے تھے
آتشدان میں دیودار وغیرہ کی لکڑیاں روشن ہو ہو کر ساری جزیرہ کو
معطر کئے ہوئے تھیں اور وہ اپنی محنت اور موسیقی سے اپنا وقت
کاٹ رہی تھی اور کرگہ میں زریں نال کو حرکت دے رہی تھی[۲]"

جب اولیسس (Olysses) سائرس (Circe) کے مکان پر پہنچا ہے تو اُس نے اس کو کپڑا بُنتے اور گاتے دیکھا۔ ہومر اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

"قصر کے دروازے پر وہ پہنچ کر کھڑے ہوئے تو ایک آواز سُنی جو
جنگل میں گونج رہی تھی اندر اپنے کرگہ پر بیٹھی ہوئی دیوی گا رہی تھی

استدراک:- [۱] Eccles. II 8.

[۲] She sat and sung, the rocks resound her lays
The cave was brightened with a rising blaze,
Ceder and Frinkincense an adoreus pile;
Flamed on the hearth and wide perfumed the Isle.
(Odysey V. 70.)

محرابی سقف اور ٹھوس فرش اس موسیقی سے معمور تھے۔ خوبصورت
کپڑے کے تھان پر اُبھری ہوئی صورتیں چمک رہی تھیں۔ یہ صنعت
حقیقتاً غیر فانی صنعت تھی اور ان ہاتھوں میں خدا کی قدرت کام
کر رہی تھی[1]"

ہُومر کے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ اس زمانہ میں عورتیں کارچوب کا کام
اچھی طرح کرتی تھیں۔

قدیم مصریوں کے بہترین سازوں میں ایک ساز دوہرا الغوزہ بھی تھا جس کو
عام طور سے عورتیں ہی بجاتی تھیں۔ اس کو قدیم مصری زبان میں "مَام" کہتے تھے اور
جو نقوش حفریات برآمد ہوئے ہیں اُن سے اس کا پورا ثبوت ملتا ہی۔ برٹش موزیم میں
ایک قدیم نقش یا تصویر اُس عہد کی موجود ہی جس میں کسی مجلس کا منظر دکھایا گیا ہی۔
اس میں ایک عورت الغوزہ بجا رہی ہے دو رقص کر رہی ہیں اور باقی تالیاں بجا
بجا کر گا رہی ہیں۔

قدیم مصری الغوزے بہت لانبے ہوتے تھے اور بجانے والے کو خواہ وہ

---

[1] استدراک

Now on the threshold of the dome they stood
And heard a voice resounding through the wood,
Placed at her loom within, the goddess sung
The vaulted roofs and solid pavement rung.
Over the fair web, the rising figures shine.
Immortal labour ! Whor'thy hands divine.
(Odysey)

بیٹھکر بجائے یا کھڑے ہو کر اپنے بازو پوری طرح پھیلا دینے پڑتے تھے تاکہ آخری سوراخ تک انگلی پہنچ سکے۔

قدیم خطِ ہراغلفی (Hieroglyphy) میں لفظ سِبی[1] الغوزہ کا مفہوم ظاہر کرنے کے لئے اکثر استعمال کیا گیا ہے چوں کہ اس لفظ کے معنی پاؤں کی ہڈی کے ہیں، جسے لاطینی زبان میں ٹیبیا[1] سے ظاہر کرتے ہیں، اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے الغوزے ہڈی کے بنائے جاتے تھے۔ لیکن حفریات میں یہ الغوزے لکڑی یا نے کے دستیاب ہوئے ہیں۔

قدیم مصریوں میں تنبورہ کا بھی رواج تھا۔ یہ بیضاوی شکل کا ہوتا تھا اور اس میں موجودہ ہندوستانی ستار کی طرح چار، پانچ کھونٹیاں بھی ہوتی تھیں، جن میں تار لگے ہوتے تھے۔ یہ تنبورے مضراب یا زخمے سے بجائے جاتے تھے۔ ایک نقش تھیبا (Thebes) کی مغربی پہاڑیوں سے دستیاب ہوا ہے جو برٹش میوزیم میں موجود ہے اس میں دو عورتیں تنبورہ بجا رہی ہیں۔ اسی کے ساتھ ایک برتن نکلا ہے جو صرف ساڑھے آٹھ انچ اونچا ہے اس میں بھی ایک تصویر عورت کی منقوش ہے جو تنبورہ بجا رہی ہے۔

قدیم مصری برتنوں کے نقوش میں اکثر آلاتِ موسیقی دکھائے گئے ہیں ان میں سے بعض برتنوں پر دیویوں کی تصویریں بھی ہیں۔ جو تاج کی جگہ سر پر

استدراک:- [1] Sebi of Tibia

سُورج رکھے ہوئے ہیں اور تخت پر بیٹھی ہوئی جھنجھنا بجا رہی ہیں۔ ایک اور دیوی بعل (جو اعراب کی بھی دیوی تھی) بنائی گئی ہے جس کے سر پر پروں کا تاج ہے، شیر کی کھال شانہ پر پڑی ہے اور ہاتھ میں تنبورہ لیے بجا رہی ہے۔ علاوہ ان کے بعض نقوش و تصاویر ایسی بھی برآمد ہوئی ہیں جن میں عورتیں تنبورہ، سرو بربط وغیرہ سب کے ساتھ بجا رہی ہیں اسی زمانہ میں مثلث شکل کا بربط بھی رائج تھا اور اس کی تصویر میں بھی عورت ہی کو بجاتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اس کے ایک کونے کی طرف جو ساز کا زیریں حصہ ہے اور جس میں تار پروئے جاتے تھے بط کی صورت بنی ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایران میں اس ساز کا رواج مصر ہی سے منتقل ہو کر پہنچا اور اس کی صورت دیکھکر ایرانیوں نے اس کا نام بربط رکھدیا

جرمنی کے عجائب خانہ میں بھی ایسے متعدد نقوش ہیں جن سے زمانہ قدیم میں عورت کا بربط بجانا ثابت ہوتا ہے۔

ہیروڈوٹس مصر کے مراسم قدیم کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ وہاں نغمۂ لینوس (Linus) کا بہت رواج تھا۔ لینوس مصر کے اوّلین بادشاہ کا

استدراک:۔

له اس ساز کی شکل یوں ہے [شکل] اس کو قدیم مصری زبان سیشش (Seshesh) کہتے ہیں اس کے تاروں میں دھات کے کچھ ٹکڑے ڈال دیئے جاتے تھے جو جنبش سے آواز دیتے تھے۔ اب بھی حبش کے پادری اس کا استعمال کرتے ہیں اور (Sanasel) اور سَنابل کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کا نام سسٹرم (Sistrum) ہے۔

بیٹا تھا جو عین عالم شباب میں مرگیا۔ مصری اس کو مونرس (Moneros) کہتے ہیں یہ نغمہ موسم بہار کے وقت بھی گایا جاتا تھا اور اس میں عورتیں بھی شریک ہوتی تھیں۔ ہومر نے اسی نغمہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

اُس طرف ایک پرپیچ وخم راستہ جاتا ہے جس پر حسین لڑکیاں
نوجوان لڑکے اپنے سروں پر ٹوکریاں رکھے ہوئے جا رہی ہیں
اور یہ ٹوکریاں موسم بہار کی ارغوانی پیداوار سے لبریز ہیں[1]

مصری حفریات میں سے بعض پتھر ایسے بھی نکلے ہیں جن پر وہ گیت منقوش ہے جس کو عورتیں غلہ نکالنے کے وقت گاتی تھیں۔ اس سے نہ صرف عورتوں میں موسیقی کا رواج ظاہر ہوتا ہے، بلکہ اُن کی قدیم زرعی زندگی پر بھی روشنی پڑتی ہے یہاں اُس گیت کا نقل کرنا غالباً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ وہ گیت یہ ہے:-

ہیُ تُن اِنُ تُنُ - ہِیُ تُن اِنُ تُنُ آوُو ہتَسا اِرُآ وُو - کِناںُ اِنُ ہنُو تِنُ	}	یعنی اے بیلو اپنے پانوں سے کچل کچل کر غلہ نکالے جاؤ بھوسہ تمہارا ہے اور غلہ تمہارے مالک کا۔

ہیروڈوٹس مسیح سے تقریباً ۵۰۰ برس قبل کا حال لکھتا ہے کہ مصری لوگ سال میں کئی بار مراسم عبودیت بجا لاتے تھے۔ اہم تہواروں میں ایک تہوار وہ تھا

---

[1] استدراک:
To this one pathway gently winding leads
Where march a train with baskets on their heads
(Fair Maids & blooming youths) that smiling hea r
The purple products of the autumnal year.
(Pope's Illaiyad XVIII.)

جو شہر بُباسٹیز (Bobastis) میں دیوی ڈیانا (Diana) کے پرستش میں منایا جاتا تھا۔ مرد و عورت سب جمع ہوتے تھے عورتیں ڈھول بجا بجا کر گاتی تھیں اور مرد بھی مختلف سازوں سے اُن کا ساتھ دیتے تھے۔

برٹش میوزیم میں دو پتھر زمانۂ قدیم کے اور ہیں ایک میں پانچ عورتیں بنی ہیں جو ہاتھوں میں جُھنجُھنا لئے ہوئے بجا رہی ہیں۔ صرف ایک عورت کے ہاتھ میں پیالہ ہے لیکن وہ روشنی لئے ہوئے ہے۔ دو عورتیں تاج پہنے ہوئے ہیں اور باقی سب کی ٹوپیاں معمولی ہیں۔ گارڈنر وِلکنسن Gardener Wilkinson نے اُن کی تحریر پڑھ کر معلوم کیا ہے کہ دونوں تاجدار عورتیں شاہ رامیسس اعظم کی بیویاں ہیں اور باقی تینوں راہب کی ماں، بیٹی، بہن ہیں۔ دوسرے پتھر میں ایک مجلس کی تصویر ہے۔ ایک جماعت مردوں اور عورتوں کی کرسی پر بیٹھی ہے۔ کنیزیں انھیں شراب پلا رہی ہیں اور گانے والی عورتیں نیچے فرش پر بیٹھی ہوئی ساز بجا بجا کر گا رہی ہیں۔ کنیزیں اور گانے والیاں قریب قریب بالکل برہنہ ہیں۔

ارضِ بابل سے بھی ایک پتھر دستیاب ہوا ہے جس میں اس وقت کی تصویر منقوش ہے جب بادشاہ فاتحانہ حیثیت سے واپس آیا ہے اور ایک جماعت گانے بجانے والوں کی اُس کا خیر مقدم کر رہی ہے۔ اس جماعت میں پانچ مرد اور چار عورتیں بربط لئے ہوئے ہیں اور ایک عورت بانسری بجا رہی ہے۔ سات عورتیں اور پانچ لڑکیاں تالی بجا رہی ہیں[1]۔

[1] استدراک ۔ Music of the Most Ancient Nations by Carl Engel.

زمانۂ حال میں مصر کی رقاصہ عورتوں کو غوازی کہتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسل ہی الگ ہے کیونکہ پرانے مصری مقابر میں جو نقوش ہیں۔ اُن میں اسی وضع و صورت کی عورتیں رقص کرتی ہوتی دکھائی گئیں ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ غوازی عورتیں اسی نسل سے ہیں جو کسی زمانہ میں فراعنۂ مصر کے سامنے ناچتی گاتی تھیں۔ اسی طرح گانے والی عورتوں کو موجودہ مصری زبان میں عوالم کہتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ فنوقیا کی زبان سے مستعار لیا گیا ہے جس میں عالمتاہ کنواری اور مغنیہ کو کہتے ہیں۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ مصری عوالم کا تعلق فنوقیا کی سرزمین سے ہے اور وہاں کسی زمانہ میں فنِ رقص و سرود بہت ترقی پر تھا۔

موجودہ وحشی اقوام کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فنِ رقص و موسیقی اب تک قدیم وحشیانہ انداز سے اُن کے ہاں موجود ہے اور اس میں عورتیں بھی کافی حصہ لیتی ہیں۔[1] کیوواؔ کی وحشی عورتیں کچے چمڑے کے کنارے کو پکڑ کر کمر تک بلند کرتی ہیں اور دوسرے ہاتھ سے اس پر لکڑی مارتی ہیں۔ گویا یہ ایک قسم کا دف ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ رقص بھی کرتی ہیں اور گاتی ہیں۔ وحشی اقوام میں نغمہ کے ساتھ تال اور سَم کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے جس کو وہ پاؤں کی ٹھوکر یا ہاتھ اور لکڑی کے ضرب سے ظاہر کرتی ہیں۔ کیوواقوم کی عورتیں گاتے وقت اسی طرح تال اور سَم کو

استدراک:۔ [1] ames Money, An. Anthropolgist, Vol. V

ظاہر کرتی ہیں اور مرد اسی تال اور سَم کے لحاظ سے رقص کرتے ہیں۔

مسٹر کشنگ بیان کرتے ہیں کہ زونی عورتیں اکثر اپنے ہی گیت گاتی ہیں جن میں مشاغل خانہ داری کا بیان زیادہ ہوتا ہے۔ وہ کھیت میں کام کرنے، پانی بھرنے، چکی پیسنے، کھانا پکانے، اور بچوں کو سلانے کے اوقات میں مختلف گیت گاتی ہیں۔ ان کی ایک لوری یہاں درج کی جاتی ہے[1]۔

(لڑکی کے لئے)

"اے چھوٹی سی عورت لڑکی! اے چھوٹی سی خوبصورت عورت تو اگرچہ ابھی بچہ ہے۔ لیکن تو جلد کھیلنے لگے گی"

(لڑکے کے لئے)

"اے چھوٹے سے مرد، تو اگرچہ ابھی بچہ ہے لیکن تو جلد بڑا ہوجائے گا اور خرگوش کا شکار کرے گا"

مسٹر ہنری بالفور کی روایت ہے کہ بحرالکاہل کے جنوب میں جو جزائر واقع ہیں وہاں کی وحشی عورتیں اکثر ناک سے بانسری بجاتی ہیں۔ جزائر مارکوئسس[2] میں بھی عورت کی بہترین تفریح ناک سے بانسری بجانا ہے۔ جزائر فجی کی عورتیں بھی بانسری بجاتی ہیں اور اسی طریق سے۔

---

[1] استدراک: (re-produced by Mr. Cushing and Mr. Mason in The Wn's Share in Pr culture.)

[2] (Marquisas Island) بحرالکاہل کا ایک جزیرہ۔

ایشیا میں بھی موسیقی بہت زمانہ قدیم سے رائج ہے۔ ہندوستان تو موسیقی کا گھر تھا
کیوں کہ ہندوؤں کا مذہب ہی مذہب رقص و نغمہ ہے۔ اب بھی یہاں وحشی عورتیں
گانے میں مشاق ہیں اور ہر موسم، ہر وقت کے لحاظ سے مختلف گیت مختلف لحنوں
میں گاتی ہیں۔ علاوہ ایشیا کے اور تمام ممالک کے وحشی اب تک کوئی نہ کوئی موسیقی
اپنے پاس رکھتے ہیں جس کا اگر سراغ لگایا جائے تو زمانۂ قدیم سے اس کا سلسلہ مل جائے گا

فن آرائش وزیبائش میں عورت نے جس قدر ترقی کی وہ مختلف ممالک کے
ملبوس و طریق آرائش سے ظاہر ہے۔ عورت نے اوّل اوّل جب اپنا خاموش قدم
اس فن کی طرف بڑھایا، اُس وقت کی کوئی صحیح تاریخ ہم کو نہیں معلوم ہو سکتی
کیوں کہ مسیحؑ سے چھ ہزار برس قبل بھی کوڑیوں اور سیپ وغیرہ کے ہار استعمال کرنے کا
رواج عورتوں میں پایا جاتا تھا۔[ا]

پھر کپڑوں میں پَر، کوڑیوں، مختلف رنگ کی گھاس اور پتّوں وغیرہ سے
آراستگی پیدا کرنا بھی فنِ آرائش وزیبائش سے متعلق ہے جو نہ صرف زمانۂ قدیم میں
بلکہ آج بھی وحشی عورتوں میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔

ناک چھیدنا، کانوں میں سوراخ کرنا، زیور پہننا، مہندی لگانا، پان کھانا،
گودنے گدانا وغیرہ یہ سب قدیم مراسم ہیں جن کو عورت نے اختراع کیا۔ مُورلٹ کہتا
ہے کہ میکسیکو کے قدیم کھنڈروں میں وحشی عورتیں پانی کے چشموں میں جا کر نہاتی ہیں

استدراک:- ملو (Heritage of Dress)

یہاں وہ اُن بڑے بڑے درختوں کے نیچے جمع ہوتی ہیں جن پر انگور کی بیلیں چڑھی رہتی ہیں وہ چشموں میں دیکھ دیکھکر جو اُن کے قدرتی آئینے ہیں اپنے بال سنوارتی ہیں اور جب آفتاب غروب ہوجاتا ہی تو وہ اپنے نیلگوں ملبوس کو جو نہایت قدیم وضع کا ہی پہنتی ہیں اور گھروں میں پانی بھر کر کھیلتی کودتی گھر واپس جاتی ہیں[1]

تبت کی عورتیں اک سیاہ روغن سے اپنے چہرہ کو رنگتی ہیں۔ اُن کا بیان ہی کہ اس سے اُن کے چہرے گرم ہوا سے محفوظ رہتے ہیں[2]۔

انڈمان کی عورتیں سپید مٹی سے اپنے اور اپنے اعزا کے جسم کو رنگتی ہیں اور پھر اُنگلیوں سے چہرہ پر نقش و نگار بناتی ہیں[3]۔

پٹاگونا میں ہر صبح عورتیں اپنے مردوں کے بالوں میں کنگھی کر کے انھیں آراستہ کرتی ہیں اور اُن کے چہروں کو رنگتی ہیں۔ اگر کسی کے پاس آئینہ ہوتا ہی تو اُس کو دیکھکر اپنا چہرہ بھی رنگ لیتی ہیں جس رات کو اُن کی شادی ہوتی ہے وہ اپنے سارے جسم کو سپید رنگ سے رنگ لیتی ہیں اور جب بچہ پیدا ہوتا ہی تو اُس کے جسم کو بھی رنگ دیتی ہیں۔

یورپ و امریکہ کی دُوکانوں میں اب نائی کی خدمت عورتوں کے سپرد ہوتی جاتی ہی اور یہ واقعہ ہے کہ عورت کو اپنے زمانۂ وحشت سے اس خدمت کا بھی تجربہ ہی۔

استدراک:- [1] Morelet, Travels in Central America
[2] Rockhill, Land of "Lamas"
[3] Man, Andaman Islander, 1883

چنانچہ جزیرۂ انڈمان[1] میں جس وقت بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں اپنا دودھ نکال کر بچے کے سر کے بال اس سے تر کرتی ہی اور پھر شیشہ کے ٹکڑے سے خود ہی اس کا سر بھی مونڈ دیتی ہی۔ یہاں مردوں کے سر بھی عورت ہی مونڈتی ہی اور ہر دس دن میں اپنا سر بھی صاف کر لیتی ہی[2]۔

فنِ نقاشی کے متعلق یونانیوں کے ہاں زمانۂ قدیم سے یہ روایت[3] چلی آتی ہے کہ کارنتھ (Corinth) کے ایک برتن بنانے والے ڈبوٹیڈس (Dibutades) کی لڑکی ایک شام جب اپنے عاشق کے پاس سے واپس آئی تو اُس نے اپنا سایہ چراغ کی روشنی میں دیوار پر پڑتے ہوے دیکھا۔ فوراً اُس کے ذہن میں کچھ خیال پیدا ہوا اور فوراً ایک نوک دار آلہ سے دیوار پر جہاں جہاں سایہ تھا کھینچ دیا۔ جب اس کا باپ گھر آیا تو اُس نے اپنی بیٹی کی ذہانت کو بہت پسند کیا اور اتنا حصہ پلاستر کا دیوار سے الگ کر کے گیلی مٹی میں اس کا ایک ٹھپہ لیا اور اپنے برتنوں کے ساتھ اسے بھی پکایا۔ اگر یہ روایت صحیح ہی تو فنِ نقاشی کی ایجاد بھی عورت ہی کی ٹھہرتی ہی۔ لیکن اگر یہ صحیح نہ ہو تو بھی اس باب میں عورت کے لئے یہ فخر کم نہیں ہی کہ اُس نے اپنی ذات سے نقوشِ فطرت کی بہترین مثالیں پیش کیں جو صحیح معنی میں مصوری و نقاشی کہی جا سکتی ہیں۔ علاوہ اس کے

استدراک:- [1] Man, Andaman Islander, 1883

[2] Man, Audaman Islanders

[3] Heaton's History of Painting

ٹوکریوں، برتنوں، کپڑوں میں جو نقاشیاں عورتوں نے کی ہیں اور جن کا ذکر اس سے قبل ہو چکا ہی وہ بھی حقیقتاً اسی فن سے متعلق تھیں اور جنھوں نے بعد کو ایک مستقل صنعت کی صورت علیحدہ اختیار کر لی۔

آٹھویں فصل

عورت اور زبان

سب سے زیادہ مہتم بالشان اور عجیب و غریب صفت انسان کی جو اُس کو تمام مخلوقات عالم سے مُمیز کرتی ہی اور جو ارتقا کے لئے جوہر اوّلین کی سی حیثیت رکھتی ہی زبان یا گفتگو ہی۔ انسان کے ناطق ہونے کی صفت اک ایسی ممتاز صفت ہی کہ اس میں دُنیا کی کوئی مخلوق اس کی مماثل و مشترک نہیں ہی جس وقت منطق والوں نے انسان کی حد (تعریف) مرتب کرنی چاہی تو سب سے پہلے اس کی صورت و حالت ظاہری کو دیکھا اور یوں ابتدا کی کہ ھُوَ حیوان (حیوان ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ وہ بھی مثل دیگر حیوانات کے ذی حیات ہی) لیکن محض حیوان کہہ دینے سے وہ دیگر حیوانات سے جدا نہیں ہو سکتا تھا اس لئے اُس کے آگے ایک صفت اور مستقیم القامہ کی بڑھائی۔ کیوں کہ اُس وقت تک کوئی دوسرا جانور مستقیم القامہ نظر نہ آیا تھا۔ لیکن جب چمپنیزی (Chimpanzee) کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی سیدھا چلتا ہی۔ اس لئے یہ صفت بھی انسان سے مخصوص نہ ہو سکی۔ پھر صفت وسیع الاظفار کا اضافہ کیا۔ لیکن جب بندروں کو دیکھا تو اُن کے ناخن کو بھی انسان کے مثل چوڑا اور وسیع پایا۔ پھر متحرک بالارادہ کہا۔ لیکن حرکت ارادی بھی

تمام حیوانات کی صفت تھی اس لئے مجبور ہو کر انھوں نے انسان کو حیوانِ ناطق کہا اور اب یہ حد مکمل ہو گئی۔ کیوں کہ صفتِ نطق اک ایسی صفت انسانی ہی جس میں کوئی دوسرا جاندار شریک نہیں۔ اس لئے ظاہر ہی کہ نطقِ انسان کی تاریخ مرتب کرنا نہ صرف نہایت اہم بلکہ دشوار بھی ہی۔

یقیناً جس طرح دیگر اکتسابات انسانی کی ابتدا محض انسان ہی کی سعی و کاوش سے ہوئی، اس طرح نطق کے لئے بھی اُس نے کوئی طریقہ اختراع کیا ہوگا رہا یہ امر کہ وہ طریقہ کیا تھا اور نطق کی ابتدا کس طرح ہوئی، یہ بیان کرنا بہت دشوار ہی۔ البتہ صرف قیاس سے کہا جا سکتا ہی کہ اس کی ابتدا ارادی و غیرارادی دونوں طریق سے ہوئی ہوگی یعنی یا تو اس نے اپنے خیال و تاثر کو قصد کر کے ظاہر کیا ہوگا یا یہ کہ لذت والم کے عالم میں کوئی بے اختیار آواز اس کے منہ سے نکل گئی ہوگی، ایک تیسری صورت اور بھی ہو سکتی ہی اور وہ یہ کہ اُس نے حیوانات کے آواز کی نقل کی ہو۔ لیکن یہ بھی تقسیم ارادی کے تحت میں آتی ہی، اس لئے اس کے جداگانہ ذکر کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ بہرحال اس وقت تک یہ امر محقق نہیں ہو سکا کہ زبان کی حقیقی بنیاد کب اور کس طرح پڑی۔ لیکن جس وقت یہ امر محقق ہو جائے گا اور تمام قیاسی نظریات پر اس مسئلہ کے متعلق غور کیا جائے گا تو اس میں شک نہیں کہ نطقِ اوّلین یا زبانِ ابتدائی کے اختراع اور وسعت و تحفظ میں عورت کا بھی بڑا حصہ پایا جائے گا۔

یہ امر فراموش کرنے کے قابل نہیں ہے کہ جس طرح انسان نے دیگر اوزار وغیرہ ایجاد کئے ہیں اسی طرح زبان بھی اختراعات انسانی میں سے اہم ترین چیز ہے جس نے یقیناً دیگر اختراعات کی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی کے مختلف تغیرات کو قبول کرتی کرتے بے معنی حالت سے ایک بامعنی حالت اختیار کی۔

اوّل اوّل زبان میں اسماء و افعال وغیرہ کی کوئی تقسیم نہ تھی جیسی کہ اب نظر آتی ہے بلکہ وہ مجموعہ تھی چند الفاظ یا چند مختصر جملوں کا جس کو ہم صرف ایک صدا یا صوتِ مسلسل کہہ سکتے ہیں۔ ان سے مختلف جذبات و حسیات، خواہشات و داعیات کا بغیر کسی اصول کے اظہار کر دیا جاتا تھا۔ اور اس اظہار کو آواز کے اُتار چڑھاؤ اور اعضاء کی جنبش سے اور زیادہ نمایاں اور یسیر الفہم بنا دیا جاتا تھا۔ اگر آپ نے ایک گونگے کو اپنا مافی الضمیر ظاہر کرتے ہوئے کبھی دیکھا ہے تو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ ابتداءِ آفرینش میں زبان کی ابتدا کیوں کر ہوئی ہوگی۔

جس طرح یہ ظاہر ہے کہ ان اشارات و اصوات کی اختراع و ترقی صرف زمانۂ قدیم کے وحشیوں کا کام تھا۔ اسی طرح یہ بھی اک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اس اختراع و ترقی میں بڑا حصہ عورت اور عورت کے دماغ کا تھا۔ چوں کہ عورت ہر وقت کسی نہ کسی کام اور کسی نہ کسی صنعت میں مشغول رہتی تھی، اس لئے لازم ہے کہ اس نے سب سے پہلے انھیں کاموں اور صنعتوں کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہوگا۔ اور اس اظہار کے لئے اُس نے اصوات و اشارات اور پھر رفتہ رفتہ الفاظ و فقرات مرتب کئے

ہوں گے۔ ہم آج بھی دیکھتے ہیں کہ چند عورتیں بیٹھ جاتی ہیں تو پھر گفتگو کا ایک سلسلۂ
نامتناہی شروع ہوجاتا ہی اور وہ بات کرنے سے کبھی نہیں تھکتیں۔

یقیناً زمانۂ قدیم میں بھی عورت کی اس فطری خصوصیت کا یہی عالم رہا ہوگا
اور اس لئے اُس کو اختراعِ الفاظ وغیرہ کا اوّلین موقع ملا۔ چوں کہ عورت زمانۂ
وحشت میں غذا مُہیا کرنے، کھال درست کرنے، پہننے وغیرہ کی خدمتیں انجام دیتی
تھی (جیسا کہ اس سے قبل ظاہر کیا جاچکا ہی) اس لئے یقیناً عورت کو اشارات و
اصوات سے زیادہ کام لینا پڑتا ہوگا تاکہ وہ اپنے بچّوں کو مافی الضمیر سمجھائے
اور اس طرح مسلسل تکرار و مشق سے رفتہ رفتہ گفتگو یا زبان کے لئے الفاظ وغیرہ کا
کافی ذخیرہ فراہم ہوتا گیا۔

ڈاکٹر برنٹن Doctor Brinton اپنی ایک تحریر میں ظاہر کرتے ہیں کہ بہت
قدیم زبانوں میں نہ صرف ایک سلسلہ ایسے الفاظ و اصوات کا عورت سے مخصوص ہونا
پایا جاتا ہی۔ بلکہ بہت سی قوموں میں عورتوں کی زبان ہی مردوں سے علٰحدہ تھی۔

اڈورڈ جان پین Edward John Payne اپنی کتاب تاریخ امریکہ میں
لکھتے ہیں کہ "وہ تمام مدارج جن کو زبان نے ترقی تک پہنچنے کے لئے طے کیا، پردۂ
خفا میں ہیں۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ غذا کی تلاش ایک بڑا باعث اختراع زبان کا
تھا اور جب اشارات و اصوات کے ذریعہ سے اشیاء کے نام ظاہر کئے جانے
لگے تو اس کے ساتھ اُن اشیاء کو اچھا یا بُرا ظاہر کرنے کے لئے بھی الفاظ یا اصوات کا

استعمال شروع ہوا اور چوں کہ درختوں کے استعمالات و مصارف معلوم کرنے میں عورت کا بڑا حصہ ہی اس لئے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ زبان کی ترقی میں بھی اس کے احسانات ویسے ہی عظیم ہیں[۱]۔

مسٹر اڈورڈجان صرف غذائی اشیا کے متعلق یہ توجیہ کرتے ہیں۔ لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اُن تمام دیگر مشاغل کی نسبت بھی یہی توجیہ نہ قایم کی جائے جو صرف عورت کی ذات سے قایم تھے۔ زمانہ قدیم میں چوں کہ مردوں کا زیادہ وقت شکار میں صرف ہوتا تھا اس لئے وہ زیادہ تر تنہا رہتے تھے اور خاموش۔ برخلاف اس کے عورتیں تنہا نہ رہتی تھیں اور ان کے مشاغل بھی کثیر و مختلف تھے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ ان کو بات کرنے کا موقع بھی تھا اور ضرورت بھی۔ وہ چیزیں جن کو مرد بناتے تھے اور جو مرد و عورت دونوں کے استعمال میں آتی تھیں ان کا نام رکھنے میں مردنے ابتدا کی ہوگی۔ لیکن یہ بھی یقینی ہے کہ عورتنے اُن کا نام اپنے فرایض و طریقہ استعمال سے جدا رکھا ہوگا جو مردوں کے مقرر کئے ہوئے ناموں سے مختلف رہا ہوگا۔

اس کا ثبوت آج بھی ہر خاندان میں مل سکتا ہی۔ مہذب لوگوں میں یہ فرق زیادہ نمایاں نہیں ہی اور مرد و عورت کی زبانیں قریب قریب ایک ہی ہیں۔ لیکن وحشی لوگوں میں یہ فرق بیّن طور سے نظر آتا ہی اور مرد و عورت کی زبان میں بہت تفاوت ہے

یہ بھی اک مسلمہ امر ہی کہ جس طرح زبان کی ابتدا، بذریعہ اصوات و اشارات اظہار

---

[۱] استدراک۔ History of America by Mr. Payne

جذبات سے ہوئی اسی طرح الفاظ کی اختراع علی الخصوص اشیاء کے نام رکھنے میں خود اُن اشیاء کے حالات سے اخذ کی گئی جس طرح مرد نے شکار کے وقت جانوروں کی آوازیں سُن کر ان کی نقل کی ہوگی۔ اسی طرح پینے، پکانے، کھال صاف کرنے اور دیگر مشاغل میں مصروف ہونے کے وقت جو آوازان چیزوں سے پیدا ہوتی ہوگی یقیناً اسی آواز کی مماثل عورت نے بھی اک آواز پیدا کرکے اس چیز کا نام رکھا ہوگا اور چوں کہ عورت کے مشاغل زیادہ تھے اس لئے ظاہر ہی کہ اس کو تسمیۂ اشیاء کا زیادہ موقع تھا اور اس نے زبان کی ترتیب میں زیادہ حصّہ لیا ہوگا۔

پھر اس کے علاوہ جب ہم اس امر پر غور کرتے ہیں کہ عورت کی حلق و زبان کی ساخت نقلِ اصوات کے لئے اور کان کے اعصاب کا نظام ایک آواز کو بہت جلد سُن لینے کے لئے زیادہ موزوں و ذی حس ہی تو ہمیں اس کا اور بھی یقین ہوجاتا ہی کہ نقلِ اصوات کے ذریعہ سے تسمیۂ اشیاء میں عورت نے بہت بڑا حصّہ لیا ہوگا۔

تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ اشیاء کی تبدیلی، تبدیلِ اسم کو لازم نہیں ہی زمانۂ وحشت میں بہت سے فنون ایسے تھے جن کو عورت نے اختراع کیا اور زمانۂ مابعد میں مردوں نے ان کو اختیار کرلیا۔ لیکن نام وہی قایم رہا جو پہلے تھا۔ اس امر کا ثبوت کہ زمانۂ قدیم کے الفاظ اب تک قایم ہیں اس واقعہ سے ملتا ہی:۔ اب لوا جو زبان میں مکان کو "ہنگان" کہتے ہیں اور زونی زبان میں ہام، پون، نی۔ وحشی زبانوں کی لغت میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ ہنگان صرف جھاڑی کو کہتے ہیں اور ہام۔ پون۔ نی کے معنی بھی

جھاڑی یا گھاس کے ہیں۔ ہر چند اب اُن کے مکان گھاس پھونس کے نہیں ہوتے لیکن چوں کہ اوّل اوّل مکان پتی وغیرہ سے بنائے جاتے تھے، اس لئے جو نام زمانۂ قدیم میں رکھا گیا تھا اب تک قایم ہے۔

زمانۂ قدیم میں اشیا و خیالات کو ایک مستقل وجود سے تعبیر کرنے کا رواج تھا مردوں میں عورتوں کے نتیجۂ محنت کو اور عورتوں میں خود اپنے مردوں کے نتیجۂ محنت کو مشخص و مجسم قرار دینے کا دستور تھا اور ان میں تذکیر و تانیث کا فرق بھی استعمال کرنے والے یا مخترع کی جنس کے لحاظ سے قایم تھا۔

موجودہ یورپ کا ملاح جہاز کو مونث کہتا ہے اور اس سے قبل یونانی اور روما کے ملاح بھی جہاز کو مونث ہی بولتے تھے۔ اور جہاز کو عورت سمجھنا یقیناً بہت قدیم خیال ہے جس کی وجہ یا تو یہ ہوگی کہ عورت اس کی مخترع تھی۔ یا یہ کہ مرد اس کی ضرورت کو اس طرح محسوس کرتا تھا جس طرح ایک عورت کی ضرورت کو۔

زبان یا گفتگو کے بعد فن تحریر ہے اور اس میں شک نہیں کہ اوّل اوّل تحریر کا رواج تصویروں کی صورت میں رائج ہوا اور چوں کہ زمانۂ قدیم میں کوئی اصول یا آلات ایسے نہ تھے کہ وہ ایک چیز کی تصویر کو ہمیشہ یکساں بنا سکتیں، اس لئے رفتہ رفتہ تصویریں مختصر ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ ایک زمانہ کے بعد انھوں نے ہر غلطی اور پھر آہستہ آہستہ امتداد زمانہ سے حروف کی صورت اختیار کر لی۔ یہ امر کہ ایک ہی تصویر مختلف نقلوں کے بعد کیا صورت اختیار کر لیتی ہے، اس کی تصریح مسٹر

ہنری بالفور Mr Henry Balfour کے ایک واقعہ سے ہوتی ہے کہ اُس نے ایک تصویر بنائی جس میں ایک لکڑی پر گھونگھا لپٹا ہوا تھا۔ یہ تصویر نقل کے لئے ایک شخص کو دی اس نقل کی دوبارہ نقل کرنے کے لئے دوسرے شخص کو دی گئی یہاں تک کہ آخری نقل بارھویں شخص کے ہاتھ سے نکلی وہ اس قدر بدل گئی تھی کہ لکڑی ایک شاخ معلوم ہوتی تھی اور گھونگھا ایک بیٹھا ہوا پرند نظر آتا تھا۔ اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ تصویری رسم خط کس طرح رفتہ رفتہ حروف کی صورت میں تبدیل ہوا ہوگا۔

اب یہ تحقیق رہ جاتی ہے کہ عورت نے اس میں کس قدر حصہ لیا۔ یہ امر پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ عورت کا تعلق بُننے اور برتن بنانے کے فن سے کس قدر ہے اور اُس نے ٹوکریوں، کملوں، برتنوں وغیرہ میں کیسے کیسے نقوش بنائے۔ بھینس کے چمڑوں کے کپڑے جن پر بہت سے نقوش و تصویریں ہوتی تھیں صرف عورتیں ہی بناتی تھیں جسم پر گودنی گدانا بھی تحریر و نقوش وغیرہ کی ایک قسم ہے جو عورتوں ہی سے شروع ہوا اور اس وقت بھی عورتوں ہی کی ذات سے قایم ہے علاوہ اس کے اشارات کی زبان زمانۂ قدیم میں ایک عجب اگانہ چیز تھی جس میں عورتیں بہت مشاق تھیں۔

برگھم (Brigham) بیان کرتا ہے کہ میں نے جزیرۂ ہوائی میں ضعیف عورتوں کو نالہ یا ندی کے کنارے درخت کے نیچے لکڑی کے ضرب سے آواز پیدا کرتے دیکھا ہے وہ اس طرح ایک وادی سے دوسری وادی میں خبریں پہنچاتی ہیں یہ

ضربات کبھی مُسلسل اور کبھی وقفہ کے ساتھ ہوتی ہیں جس کا مفہوم وہی لوگ خوب سمجھتے ہیں۔ یہ قدیم زمانہ کا ٹیلیگراف تھا جس کی نقل اس زمانہ کی بھی بحری و بری افواج کی زبانِ اشارات ہے۔[1]

افریقیہ میں ڈھول کی ایک زبان الگ ہی جس کو مرد و عورت بخوبی سمجھتے ہیں۔

زمانۂ قدیم میں اشاعتِ زبان مخصوص طور سے زیادہ عورت کی ممنون ہے۔

آسٹریلیا، افریقیہ، امریکا میں مختلف زبانیں بولنے والی قومیں ایک دوسری کے حدود و رقبہ میں داخل ہو کر جنگ کیا کرتی تھیں۔ لیکن عورتوں کو ہلاک کرنے کا دستور نہیں تھا۔ وہ مالِ غنیمت سمجھی جاتی تھیں اور فاتح قوم اُن کو لونڈیاں بنالیتی تھی۔ یہ عورتیں غلامی کی حالت میں نئی جگہ پہنچکر اپنی صنعتوں کو بھی رائج کرتی تھیں اور اپنی زبان کی اشاعت بھی کرتی تھیں۔ اگر ان کی تعداد زیادہ ہوتی تو وہ باہم اپنی اصلی زبان میں بھی گفتگو کرتیں اور نئی زبان بھی سیکھتیں۔ اگر وہ اپنے ساتھ کوئی نئی صنعت لاتیں جس کا کوئی نام فاتح قوم میں نہ ہوتا تو وہ اس کے لئے وہی اصلی لفظ اپنی مادری زبان کا استعمال کرتیں اور اس طرح نئی زبان میں اضافہ ہوتا جاتا۔ چوں کہ زمانۂ قدیم میں اس طرح کی جنگ مختلف قوموں میں اکثر ہوا کرتی تھی اس لئے مختلف قوموں کی عورتیں آپس میں مل جل کر زبان کی ترقی میں بڑا حصہ لیے رہتی تھیں۔

مسٹر فرینچ شلڈن French Sheldon لکھتے ہیں کہ مشرقی افریقیکی عورتیں

---

[1] استدراک ب۔ Brigham, Cal. Bishop Mus., Honolulu.

زمانۂ صلح میں دو قوموں کے درمیان اِدھر سے اُدھر پیام پہنچاتیں اور حالتِ جنگ میں جاسوسی کی خدمات بھی انجام دیتی تھیں اور وہ ان خدمات کو صرف اسی لئے اچھی طرح انجام دے سکتی تھیں کہ وہ مختلف زبانوں میں گفتگو کرسکتی تھیں۔

شمالی کلیفورنیا میں مابین کلاماتھ (Klamath) مُتسن (Mutsun) مختلف زبانیں بولی جاتی تھیں جو ایک دوسری سے بالکل جُدا تھیں۔

امریکا میں شادی زیادہ تر قوم کے اندر ہی کی جاتی تھی اور غیر قوم کی عورتوں سے بہت کم کی جاتی تھی اس لئے وہاں کی زبان کی قسمیں آسانی سے ہو سکتی ہیں۔ وسطِ امریکہ کی عورتیں بقول برنٹن بہت ملی جُلی تھیں اور اُن میں غیر قوموں کی عورتیں بھی شامل تھیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر زبان کے الفاظ بہت مل گئے۔ افریقہ میں یہ بات نہیں ہے وہاں کی زبانیں ایک وسیع رقبہ کے اندر باہم ایک دوسرے سے بہت ملتی جلتی ہیں اور سارے ملک میں بہ لحاظ زبان کے صرف تین رقبے ہیں جہاں کی زبان ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ان تینوں رقبوں میں جنگ اور رسمِ غلامی کی وجہ سے عورت اور اس کے ساتھ الفاظ کا تبادلہ بہت زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے اس لئے یہاں کی عورتیں ایک دوسرے کی زبان کو اچھی طرح سمجھ لیتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ دُنیا میں تہذیب و تمدن کی ترقی کا مفہوم سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ اس میں نئے فنون، نئے خیالات، نئے الفاظ شامل ہوتے گئے اور اگر غور

کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کا باعث زیادہ تر عورت ہی تھی جیسا کہ گزشتہ اوراق کے مطالعہ سے ثابت ہے۔

آسٹریلیا (Australia) میں اکثر ایسا دیکھا جاتا ہے کہ مرد و عورت کی زبان بالکل ایک دوسری سے مختلف ہے اور شادی کے بعد اپنی اپنی زبان بولتی ہیں مغربی وکٹوریہ کی بعض قوموں میں مرد اس عورت سے شادی نہیں کرسکتا جو وہی زبان بولتی ہے جو مرد کی ہے اور قبل شادی کے جب ایک دوسرے کے قبیلے میں جاتے ہیں تو اس قبیلہ کی زبان میں گفتگو کرنا ممنوع ہے۔[1]

چین میں چوں کہ عورتیں اِدھر سے اُدھر منتقل نہیں ہوتیں اس لئے وہاں کی زبانیں بہت مختلف ہیں۔ یہاں تک کہ ایک صوبہ کا شخص دوسرے صوبہ کی زبان و تحریر نہیں سمجھ سکتا۔

اس قدر بیان سے یہ امر واضح ہوگیا ہوگا کہ زبان کی اشاعت کس طرح ہوئی اور کیوں کر رفتہ رفتہ اس میں ترقی ہوتی گئی۔ چوں کہ عورتیں فطرتاً زیادہ گفتگو کرسکتی تھیں اور اپنے مشاغل کے لحاظ سے اُن کے پاس سرمایۂ گفتگو بہت تھا اس لئے جب وہ اِدھر سے اُدھر شادی یا غلامی کے سلسلہ میں منتقل ہوئیں تو وہ اپنے ساتھ اپنے خیالات و الفاظ کو بھی لے گئیں۔ اور اس طرح زبان میں ترقی ہوتی گئی۔

جس طرح اختراعِ زبان کا مسئلہ اہم ہے اسی طرح حفاظتِ زبان کا مسئلہ بھی ہے

---

[1] استدراک: لے (J. G. Frazer Totemism)

اور عورتوں نے اس میں بھی بڑا حصہ لیا ہی۔ چوں کہ ابتدائے عالم سے عورتوں نے مختلف ایسے فنون کی بُنیاد ڈالی جو امتدادِ زمانہ کے ساتھ بجائے مٹنے کے ترقی کرنے کے اہل تھے اور اب تک قایم ہیں اس لئے انھوں اُن فنون کے متعلق جو زبان اختراع کی اس کو بھی قایم رہنا تھا اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس وقت دنیا کے ہزاروں مشاغل و فنون کے متعلق کتنے الفاظ ایسے ہیں جو عورت ہی کے ایجاد کئے ہوئے ہیں۔

علاوہ اس کے جب ایک قوم کی اُن روایات پر غور کیا جاتا ہی جو اس میں زمانۂ قدیم سے رائج چلی آتی ہیں تو یقین کرنا پڑتا ہی کہ عورت نے حفاظتِ زبان میں کس قدر حصہ لیا ہی۔ قومی کہانیاں، پہیلیاں، لوریاں، گیت وغیرہ یاد رکھنا یہ عورت ہی کا کام ہے اور وہی اپنے بچوں کو عالمِ شیر خوارگی و کم سنی میں سُناتی ہی۔ اس سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہی کہ اس کی قوتِ حافظہ بہ نسبت مرد کے زبردست ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہی کہ کس طرح وہ بچوں کی پرورش کے ساتھ زبان کی مشکلات کو اُس کے لئے آسان بناتی ہی اور کیوں کر اپنے دماغ سے ایک دوسری نئے دماغ میں منتقل کرتی ہے۔ پھر حفاظت و اشاعتِ زبان کے علاوہ الفاظ میں تغیر و تبدل اُن کے معنی میں وسعت و اختصار، جملوں کی ترکیب میں اصلاح و تجدید وغیرہ بھی عورت کی بڑی حد تک ممنون ہی۔ اگر ایک شخص فرانسیسی و جرمن زبان سیکھنا چاہی تو پوری مشاقی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہی کہ وہ مرد اور عورت دونوں سے

تعلیم حاصل کرے۔ کیوں کہ دونوں کے محاورات اور دونوں کے اندازِ گفتگو میں بہت فرق ہی۔ انگلستان کے اُن مدارس میں جہاں یہ زبانیں سکھائی جاتی ہیں مرد و عورت دونوں مقرر کئے جاتے ہیں تاکہ طلبہ کو مہارت تام حاصل ہو جائے۔

بہرحال زبان کے متعلق عورت کی خدمات اس قدر صاف اور کھلی ہوئی ہیں کہ اُن سے کسی کو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ آج بھی تمام مہذب ممالک میں ایک شخص سے اُس کی مادری زبان کی نسبت سوال کیا جاتا ہے کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ اس کی پدری زبان کیا ہے۔ اس کی وجہ نہ صرف یہ ہی کہ ایک شخص زبان ماں ہی کے آغوش میں حاصل کرتا ہے بلکہ یہ سبب بھی ہی کہ ماں بوجہ مخترع و محافظِ زبان ہونے کے زیادہ اہل ہی کہ وہ زبان کا درس دی سکے۔

یہ امر کہ عورت کو زبان پر زیادہ قدرت حاصل ہے، یہ کہ وہ قدرتاً اختراع و حفاظت کی زیادہ اہل ہے، ہر ملک کی زبان کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہو سکتا ہی۔ خود ہندوستان کے اندر تعلیم یافتہ و مہذب طبقوں میں دیکھئے کہ خانگی زندگی کے متعلق جس قدر بڑا ذخیرہ الفاظ کا عورت کے پاس ہی، مرد کے پاس نہیں۔ محاورات، ضرب الامثال، لطیفے، قصص، حکایات وغیرہ یہ سب عورت ہی کے دماغ میں محفوظ ہیں۔ لکھنؤ اور دہلی میں جہاں کی اُردو کسی زمانہ میں مشہور تھی صرف عورتوں ہی کی زبان مستند سمجھی جاتی تھی اور آج بھی اگر کوئی شخص ان مقامات کی اصلی و صحیح زبان سیکھنا چاہتا ہی تو صرف عورتوں ہی سے سیکھ سکتا ہے بشرطیکہ ...

مردوں کی ایسی ہی جو ان کے تمام محاورات والفاظ سے واقف نہیں ہی۔ اس لئے ظاہر ہے کہ ان محاورات والفاظ کو عورت ہی نے اختراع کیا۔ اور دہی ان کا استعمال بتاتی ہے اگر مرد اُن کا مخترع ہوتا تو سمجھتا بھی ضرور علاوہ اس۔ تمام اقوام میں کچھ نہ کچھ مراسم قایم ہیں اُن میں سے اکثر و بیشتر حصہ انھیں مراسم کا ہی جو عورتوں اور عورتوں کی زندگی و مشاغل سے متعلق ہیں۔ پھر اُن مراسم کے متعلق مختلف الفاظ مختلف محاورات جس قدر عورت کو یاد ہیں مرد کو نہیں اُس کی وجہ ظاہر ہی کیوں کہ مردوں کو اُن مراسم سے بہت کم تعلق ہی اور اُس کے متعلق الفاظ و محاورات اُن کے دماغ میں محفوظ نہ رہ سکتے تھے۔

زبان کی تہذیب و شائستگی کے متعلق یقیناً نظم یا شعر گوئی بھی اک ایسی چیز ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور شاید اس میں مرد کے کارنامے زیادہ وسیع پائے جائیں گے لیکن جس وقت ہم شعر کی ماہیت و حقیقت پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی عورت کا وجود قریب قریب وہی کام کر رہا ہی جو دیگر فنون کی ترقی میں۔

عورت نے دو حیثیتوں سے ارتقاء عالم میں مدد کی ہی۔ ایک حیثیت تو یہ تھی کہ خود اُس نے بعض فنون و مشاغل ایجاد کئے اور دوسری حیثیت یہ تھی کہ وہ بعض فنون کی ایجاد و اختراع کا باعث ہوئی۔ یا بالفاظ دیگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ بعض خیالات خود اس کے دماغ نے پیدا کئے اور بعض خیالات اس نے دوسروں کے دماغ میں منتقل کئے اور وہ وہاں سے رونما ہوئے پس شاعری میں عورت کا حصہ اسی دوسری حیثیت سے ہی کہ اس کے اندر جن خیالات کا اظہار ہوتا ہی وہ عورت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں جو محتاج تشریح نہیں۔ پھر علاوہ اس کے وحشیوں کی زبان کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ ان کے ہاں زمانۂ قدیم سے تشبیہات و استعارات کا رواج چلا آتا ہی۔ پھر وہ تشبیہات یا تو فطری مناظر سے متعلق ہوتی تھیں یا اُن مناظر سے جو مشاغلِ حیات سے متعلق تھے۔ اور چوں کہ مشاغل حیات

قریب قریب سب عورت ہی کے ذمہ سے وابستہ تھے اس لئے اس نوع کی تشبیہات تمام تر وہی ہوتی تھیں جو عورت یا اس کے اکتسابات سے واسطہ رکھتی تھیں یہاں تک کہ زمانۂ وحشت میں انسان کی زندگی کو بھی تشبیہ دیتے تھے اُس مال سے جو کارگہ میں اِدھر سے اُدھر عورت کے ہاتھ سے متحرک رہتی تھی اس سے ظاہر ہے کہ شاعری پر بھی عورت کا کس قدر اثر تھا اور ہے۔

فنِ تحریر کے متعلق ہم اس سے قبل ظاہر کر چکے ہیں کہ وہ کس طرح عالمِ وجود میں آیا اور اس میں عورت نے کس قدر حصہ لیا۔ دنیا میں نقاشی کی اختراع غالباً عورت ہی کی ہے جس نے اوّل اوّل اپنی ٹوکریوں اور اپنے برتنوں میں مختلف قسم کی تصاویر و نقوش بنائے اور اس لئے تحریر کی اوّلین صورت جو صرف تصویر سازی کی صورت میں تھی یقیناً عورت ہی کی ایجاد یا اس کے ایجاد کی تقلید سمجھی جائے گی۔ اشاعتِ زبان کی نسبت بھی ہم کہہ چکے ہیں کہ اس کی باعث بھی عورت تھی۔ لیکن اگر اس صورت کو نظر انداز بھی کر دیا جائے اور اس کے اِدھر سے اُدھر منتقل ہونے کے واقعہ پر زیادہ لحاظ نہ کیا جائے تو بھی یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ بچہ کتنے عرصہ تک ماں کے آغوش میں اور پھر اس کے بعد کتنے زمانہ تک اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ اگر ماں گونگی ہو تو صرف باپ کی قوتِ گویائی بچہ کو زبان کی تعلیم نہیں دے سکتی کیوں کہ حقیقتاً اس کی تعلیم تو اسی وقت سے شروع ہوتی ہے جب ماں رات کی تنہائی میں صبح و شام کی خلوت میں تنہا اس معصوم بچہ سے گھنٹوں باتیں کرتی رہتی ہے اور باوجود اس کے کہ وہ جانتی ہے یہ کچھ نہیں سمجھتا لیکن وہ اس کو قصے کہانیاں، لوریاں۔ سنانے سے کبھی نہیں تھکتی۔ اگرچہ بچہ اس کے اس مجنونانہ شفقت سے متاثر ہو کر نہیں بلکہ یوں ہی بے اختیارانہ ہنس پڑتا ہے،

تو وہ اپنی ساری محنتوں کا کافی اجر سمجھتی ہے۔ کیا مرد کی طرف سے کبھی یہ توقع قایم کی جاسکتی ہے کہ وہ کسی زبان کی تعلیم اپنے بچہ کو اس قدر صبر و تحمل اس قدر سعی و کاوش کے ساتھ دے سکتا ہے؟

چوں کہ تعلیم کا تعلق نفس سے ہے اور اُس کو صرف ایک روحانی قوت ہی بہترین طریق سے متاثر کر سکتی ہے، اس لئے مرد اس مسئلہ میں بہ نسبت عورت کے بہت کم درجہ پر ہے۔

نویں فصل

عورت اور معاشرت

اگر زمانہ وحشت میں کوئی سخت ترین وقت عورت کے لئے تھا تو وہ وضع حمل کا وقت تھا۔ قریب قریب تمام وحشی اقوام میں یہ دستور جاری تھا کہ جب بچہ پیدا ہونے کا زمانہ قریب آجاتا تھا، تو وہ تنہا جنگل میں نکل جاتی تھی اور اس وقت تک واپس نہیں آتی تھی جب تک وہ وضع حمل سے فارغ نہ ہوجائے جب بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ اپنے جھونپڑے کو واپس آجاتی تھی، تو اس سے کوئی سوال نہیں کیا جاتا تھا۔ بہت کم قومیں ایسی تھیں جن میں عورت کے ساتھ کوئی جنگل جاتا ہو اور اس وقتِ صعب میں کوئی اس کی مدد کرتا ہو۔

گائنا کی قوموں میں عجیب وغریب دستور جاری تھا۔ اُن کی حاملہ عورتیں اخیر دن تک گھر کا کام کرتی رہتی تھیں، اور جب وضع حمل کا وقت بالکل قریب آجاتا تھا، تو وہ تنہا یا کسی عورت کے ساتھ جنگل نکل جاتی تھی۔ اور بچہ پیدا ہونے کے صرف چند گھنٹوں کے بعد گھر واپس آجاتی تھی۔ مرد یہ خبر معلوم کرنے کے بعد سارے کام چھوڑکر کونہ میں جاکر بیماروں کی طرح لیٹ جاتا۔ اور نہانا، دھونا شکار کرنا، گوشت وغیرہ کھانا ترک کر دیتا۔ اور تمام عورتیں اس کی خدمت میں مصروف رہتیں۔ گویا یہ مصیبت اسی پر نازل ہوتی تھی[۱]۔ عورتیں اپنے

---

[۱] Im Thurn, Ind. of British Guinena.

بچوں کو تین چار سال تک دودھ پلاتی تھیں اور کام کرنے کے وقت بچہ کو ایک جھولے میں ڈال کر اپنے گلے یا شانہ میں لٹکا لیتی تھیں۔ بچے جب چلنے کے قابل ہوجاتے تھے تو وہ اپنے والدین کے مشاغل سیکھتے تھے۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد باپ کا گوشہ نشین ہوجانا بہت زمانۂ قدیم میں بھی رائج تھا جیسا اپالونیس (Appollonius) کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ "ٹابیرین کی زمین میں، جب کوئی عورت بچہ جنتی ہے تو مرد صاحب فراش ہوجاتا ہے اور عورت اس کی خدمت کرتی ہے۔"[1]

جب بچہ پیدا ہوتا تھا اس کے آیندہ قسمت کا فیصلہ کرنے میں خاندان کے حالات کو بہت دخل تھا۔ سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہوتا تھا کہ بچہ کو زندہ رہنا چاہیئے یا نہیں۔ اگر زمانہ قحط یا تنگدستی میں کوئی بچہ پیدا ہوتا تھا، اور خیال ہوتا تھا کہ اس کی پرورش نہ ہوسکے گی تو اوس کے منہ میں گھاس بھر کر سردی میں مرجانے کے لئے باہر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ہر شخص کو اختیار ہوتا تھا کہ ایسے بچہ کو اُٹھائے اور پرورش کرلے۔ لڑکیوں کے ساتھ یہ عمل خاص طور پر کیا جاتا تھا اور عیب میں داخل نہ تھا[2]

انگولا، کوئی ساما، میں اب بھی عورتوں کی تعداد بہت کم پائی جاتی ہے جس

---

[1] Apoll. Rhod., II, 1012.

[2] Dall, Am. Naturalist

سے معلوم ہوتا ہے کہ دختر کشی کا رواج ان میں بہت قریب زمانہ ماضی تک پایا جاتا تھا[1]۔ انگولا کے لوگوں کی نسبت لونگ اسٹون (Livingstone) لکھتا ہو کہ

"ان میں لڑکے کا پیدا ہونا خوش نصیبی کی دلیل سمجھا جاتا تھا وہ عورتیں جو لڑکیاں جنتی تھیں، اکثر و بیشتر اپنے شوہروں کو چھوڑ دیتی تھیں اور جن کے کوئی اولاد نہیں ہوتی تھی وہ بسا اوقات خودکشی کر لیتی تھیں[2]"

زمانہ وحشت میں اگر لڑکی بچ جاتی تھی تو اس کی پرورش صرف ماں اور اس کی خالہ کے سپرد ہوتی تھی۔ زمانۂ تعلیم تین اور تیرہ سال کے درمیان قرار دیا گیا۔ ۱۳ سال کے بعد خیال کیا جاتا تھا کہ وہ عورت ہو گئی ہے۔ دس سال کے عرصہ میں جسمانی، اخلاقی، دماغی ہر طرح کی تعلیم و تربیت سے لڑکی فارغ ہو جاتی تھی۔ بعض قوموں میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے خاص قواعد ہی تھے، اور اُن میں مذہب بھی شامل تھا جب لڑکی جوان ہو جاتی تھی، تو وہ علمی تعلیم سے بالکل آراستہ ہوتی تھی۔ یورپ کے بڑے بڑے عجائب خانوں میں بہت سی چھوٹی چھوٹی ٹوکریاں، ننھے ننھے برتن زمانۂ قدیم کی بچیوں کے ہاتھ کے بنے ہوئے پائے جاتے ہیں اور اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کی تعلیم کس انداز سے ہوتی تھی۔

---

[1] Price, J. Anthrop. Inst. London

[2] Travels in S. Africa

مگزکو (Mexico) کے پرانے قوانین میں ماں کو اُستاد اور بچّہ کو شاگرد
کی حیثیت دی گئی ہے۔ قدیم زمانہ میں یہاں بڑی بڑی جگہیں صرف اس لئے مخصوص
تھیں کہ یہاں لڑکیوں کی تربیت کی جائے۔ عورتیں اُن کو تعلیم دیتی تھیں اور شب و
روز مرد چاروں طرف پہرہ دیتے تھے۔ اس جگہ سے لڑکیاں بغیر اجازت باہر نہ نکل
سکتی تھیں اور جو کوئی لڑکی نکل جاتی تھی تو اس کے پانوں میں کانٹے چبھوئے جاتے
تھے، یہاں تک کہ خون نکلنے لگتا تھا۔ لڑکیوں کو یہاں کاتنا، بُننا، پیروں کی چیزیں
بنانا وغیرہ سکھایا جاتا تھا۔ اُن کو روزانہ نہانے کی ہدایت تھی اور خانہ داری کے
تمام کام اُن کو سکھائے جاتے تھے۔ علاوہ اس کے اپنے بڑوں کے سامنے جھک جانا
تہذیب سے گفتگو کرنا، اور شرمیلے اطوار رکھنا بھی بتایا جاتا تھا۔ طلوع آفتاب کے وقت
وہ اُٹھتی تھیں اور ہر کاہل لڑکی کو سزا دی جاتی تھی۔ رات کو لڑکیاں نگراں عورت
کے پاس سوتی تھیں[۱]۔

افریقہ کی کیپ کالونی میں دو وحشی قومیں باسوٹو (Basuto) اور بانٹو
(Banto) رہتی تھیں۔ ان کے ہاں زمانہ قدیم سے یہ قومی دستور جاری تھا کہ
جب لڑکیاں قریب بلوغ پہونچ جاتی تھیں، تو وہ ایک مخصوص جھونپڑے میں جسے
وہ بالی کہتے تھے، چھوڑ دی جاتی تھیں اور تقریباً چھ ماہ تک صرف عورتوں کی نگرانی
میں کام کرتی تھیں۔ یہاں ان کو تمام مراسم، جملہ صناعات و فنون کی عملی تعلیم دیجاتی

---

[۱] Bancroft, Native Races. N. York.

تھی۔ جب تک کوئی لڑکی اس تعلیم سے فارغ نہ ہو جاتی، وہ کسی سے شادی نہ کر سکتی تھی۔

اسکیمو قوم کے بچوں کی پرورش کسی زمانہ میں صرف عورتوں کے سپرد تھی اور وہ کبھی جسمانی سزا نہ دیتی تھیں۔ لڑکیاں ہوش سنبھالتے ہی، تمام کاموں میں اپنی ماں کی مدد کرنے لگتی تھیں۔ اس قوم کی روایات قدیمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو نہ صرف یہ بتاتی تھیں۔ کہ فلاں درخت یا بوٹی کس مرض کے لئے مفید ہے اور طیور کے ظاہر و غائب ہو جانے سے کس موسم کا آغاز یا اختتام ہوتا ہے، بلکہ وہ اجرام فلکیہ کی رفتار کے متعلق بھی کچھ درس دیتی تھیں۔[۱]

اوماہا قوم میں لڑکی ماں کی نگرانی میں رہتی تھی اور اس کا فرض ہوتا تھا کہ اپنی ماں کی مدد گھر کے کاموں میں کرے۔ جب وہ چار یا پانچ سال کی ہو جاتی، تو اس کو جنگل میں لکڑی فراہم کرنے کے لئے بھیجا جاتا۔ آٹھ برس کی عمر میں اس کو بوجھ یا گٹھڑ بنانا، اور پیٹھ پر لادنا سکھایا جاتا تھا۔ اور اس طرح اضافۂ عمر کے ساتھ ساتھ لکڑی کاٹنا، غلہ بونا، اور دیگر نسوانی مشاغل اس کو سکھائے جاتے۔[۲]

انگولا کی عورتیں اپنے بچوں کی تربیت کرنے میں بہت مشاق تھیں۔ ایک گاؤں کے تمام بچے صبح کو ایک جگہ جمع کئے جاتے اور ایک ضعیف و تجربہ کار عورت کی نگرانی میں چھوڑ دیئے جاتے۔ شام تک وہ اس کی نگرانی و تربیت میں رکھے

---

[۱] Women of all nations

[۲] Darsey, Third An: report Bur Ethnot

جاتے تھے اور شام کو اپنے گھروں کو واپس جاتے تھے۔ اس طرح ان کے والدین آزادی سے اپنے مشاغل و فرائض کو ادا کرتے رہتے تھے، اور بچے بھی آوارہ پھرنے سے باز رہتے تھے[۱]۔

جب جزیرۂ انڈمان کی لڑکیاں بالغ ہو جاتی ہیں تو وہ کسی نہ کسی پھول کے نام سے پکاری جاتی ہیں۔ ہاں اٹھارہ مخصوص پھولنے والے درخت ہیں، اور جس پھول کے موسم میں لڑکی جوان ہوتی ہے وہی اس کا نام رکھ دیا جاتا ہے۔ اس نام کے ساتھ خاندانی نام بھی ملا دیا جاتا ہے، اور شادی کے وقت تک وہ اسی نام سے پکاری جاتی ہے۔ لیکن شادی کے بعد اولاد ہونے پر اس کو چانا[۲] کہتے ہیں (یعنی ماں یا خاتون)۔

جب لڑکی کا زمانۂ تربیت ختم ہو جاتا ہے، تو پھر اس کی عملی زندگی شروع ہوتی ہے، جو ایک حد تک سخت و تکلیف دہ ہوتی ہے۔ بعض قوموں میں گیارہ سال کی عمر میں لڑکی کو فاقہ کرنا پڑتا تھا اور بہت سی باتیں اوس کے لئے ممنوع ہو جاتی تھیں۔ اس کو وزنی برتن پانی سے بھرے ہوئے دور مقامات سے، اور بڑے بڑے بوجھ سر پر لاد کر گھر لانے پڑتے تھے۔ پانی لانے کے لئے روز ایک دور مقام تجویز کیا جاتا، اور اسی طرح بوجھ کا وزن بھی روزانہ بڑھا دیا جاتا تھا تاکہ لڑکی محنت

---

[۱] Price, J. Anthrop. Inst: London

[۲] Cf. Andaman Islanders, London

وجفاکشی کی عادی ہو جاوے۔

تنہا زندگی بسر کرنا زمانہ وحشت میں بھی ممکن تھا، لیکن جس طرح آج ایک مرد یا عورت کے لئے مجرد رہنا زیادہ دشوار نہیں ہے، اس طرح زمانہ قدیم میں ممکن نہ تھا اس وقت بھی یہ خیال دماغوں میں پیدا ہوا تھا، اور بعض عورتوں نے مرد سے علیحدہ ہو کر اپنے لئے زندگی کا ایک جداراستہ اختیار کرنا چاہا تھا، لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ مسٹر ڈال (Mr. Dall) اسکیمو کی ایک جوان عورت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

> "وہ بہت مضبوط، توانا، اور حسین تھی، اس نے عہد کیا کہ وہ شادی سے باز رہیگی اور خود اپنی حیات کی تمام ضروریات مہیا کرکے زندگی بسر کرے گی۔ وہ شکار بھی کر سکتی تھی، اور تمام وہ کام انجام دیتی تھی جو مردوں کے لئے مخصوص ہیں، لیکن وہ دو سال سے زائد بسر نہ کر سکی اور آخرکار اُسے اپنے عہد سے باز آنا پڑا۔"

زمانہ وحشت میں اگرچہ عام طور سے شادیاں بالکل رسم و رواج کی پابندیوں کے ساتھ عمل میں آتی تھیں، لیکن واقعات محبت کی بھی مثالیں ان میں ملتی ہیں، چنانچہ تاہیٹی (Tahiti) کا ایک نوجوان سردار تھا اور جزیرہ کی ایک لڑکی سے محبت کرنے لگا۔ اس نے پیام نکاح بھیجا اور ہر طرح سے اُسے شادی پر راضی کرنا چاہا، لیکن لڑکی نے انکار کر دیا آخر وہ اپنی محبوبہ کے پاس گیا اور ایک زمانہ

اس کی خدمت میں بسر کر دیا، یہاںتک کہ وہ شادی پر راضی ہو گئی[1]"

یہ امر ظاہر ہے کہ عورت کی زندگی میں سب سے بڑا اہم واقعہ جو اُس کے اندر ایک انقلاب برپا کر دیتا ہے اور جس کا اثر اوس کی معاشرت پر بہت گہرا پڑتا ہے، شادی ہے۔ زمانہ موجودہ میں شادی کی جو صورتیں ہیں ظاہر ہیں اور زمانہ قدیم میں جو مراسم مختلف ممالک میں رائج تھے وہ بھی کتابوں میں شرح وبسط کے ساتھ مندرج ہیں، لیکن ہم کو یہاں مختصراً یہ دیکھنا ہے کہ زمانۂ قدیم کی عورت اس مسئلہ میں کس طرح زمانۂ حال کی عورت تک پہونچی۔

کہا جاتا ہے کہ پہلے عورت کسی کی ہوتی تھی، پھر سبھی کی بیوی بنی اور اس کے بعد چند میں سے ایک کی بیوی ہوئی۔ اور شادی کے متعلق جو ارتقاء امتداد زمانہ کے ساتھ ہوا اس کا امتیاز زیادہ تر عورتوں کو حاصل ہے۔

تم کسی طائر کے جوڑے میں آسانی کے ساتھ معلوم کر سکتے ہو کہ ماں کون سی ہے کیونکہ انڈوں کو سینا، اور اپنے بچوں کی حفاظت کرنا زیادہ تر ماں کا کام ہے۔ نوع انسان میں اور زیادہ آسانی کے ساتھ ماں کا پتہ چل سکتا ہے۔ لیکن فوراً یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ باپ کون ہے، حالانکہ شادی کا مقصود حقیقتاً باپ ہی کا متعین کرنا ہے۔ باپ کا تعلق اپنی اولاد سے قریب قریب اتنا ہی شدید ہے، جتنا ماں کا، لیکن یہ منحصر ہے صرف اس امر کی تصدیق پر کہ فلاں بچہ کا باپ فلاں شخص ہے۔ اگر ایک

---

[1] Ellis, Polynes Research, London

شوہر کو یہ علم ہو جاے کہ فلاں بچہ میرا نہیں ہے تو یقیناً اس کو کوئی تعلق اس سے نہ ہوگا
اس لئے معاشرتی زندگی میں اچھی بیوی سے زیادہ قیمتی اور اہم چیز کوئی نہیں ہے۔
وفادار بیوی کو ایک قابل قدر چیز سمجھنا یقیناً اس لحاظ سے بھی تھا اور ہے کہ وہ
زندگی کے مختلف شعبوں میں ایک پُر خلوص معاون و ہمدرد ہے، لیکن اوس کی
حقیقی عزت و عظمت کا انحصار صرف اُس وفا شعاری پر ہے، جو وہ اپنے شوہر کے
لئے اولاد پیدا کرنے کے مسئلہ میں ظاہر کرتی ہے۔ اور یہ خصوصیت اس کی زمانۂ قدیم
میں زیادہ پیش نظر رہتی تھی، زمانہ پیشیں میں بیوی کی طرف سے مرد کو کوئی چیز نہ
دی جاتی تھی، بلکہ شوہر کی طرف سے بہت سی اشیا قبل شادی کے اس کے یہاں
جاتی تھیں عورت کے اعزا ایک جگہ جمع ہو کر ان چیزوں کو دیکھتے تھے، اور ان کو
رد کر دینے کا اختیار حاصل تھا، اگر وہ دیکھیں کہ تحائف لڑکی کے صفات کے مقابلہ
میں کم قیمت ہیں۔ یہ تحائف زیادہ تر بیل، گھوڑا اور اسلحہ وغیرہ کی صورت میں ہوتے
تھے۔ جب لڑکی رخصت کی جاتی تھی، تو اُس کی طرف سے بھی شوہر کو چند اسلحہ پیش کئے
جاتے تھے، جس سے مقصود یہ ظاہر کرنا ہوتا تھا کہ وہ جنگ میں بھی مرد کے برابر
حصہ لینے کے لئے پابند ہے۔

بہر حال زمانۂ قدیم میں عورت کی عظمت زیادہ تر معاشرتی نقطۂ نظر سے صرف
اس خیال پر قایم تھی کہ وہ اپنے شوہر کے لئے وفادار ثابت ہوگی اور خاندان کا شیرازہ
اس کی ذات سے قایم رہیگا۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر سے منحرف ہو جائے

گھر کا سارا نظام اور ایک قبیلہ یا قوم کی جمعیت درہم برہم ہو سکتی ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قبایل کا نظام زمانۂ قدیم میں بہت مضبوط و مستحکم تھا، اس لئے ظاہر ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی عزت کی کیسی محافظ و معاون تھی، اور معاشرت کے تحفظ میں وہ اس طرح کتنا بڑا حصہ لے رہی تھی۔ زمانۂ جاہلیت میں اگر اعراب کو اپنے صحت نسب پر فخر تھا، تو صرف اُس اعتماد کی بنا پر، جو انھیں اپنی عورتوں پر تھا، اور اس فخر سے اون کے قبائل میں جیسی یک جہتی اور اتفاق کی شان پائی جاتی تھی، ظاہر ہے۔ لیکن اگر عورت چاہتی تو اپنے قدم کی ادنیٰ سی لغزش سے وہ اس اتفاق کا سارا شیرازہ درہم برہم کر سکتی تھی، لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ وہ اپنی عصمت و عفت کی اہمیت کو سمجھتی تھی، اور جانتی تھی کہ معاشرت کا سارا تار و پود اوس کی مضبوطی سیرت سے وابستہ ہے اور اس کا احترام اُس نے بڑی حد تک قائم رکھا۔ اس قدر بیان سے یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ نکاح کے متعلق جو معاشری زندگی کا اہم ترین جزو ہے عورت کا فرض کیا تھا اور اُس نے کس حد تک اس کو تکمیل کے ساتھ انجام دیا۔ اب دیکھنا ہے کہ شادی کے بعد عورت کے دیگر فرائض کیا تھے، اور اُن کی بجا آوری میں عورت نے کس قدر کوشش کی۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ دنیا کے طبعی نظام میں نر، مادہ کی مدد بہت کم کرتا ہے، وہ خود ہی اپنی حفاظت کرتی ہے، اور اپنے بچوں کی پرورش کی ذمہ دار ہے۔ طبقۂ انسان میں بھی مرد نے اپنی قوت کو عورت کی حفاظت کے لئے استعمال نہیں کیا بلکہ اپنے دشمنوں سے

جنگ کرنے اور عورت کو مال غنیمت کی طرح حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا۔ برخلاف اس کے عورت کی زندگی نہایت قدیم زمانہ میں بھی ایسے مستحکم و مکمل اصول معاشرت پر قایم تھی کہ اس وقت تک اس میں اصول کے لحاظ سے کوئی اضافہ نہیں ہو سکا۔

عہد تاریک کی عورت مکڑی کی طرح نہ تھی کہ وہ اپنے جال میں نر کو پھنسا کر ہضم کر جائے، اور نہ مرغی کی مانند تھی کہ وہ اپنے بچوں کی پرورش میں نر کی خدمتوں کو قبول نہ کرے، اور نہ وہ چڑیا کے مماثل تھی کہ آپ ہی گھونسلا بنائے اور خود ہی اپنے بچوں کی حفاظت کرے، بلکہ وہ تقسیم عمل کے زیر اثر کام کرتی تھی، اور خاندان یا قبیلہ کے مقررہ اصول کے لحاظ سے وہ اپنے فرائض منصبی کو علیحدہ انجام دیتی تھی۔ اب بھی ایک قبیلہ کی دیہاتی زندگی پر غور کرو اور دیکھو کہ اس سے زیادہ مکمل معاشرت اور کیا ہو سکتی ہے۔ باپ اپنی روزانہ محنت انجام دینے کے لئے ہوشیار اور سیانے لڑکوں کو لے کر چلا جاتا ہے، اور ماں گھر کی ملکہ بنی ہوئی اپنی لڑکیوں کو چاروں طرف لئے ہوئے، خانہ داری کے کاموں میں مشغول نظر آتی ہے۔ قدیم زمانہ وحشت میں جبکہ یقیناً معاشری حالت یہ نہ تھی (کیونکہ مرد کی زراعت کے لئے صاف زمین موجود نہ تھی، اور اس کو محض اپنے ہتیار کی مدد سے فطرت کے خلاف جنگ کرنی پڑتی تھی۔ اس کا ہل اوس کی تلوار تھی، اور اس کا نیزہ اس کی خوراک کا تنہا کفیل) اور مرد دنوں تک مسلسل گھر سے باہر رہتا تھا، اوس وقت

عورت کا وجود گویا توازن قائم رکھنے کے لئے تھا، جو مرد کی محنتوں کو یکجا صورت میں رکھ کر ان کو دن، مہینہ، اور سال میں تقسیم کرتی تھی۔ اگر عورت نہ ہوتی تو یقیناً زمانہ قدیم کا مرد صرف شکار کرتے کرتے تھک جاتا اور اس کو کبھی فرصت نہ ملتی کہ وہ اپنی محنتوں کے نتیجہ کو ایک جگہ جمع کر کے کچھ دنوں کے لئے آرام کر سکے۔ اگر مرد شکار کرتا تھا تو عورت اس کے ہر ہر جزو سے کام لے کر مرد کی محنت کو ٹھکانے لگاتی تھی، اور اگر مرد باہر چلا جاتا تھا تو وہ اس کی غیبت میں گھر کو سنبھالنے بچوں کی پرورش کرنے اور ان کو تربیت دینے میں اپنا وقت صرف کرتی تھی۔

ذیل کے واقعہ سے معلوم ہوگا کہ زمانۂ قدیم کی وحشی عورت معاشرت کو ترقی دینے کی کس قدر اہل تھی۔ اور وہ تنہا چھوڑ دیے جانے کی حالت میں بھی سب کچھ کر سکتی تھی۔ ہرن (Hearne) اپنی سیاحتِ کناڈا میں لکھتے ہیں کہ

"جنگل میں ایک دن صبح کو ہم لوگ شکار کی غرض سے جارہے تھے اتفاقاً جوتے کے نشانات زمین پر دیکھے۔ نشان سے معلوم ہوتا تھا کہ برف پر چلنے کا ایک بھدا جوتا تھا۔ لوگ سراغ لگاتے لگاتے چلے جارہے تھے۔ آخر کار بہت دور جاکر ایک جھونپڑا ملا جہاں ایک نوجوان عورت تنہا بیٹھی ہوئی تھی۔ جانچ سے معلوم ہوا کہ وہ مغربی حصۂ ملک کی لڑکی تھی، جسے اس ملک والوں نے ۱۷۷۰ء کے ایام گرما میں مقید کر لیا تھا، اور وہ دوسرے سال چھپ کر اپنے

ملک کو واپس جا رہی تھی، لیکن متعدد دریاؤں اور جھیلوں کے خم و پیچ میں راستہ بھول گئی اور اس نے یہیں جھونپڑا بنا لیا اور رہنے لگی۔ اس کے بیان سے معلوم ہوا کہ وہ سات مہینہ سے یہاں تنہا زندگی بسر کر رہی تھی، اور اس عرصہ میں ایک انسان بھی اس کو نظر نہ آیا تھا؛ اس عرصہ تک زندہ رہنے سے ظاہر ہے کہ جو طریقے اس نے فراہمی غذا کے لئے اختیار کئے، وہ کیا تھے۔ اس کی صحت نہایت اچھی تھی، اور جسم بہت توانا تھا۔ جب وہ بھاگی تھی تو اسکے پاس ہرن کی تانت کے کچھ ٹکڑے موجود تھے۔ جب وہ ٹکڑے جال بنانے اور کپڑا سینے میں صرف ہوگئے تو اس نے خرگوش پکڑ پکڑ کر، اس کی نسوں کی تانت بنائی، کھال کا لباس طیار کیا۔ جو لباس اس نے طیار کیا تھا وہ بہت گرم اور خوبصورت تھا، کیونکہ اس لباس میں اس نے جنگل کی بہت سی رنگیں پیداوار ٹانک کر عجیب وحشیانہ حسن پیدا کر لیا تھا۔ جو اوقات شکار سے بچتے تھے ان میں وہ بید کی چھالوں کے ریشے نکال نکال کر جال طیار کرتی تھی، تاکہ اس کی مدد سے مچھلیاں پکڑے۔ پانچ چھ انچ کا ایک لوہے کا چھلا، جس کو اس نے چاقو کی صورت میں تبدیل کر لیا تھا اور پتھر کا ایک ٹکڑا جس سے وہ دیا سلائی کا کام لیتی تھی۔ یہ سب تھے اوس کے

اوزار جن سے اُس نے برف پر چلنے کا جوتہ اور چند کارآمد چیزیں
تیار کرلی تھیں۔ آگ بنانے کے لئے اس کے پاس دو پتھر کے
ٹکڑے تھے، جن کی رگڑ سے چنگاریاں پیدا ہوتی تھیں، چونکہ یہ طریقہ
بہت دیر طلب تھا، اس لئے ایک بار آگ پیدا کرنے کے بعد
اُس نے پھر بجھنے نہیں دیا تھا۔"

اس بیان سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ وحشت میں عورتیں کیا کیا
کرتی تھیں، بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عہد تاریک میں کیسی عورتیں پیدا ہوتی
تھیں۔ علاوہ بریں اس سے اس رائے کی بھی تردید ہوتی ہے کہ وحشی عورتیں خود
اپنا کوئی خیال نہ رکھتی تھیں۔ زمانۂ قدیم سے جو فطری تعلق عورتوں کو حیات منزلی
سے چلا آتا ہے، وہی حقیقتاً معاشری ترقی کا باعث ہوا ہے۔

یہ ہم بیان کرچکے ہیں کہ عورت نے گھر کی بنیاد ڈالی یعنی جس طرح جانوروں
میں مادہ اپنے بچوں کے لئے گھونسلا یا بھٹ تیار کرتی ہے، اس طرح عورت
نے بھی سب سے پہلے زندگی کے اس اہم ترین مسئلہ کی طرف توجہ کی۔ پہلے اُس نے
غاروں کو تجویز کیا؛ لیکن وہاں دھواں گھٹ جانے کی وجہ سے آگ قائم نہ رہ
سکتی تھی، اس لئے اس نے ایسے غار تلاش کئے، جو دونوں طرف سے کھلے ہوتے
تھے۔ جب رفتہ رفتہ اس نے خیمے بنانے سیکھے، تو اُس نے پرانی لکڑیوں کو جلا کر
آگ کے مسئلہ میں بہت آسانی پیدا کی، اور کوئلہ تیار کرکے جس میں دھواں نہیں ہوتا

اس نے اپنے آرام کو اور زیادہ مکمل کر لیا۔ جب مکان مٹی اور پتھر وغیرہ کے بننے لگے، تو مرد نے تعمیر میں حفاظت کے مسئلہ پر غور کیا، اور عورت نے اپنی صنعت و حرفت کے لحاظ سے اوس کی تعمیر میں ویسی ہی رعایتیں رکھیں نہ صرف آج بلکہ زمانۂ قدیم میں بھی مرد اپنے مکان کو ایک قلعہ تصوّر کر کے رہتا تھا اور عورت اسے اپنی محنتوں اور صنعت و حرفت کی جگہہ خیال کر کے رہتی تھی، اور اس سے ہمارے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ عہد وحشت و سبعیت صرف جنسِ کرخت کے کارناموں کا نام ہے اور عہد صلح و آشتی عورت کی زندگی کی داستان۔

گھر کی زندگی میں تنور، دُود کش، باورچی خانہ، کھانے کا کمرہ، سونے کا کمرہ، یہ سب عورت ہی کے اختراعات ہیں جن پر اب تدریجی ترقی کے ساتھ گھر کی زیبائش و آرایش اور جسم کا آرام و آسائش منحصر ہے۔ اخلاقی نقطہ نظر سے جس وقت ہم عہد قدیم کی عورت کو دیکھتے ہیں تو اور زیادہ تعجب ہوتا ہے، کیونکہ بہت سے وہ معاصی جو مرد سے سرزد ہوتے تھے، عورت ہمیشہ اُن سے محترز رہتی تھی، امریکہ، افریقہ، ایشیا کے تمام وحشی مرد مُسکرات کا استعمال کیا کرتے تھے، لیکن عورتیں کبھی اُن کو نہ چھوتی تھیں۔ مسٹر ڈاج کا بیان ہے کہ سُکر و مخموری عورت کی صفت ہی نہیں ہے۔ میں نے اپنی تمام عمر میں عورت کو کوئی مُسکر چیز استعمال کرتے نہیں دیکھا۔ ہندوستان میں جنگلی اور چھوٹی قوموں کے مرد جو اب تک وحشی حالت میں پائے جاتے ہیں، شراب وغیرہ کا استعمال کثرت سے کرتے ہیں،

لیکن اُن کی عورتیں اُن سے بالکل محترز رہتی ہیں۔ بالکل یہی حال افریقیہ کا ہے،
اس کی وجہ پر غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ وحشت میں عورت، مرد سے
جدا اک خلوت کی زندگی بسر کرتی تھی اور اس کو اپنے کاموں سے اتنی فرصت ہی
نہ ملتی تھی کہ وہ تعیشات کی طرف متوجہ ہو۔ ایک خاندان گویا دو حصّوں میں منقسم
ہوتا تھا، ایک حصّہ جوان مردوں کا ہوتا تھا، دوسرا بچوں، عورتوں اور ضعیف مردوں
کا۔ وہ سیر و شکار، لہو ولعب میں مصروف رہتے تھے اور یہ انتظام خانہ داری
میں منہمک۔

قدیم مذہبی لٹریچر کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت معاشرت و تمدن میں
مرد کے دوش بدوش تھی۔

ویدوں کے عہد تہذیب میں عورتوں کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ رگ وید کے بعض
نہایت عمدہ گیت عورتوں ہی کے مرتب کئے ہوئے ہیں۔ اس زمانہ میں شادی ایک
نہایت متبرک چیز خیال کی جاتی تھی۔ شوہر اور بیوی، دونوں گھر کے مالک سمجھے
جاتے تھے، اور دونوں ساتھ پرستش کرتے تھے۔ اوس وقت بیوہ کے ستی ہونے
کا دستور نہ تھا، بلکہ اس کے برعکس رگ وید میں بیوہ عورت کو ہدایت کی گئی تھی کہ

"اے عورت اُٹھ، دنیائے حیات میں آ، تو نے اپنی خدمات
بحیثیت بیوی ہونے کے نہایت اچھی طرح انجام دی ہیں"[۵]

---

[۵] Hunter, Gaz. of India

یہ ظاہر ہے کہ معاشرتی ترقی، واعیات انسان کے تنوع پر منحصر ہے، اور وہی ذرایع جو خواہشات کو پورا کرتے ہیں، رفتہ رفتہ معاشرت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے زمانۂ قدیم کی عورت نے جیسی ترقی معاشرت میں کی، ظاہر ہے کیونکہ وہ نہ صرف مختلف فنون کے ذریعہ سے خاندان کی ضروریات کو پورا کرتی تھی، بلکہ بچوں کی تربیت بھی وہ اپنے ہی مشاغل کے نقطۂ نظر سے عمل میں لاتی تھی اور اقتصادی حیثیت سے بھی اُس کے فرائض کثیر تھے۔ آپ دنیا کی مختلف قوموں کی تاریخ قدیم کا مطالعہ کیجئے، تو آپ متحیر ہونگے کہ وہی عورت جو اس زمانہ میں ایسی بیکار و معطل نظر آتی ہے عہد ماضی میں کیسی نعمت و برکت سمجھی جاتی تھی اور اس کا اقتدار قوم کی سوسائٹی میں کس حد تک تسلیم کیا گیا تھا۔

چین میں زمانۂ قدیم کی عورت کو جو عزت حاصل تھی اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ چینی زبان کی ایک انسائیکلوپیڈیا (دائرۃ المعارف) میں ۱۶۲۸ ابواب میں سے ۳۷۶ ابواب میں صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ زمانہ قدیم کی چینی عورت کتنی صناعات کی مالک و مخترع تھی اور نیز یہ کہ اس کی ادبی قابلیت کس حد تک ممتاز و ممیّز تھی۔

برما میں زمانۂ قدیم کی عورت کا جو درجہ سوسائٹی میں تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ تجارت تمام عورتوں ہی کے ہاتھ میں تھی۔ مرد کو اُس سے کوئی تعلق نہ تھا اور ہر قسم کی تجارت عورت ہی انجام دیتی تھی۔ پھر اسی کے ساتھ اُن کی اخلاقی حالت

اس قدر درست تھی کہ کبھی اس کی شکایت نہیں سنی گئی، کہ صحیح النسل برما کی عورت نے اپنے شوہر سے بے وفائی کی ہو۔ تمام وحشی اقوام میں آسام کی کوکی قوم شاید بدترین قوم ہے، لیکن غذا مہیا کرنا، لکڑی جمع کرنا، کاتنا، بننا یہاں بھی عورت کے ہی سپرد ہے۔

شمالی ہند کی وحشی عورتیں، جن میں اب تک زمانۂ قدیم کے بہت سے مراسم پائے جاتے ہیں، کسی زمانہ میں عام طور سے اپنے شوہروں کو تجارت کے کام میں بہت مدد پہونچاتی تھیں۔ زراعت کا کام کرنا، خانہ داری کے انتظام کو دیکھنا، کاتنا، بننا، جانوروں کو چراگاہ میں لے جانا سب عورت ہی کا کام تھا اور ہے۔ مذہبی و قومی روایات بچوں کو سنانا، اور یاد کرنا عورتوں ہی کا فرض تھا۔ وہ یہ بھی دیکھتی رہتی تھیں کہ مرد قومی و مذہبی شعائر کا احترام رکھتے ہیں یا نہیں اگر کوئی شخص ان کی خلاف ورزی کرتا، تو عورت مذہبی پیشوا کو اطلاع دیتی، جو اس کی تلافی کی تدابیر بتاتا اور عورتیں اُن پر عمل کرتیں۔

جنوبی ہند میں بہت سی ہندو قومیں اب تک قدیم وحشیانہ حالت میں پائی جاتی ہیں اور اُن میں وہی مراسم اب تک دیکھے جاتے ہیں جو کسی وقت زمانۂ قدیم میں تھے۔ جو ہندو قومیں زیادہ مہذب ہوتی جاتی ہیں، ان میں عورت کا اقتدار کم ہوتا جاتا ہے، لیکن جو اب تک قدیم مراسم کے پابند ہیں، اُن میں عورت کا درجہ ہنوز بہت بلند دیکھا جاتا ہے۔ عورتیں ہی تمام مراسم مذہبی کو ادا کرتی ہیں، وہی

بچوں کو مذہبی اعتقادات و روایات سکھاتی ہیں، اور وہی اُن کی عملی زندگی کی
تربیت کی ذمہ دار ہیں۔ مرد کو دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، چنانچہ اُن میں ایک
مشہور مثل چلی آتی ہے کہ "مرد گھر سے باہر شیر ہے، لیکن گھر کے اندر لومڑی"

اینو Ainu قوم کی عورتیں، جو فی الحقیقت قدیم جاپان کی باقیات میں سے
ہیں، اب تک اپنی قدیم صناعات کی محافظ ہیں۔ زراعت کے کاموں سے جو وقت
بچتا ہے، اس میں وہ جنگلی ناریل اور چھال جمع کر کے گھر لاتی ہے، ناریل ایام سرما
کے لئے محفوظ رکھ دیے جاتے ہیں اور چھال کے ریشوں کو بٹ کر بننے اور سینے
کے کام میں لایا جاتا ہے۔ نیل کے درخت سے اکثر رنگنے کا کام لیا جاتا ہے۔ اس قوم
کی عورت کا تنہا فخر یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے لئے بہترین لباس تیار کرے۔
جب کسی دعوت میں شوہر گھوڑے پر سوار ہو کر جاتا ہے، تو عورت اُس کے پیچھے
پیچھے دوڑتی جاتی ہے تاکہ ضرورت کے وقت اُس کی خدمت کر سکے۔

آسٹریا ہنگری میں بوہیمیا (Bohemiah) قوم کی قدیم روایات سے
معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں عورت کا درجہ بہ لحاظ فراست و دانائی کتنا بلند
تھا۔ اُن کی ایک روایت ہے کہ "جب منارۂ بابل کی تعمیر میں خدا نے شکست
دی، تو کچھ لوگ دریا سے اوگرا اور مولدان کے درمیان حصۂ خشکی میں پہونچکر آباد
ہو گئے۔ چونکہ اس جماعت کے سردار کا نام بوہمس تھا اس لئے اس حصۂ ملک کا
نام بوہیمیا ہو گیا۔ پہلے ہر شخص اپنی جگہ آزاد زندگی بسر کرتا تھا، لیکن کچھ دنوں بعد

ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی سردار مقرر کیا جائے۔ چنانچہ کروسیو (Croces) منتخب کیا گیا۔ اس کی تین لڑکیاں تھیں، سب سے بڑی علم الادویہ کی ماہر تھی، دوسری اپنی مذہبی روحانیت کے لحاظ سے بڑا رتبہ رکھتی تھی، تیسری لبوسا اپنی فراست و دانائی میں مشہور تھی۔ جب کروسیو مرگیا تو لیبوسا اس کی جگہ سردار مقرر کی گئی۔" اس کی فراست و ذہانت کے واقعات کثرت سے اس قوم کی روایات قدیمہ میں پائے جاتے ہیں۔

حسب روایت ٹیسی ٹس (Tacitus) معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں جرمنی کے مرد اپنی عورتوں کی بڑی عزت کرتے تھے یہاں تک کہ انھیں دیوی سمجھکر کوئی کام اس وقت تک شروع نہ کرتے تھے، جب تک ان کا مشورہ حاصل نہ کرلیا جائے۔

پولو کی عورت، اس لحاظ سے کہ وہ بے انتہا محنتی، بے حد جفاکش اور بہت سی صناعات کی مالک تھی، زمانۂ قدیم میں ملکی تجارت وسیاست پر اپنا بہت بڑا اثر رکھتی تھی۔ وہ نہ صرف اپنی مصنوعات کو دور دراز مقامات تک لے جاکر فروخت کرتی تھی، بلکہ خود اس کے ملک میں بھی دُور دُور کے تاجر آتے تھے، اور اس کی مصنوعات کو جن میں مختلف قسم کے ظروف، کھانے اور متعدد اقسام کے کپڑے ہوتے تھے خرید کرلے جاتے تھے۔ عام طور سے تجارت عورتوں ہی کے ہاتھ میں تھی اور وہی سودا کرلی تھی۔ پولو کی عورت زمانۂ قدیم میں تجارت کے اصول سے اس قدر باخبر

تھی کہ وہ نہ صرف اپنی بنائی ہوئی چیزوں کی بڑی قیمت حاصل کرتی تھی بلکہ اپنی کفایت
شعاری وحسنِ انتظام سے چند دن میں معقول سرمایہ و دولت کی مالک ہو جاتی تھی۔
علاوہ اس کے وہ بہت حلیم و بردبار ہوتی تھی اور کیرکٹر کی مضبوطی بھی اس کی خاص
صفت تھی۔ وہ اپنے بچوں سے بہت محبت کرتی تھی، لیکن پیار میں ان کو خراب نہ
ہونے دیتی تھی اور تربیت کا خاص لحاظ رکھتی۔ وہ اپنے صحیح نسوانی اخلاق کے لحاظ
سے بھی بہت دلیر اور جری تھی۔ والپی (Walpi) کی پہاڑی پر زمانۂ قدیم کے
تصویری رسم خط میں ایک عورت کا حال درج ہے، جس نے صرف ایک کتے
کی مدد سے نواہو قوم کے مردوں کا مقابلہ کیا تھا۔ یہ عورت اپنی کھیتی کی حفاظت
کر رہی تھی کہ مردوں نے آکر اُسے گھیر لیا اور زبردستی گرفتار کر کے لے جانا چاہا
لیکن اس نے ان کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ وہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ مذہبی
زندگی میں بھی یہاں کی عورت کا بڑا اثر تھا۔ کوئی مذہبی رسم اوس وقت تک تکمیل
کے ساتھ ادا نہ ہو سکتی تھی جب تک عورت کا ہاتھ اُس میں شامل نہ ہو۔ ان کے
علم الاصنام میں کثرت سے دیویاں پائی جاتی ہیں۔ جن میں قریب قریب عورتوں
کے تمام مشاغل صناعات کو مذہبی نقطۂ نظر سے زندہ رکھنے کی کوشش کی گئی
ہے۔ کوئی نسائی صنعت ایسی نہیں ہے اور اس کی زندگی کا کوئی مشغلہ ایسا نہیں ہے جو
کسی روحانی قوت سے منسوب نہ ہو۔ ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ
زمانۂ قدیم میں یہ ریگستان وصحرا کی رہنے والی عورت تہذیب و تمدن کے ارتقا

میں کتنا حصہ لے رہی تھی۔

جزیرہ سنڈا (Sunda) اور سلی بیس Celebes کی عورتیں عہد قدیم میں مردوں کی بہترین مشیر تھیں اور تمام معاملات میں، خواہ وہ معاشرت سے متعلق ہوں یا تجارت سے، مذہب سے وابستہ ہوں یا صنعت و حرفت سے تا وقتیکہ عورت کی رائے نہ حاصل کر لی جاتی، مرد کبھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں کی عورتوں نے اپنی سوسائٹی کا یہ قانون مقرر کیا تھا کہ اگر کوئی عورت بیکار و معطل نظر آتی، تو ساری عورتیں اُس سے تعلق چھوڑ دیتیں اور اس سے کوئی بات نہ کرتا۔

مڈگاسکر میں معاشرت کے لحاظ سے عورت مرد کی ہم رتبہ سمجھی جاتی تھی۔ اگر کوئی مرد عورت کی توہین کرتا تھا، تو گاؤں کے مکھیا سے، جو ہمیشہ عورت ہوتی تھی، اطلاع کی جاتی تھی۔ یہ مکھیا عورت تحقیق کے بعد گاؤں والوں کو حکم دیتی تھی کہ مرد کو یہ سزا دی جائے اور اس حکم کی تعمیل ہوتی تھی۔

نیوگانا میں جب دو قوموں میں باہم جنگ ہوتی تھی تو وہ زخمی یا قیدی جس پر عورت اپنا ملبوس ڈال دیتی تھی، نہ ہلاک کیا جاتا تھا اور نہ اس کی آزادی چھینی جاتی تھی۔ خواہ وہ کتنا ہی زبردست دشمن ہو اور اس کی ہلاکت قوم کے لئے کتنی ہی مفید کیوں نہ ہو۔

الاسکا میں زمانہ قدیم کی عورت سوسائٹی پر بڑا اثر رکھتی تھی۔ اس کے اختیار میں

تھا، جب چاہے مردوں کو جنگ پر آمادہ کر دے اور جب چاہے صلح کرا دے۔
کوئی مجلس شوریٰ اس وقت تک نہیں مکمل ہو سکتی تھی، جب تک مردوں سے چہار چند
تعداد عورتوں کی شامل نہ ہو۔ اسی طرح مسی سپی کے مشرق میں نسب نامہ یاد رکھنا،
قبائل کی اجتماعی حیثیت کا قیام، صرف عورت پر منحصر تھا۔ وہی زمین و آسمان
کی مالک سمجھی جاتی تھی اور وہی تمام مشوروں کی روح رواں تھی۔ جنگ بھی اُنہی کے
حکم سے ہوتی تھی اور شرائط صلح بھی وہی منضبط کرتی تھی۔ غلام اُسی کی سپردگی میں
رہتے تھے اور وہی خاندانوں میں شادی کا انتظام کرتی تھی۔ بچوں کی تربیت اور
اُن کے مستقبل پر اُس کو پورا اقتدار حاصل تھا۔ یہ قومیں اب قریب فنا ہو گئی ہیں،
لیکن اب بھی جو افراد باقی ہیں، اُن کے دیکھنے سے قدیم عورت کے گزشتہ عروج
کا پتہ چلتا ہے۔

ہوپا قوم میں جب کوئی لڑکی جوان ہوتی تھی، تو ایک خاص رسم ادا کی جاتی تھی
یعنی وہ اپنی دادی کی نگرانی میں چھوڑ دی جاتی تھی۔ زمانۂ نگرانی میں وہ کسی طرف
نگاہ اُٹھا کر نہ دیکھ سکتی تھی وہ جھالر لگا ہوا لبادہ کرتا استعمال کرتی اور روزہ رکھتی تھی
اس کا یہ بھی فرض ہوتا تھا کہ وہ کوئی نامناسب بات اپنے مُنہ سے نہ نکالے اور
جھوٹ بولنا قطعاً ترک کر دے۔

جزائر پالینیشیا کی عورتیں اپنے بچوں کو جسمانی سزا کبھی نہ دیتی تھیں بلکہ اُن کی
تربیت، صرف اپنی عملی زندگی کا نمونہ پیش کر کے، عمل میں لاتی تھیں۔

جزیرۂ سموا میں بھی بچوں کی تربیت لطف و رافت سے عمل میں لائی جاتی تھی اور مائیں کبھی اپنی اولاد کو جسمانی سزا نہ دیتی تھیں۔ یہاں اور اس کے تمام اطراف کے جزائر میں یہ دستور تھا کہ گاؤں کی سب سے زیادہ ہوشیار عورت کو منتخب کر لیتے تھے اور اُسے "تاپو" کا لقب دیا جاتا تھا۔ اس عورت کے اختیارات گاؤں کی معاشرت پر بہت وسیع ہوتے تھے اور وہ سارے گاؤں کے لڑکوں، لڑکیوں کی فرمانروا سمجھی جاتی تھی۔ ایک بڑا جھونپڑا وسیع احاطہ میں بنا دیا جاتا تھا، اور یہیں وہ بچوں کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہتی تھی۔

جزیرۂ ماوری (نیوزیلینڈ) کی عورت، عہدِ قدیم میں بڑی صاحب اقتدار تسلیم کی جاتی تھی۔ زندگی کے تمام شعبوں میں وہ نہ صرف مردوں کی مشیر و رہنما تھی، بلکہ خود بھی مستقل طور سے ایک بڑی ذی اثر ہستی سمجھی جاتی تھی۔ وہ حالت جنگ میں مردوں کے دوش بدوش لڑتی تھی اور گاؤں کی حفاظت میں بڑا حصہ لیتی تھی۔ تمام معاملات میں خواہ وہ گھر سے متعلق ہوں یا قوم سے، امن سے وابستہ ہوں یا جنگ سے، عورت کا مشورہ ضرور حاصل کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی سردار مر جاتا تھا، تو اولادِ نرینہ نہ ہونے کی صورت میں، حق سیادت عورت ہی کو حاصل ہوتا تھا بچوں کی تعلیم و تربیت بالکل عورت کے سپرد تھی۔ وہ لڑکیوں کو نسائی صناعات اور لڑکوں کو مردانہ ورزشیں سکھاتی تھی اور اس تعلیم و تربیت کو ایک مذہبی حیثیت دے دی گئی تھی تاکہ ہر عورت اپنے بچوں کی تربیت پر مجبور رہو جائے۔

جزائر ملی نیشیا میں عورت کے حقوق بہت وسیع تھے اور تقسیم جائداد میں لڑکی کا حصہ بھی لڑکے کے برابر ہوتا تھا۔ ماں کا بڑا احترام کیا جاتا تھا اور ننھیال کے لوگ زیادہ عزیز سمجھے جاتے تھے۔ تمام معاملات عورت ہی کے مشورے سے طے ہوتے تھے۔ مرد کوئی خرید و فروخت نہ کر سکتا تھا، جب تک عورت کی اجازت نہ حاصل کر لیجائے عورت جو دولت اپنی محنت سے حاصل کرتی تھی، اس پر مرد کو کوئی اختیار نہ ہوتا تھا عورت اس سے تجارت کرنے یا جس طرح چاہے صرف کرنے کی مجاز تھی۔

جزیرۂ جاوا کی وحشی اقوام میں تجارت بالکل عورتوں کے ہاتھ میں تھی۔ رفلیس (Raffles) نے اپنی تاریخ جاوا میں لکھا ہے کہ یہاں کی عورتیں باوجود اس کے کہ جدید تہذیب سے بالکل ناآشنا ہیں، بے انتہا ایمان دار، وفادار و باحیا ہوتی ہیں۔ یہ بہت محنت کرتی ہیں اور کوئی لمحہ بیکار نہیں گزارتیں۔ یہاں کی دولت کا بڑا حصہ عورتوں کے قبضہ میں ہے، جسے وہ اپنی صنعت و حرفت اور قوتِ بازو سے حاصل کرتی ہیں مٹی کے برتن تیار کرنا اور کپڑا رنگنا ان کی خاص صنعت ہے، جو زمانہ قدیم سے ان میں رائج چلی آتی ہے[1]۔

لباس کے مسئلہ میں زمانۂ قدیم کی عورت، مرد سے زیادہ شائستہ تھی، جس کا ثبوت اس وقت بھی وحشی عورتوں کی وضع ملبوس کو دیکھکر مل سکتا ہے۔ جزیرہ انڈمان کے مرد بالکل برہنہ رہتے ہیں، لیکن عورتیں اپنے مخصوص حصۂ جسم کو ہمیشہ پتیوں سے ڈھکا

---

[1] Women of all nations

ہوا رکھتی ہیں۔ مرد صرف ایک پیٹی کا استعمال کرتے ہیں، لیکن عورتیں چار پانچ پیٹیاں استعمال کرکے اپنے حصہ جسم کو مستور رکھتی ہیں۔ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ جنوبی حصہ انڈمان کی عورتیں بہت شرمیلی ہوتی ہیں اور اپنے پتوں کا ملبوس وہ کسی کے سامنے نہیں اُتارتیں، یہاں تک کہ ایک عورت دوسری عورت کے سامنے بھی برہنہ نہیں ہوتی۔[1]

گودنا اختراع کرنے کے لحاظ سے عورت کو اوّلیت کا فخر حاصل ہے۔ اور عورت ہی پہلے اس کام کو انجام دیتی تھی۔

پالینیشیا میں جب مرد گودنا گدواتا تھا، تو اپنی بہن کی گود میں سر رکھ لیتا تھا، جو گاگا کر اس کی تکلیف کو کم کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ موسیقی کو تسکین پہونچانے کا ذریعہ بنانا عورت ہی کا اکتشاف ہے۔[2]

میجر آسٹن (Major Auston) صوبۂ بنگال کے جنوب میں پہاڑی قوموں کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "ان کی عورتیں بہت شرمیلی ہوتی ہیں، اور ہندوستان کی دیگر مہذب عورتوں کی طرح اپنے بدن کے کسی عضو کو نمایاں کرنا پسند نہیں کرتیں۔"

امریکہ کے تمام وحشی قوموں میں عورت کے ملبوس کا دامن مرد کے دامن سے زیادہ دراز ہوتا ہے۔ اسکیمو میں ہرن اور سیل مچھلی کی کھال کا جو ملبوس جو عورتیں

---

[1] Man, Andaman Islanders

[2] Bancroft, Native Races

اپنے لئے تیار کرتی ہیں ٹخنوں تک ہوتا ہے۔ مغربی ساحل کی عورتیں ارگن سے
لیکر خلیج کلیفورنیا تک ایک قسم کا لمبا لہنگا استعمال کرتی ہیں، جو چھال کے ریشوں اور
گھاس سے بنایا جاتا ہے۔ گرم ملکوں میں بھی عام طور سے عورتوں کا لباس بہت پڑ
کا ہوتا ہے۔ افریقیہ اور آسٹریلیا کی عورتیں بھی اس مسئلہ میں بہت باحیا اور شرمیلی ہیں[1]
الغرض جس قدر بغائر مطالعہ کیا جائیگا، ایک شخص اسی نتیجہ پر پہونچے گا کہ وحشی
قوموں کی ترقی و تہذیب زیادہ تر عورتوں کے ذریعہ سے ہوئی۔ جب وحشی مردوں
کے پاس تہذیب جدید آتی ہے تو تیر و کمان ان سے لے کر بندوق دیدیتی ہے،
لیکن اسی کے ساتھ جنگ کی ممانعت بھی کر دیتی ہے۔ وحشی مرد یہ معلوم کرکے مضمحل
و کاہل ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا کوئی اور کام ہی نہیں۔ لیکن وحشی عورت جدید تہذیب
سے آشنا ہو کر اپنی صنعت و حرفت میں ترقی کرنے لگتی ہے، کیونکہ جدید تہذیب اُن
کے گزشتہ زندگی میں کوئی اضافہ یا تغیر و تبدل کرنے سے معذور ہے۔

قدیم قوموں کے حالات مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت ادنیٰ درجہ
کی قوموں میں بھی عورتیں شریفانہ جذبات، اور اخلاقی جرأت رکھتی ہیں۔
سموا میں سرداروں اور خاص خاص لوگوں کی بیویاں صحرانوردی میں اپنے
شوہروں کا ساتھ دیتی تھیں تاکہ زخمی یا بیمار ہونے کے وقت ان کی تیمارداری کریں
وہ جنگ کے وقت بھی اپنے مخصوص اسلحہ کو لے کر مرد کے دوش بدوش لڑتی تھیں

[1] David Kerr Cross

دنیا میں جنگ کے وقت عورتوں کے دو گروہ ہو جاتے تھے۔ ایک گروہ مردوں کے ساتھ رہ کر نبرد آزمائی میں مصروف رہتا تھا اور دوسری جماعت پیچھے رہ کر رسد رسانی کی خدمت انجام دیتی تھی۔

ٹیسی ٹس (Tacitus) صدیوں قبل کا حال لکھتا ہے کہ

"جرمنی میں عورتیں بحالت جنگ مردوں کے ساتھ ساتھ رہتی تھیں، اور زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں جب وہ دیکھتی تھیں کہ ان کے مرد پیچھے ہٹ رہے ہیں تو وہ اُن کو غیرت دلاتی تھیں اور ایک نیا جوش انمیں پیدا کر دیتی تھیں۔ جب مارکس آریلیس (Marcus Aurilious) نے مارکمانی کوا ڈی (Marcommani Quadi) کو شکست دی ہے تو مقتولین میں مسلح عورتوں کی بھی کافی تعداد پائی گئی تھی۔"[1]

عرب میں بھی زمانہ جاہلیت کی عورتیں مردوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہو کر لڑتی تھیں، اور اشعار رجز سے مردوں کے اندر حمیت و غیرت کے جذبات پیدا کر کے جنگ پر آمادہ کرتی تھیں۔

ہالینڈ کی قدیم تاریخی روایات میں جس نے کناہسلار کا حال پڑھا ہے، وہ سمجھ سکتا ہے، کہ کس طرح ایک عورت نے صرف تین سو عورتوں کی مدد سے، سخت خونریز

---

[1] Tacitus Germania

لڑائی میں، ہالینڈ کو اسپین والوں کے قبضہ سے بچالیا۔

جزیرۂ جاوا میں ایک قوم بالی کے نام سے مشہور ہے۔ زمانۂ قدیم میں اس کی عورتیں اس قدر غیور تھیں کہ جب ڈچ فوج نے اُن کے گانوں کا محاصرہ کیا ہے، تو قریب قریب تمام عورتوں نے خودکشی کرلی اور اس کو گوارا نہیں کیا کہ غیر مردوں کے قبضہ میں چلی جائیں۔

قدیم جاپان میں ایک طبقہ عورتوں کا سمورائی کے نام سے مشہور تھا۔ ان کو فنونِ حرب بھی سکھائے جاتے تھے قلعوں کی حفاظت، دشمن کی مدافعت یہ نہایت عمدگی وکامیابی کے ساتھ کرتی تھیں۔ اس طبقہ کی عورتیں اب بھی جاپان میں پائی جاتی ہیں لیکن بہت کم اور اس خصوصیت سے بالکل معرّا۔

شمالی البانیا میں کسی وقت یہ دستور قایم تھا کہ ایک عورت اگر چاہے تو مرد بن سکتی تھی۔ اس کے لئے اُسے پہلے ایک مذہبی عہد لینا پڑتا تھا اور اس کے بعد وہ مردانہ لباس اختیار کرلیتی تھی اور سر کے بال صاف کراکے ہتیار اُٹھالیتی تھی۔ جنگ کے زمانہ میں برابر مردوں کے ساتھ لڑتی تھی اور تمام عمر اس کو تجرد میں گزارنی پڑتی تھی۔ اگر کبھی اس کے کوئی اولاد ہوجاتی تھی، تو وہ معہ بچہ کے ہلاک کردی جاتی تھی اور اُس بچہ کا باپ بھی مار ڈالا جاتا تھا اگر پتہ چل جائے۔[ف]

ہندوستان کی تاریخِ قدیم میں بھی عورتوں کے محاربانہ کارنامے کثرت سے

Women of all Nations. [ف]

پائے جاتے ہیں۔ الغرض معاشرت کے متعلق کوئی شعبہ ایسا نہیں نظر آتا، جس کی ترقی
میں عورت نے حصہ نہ لیا ہو۔ اخلاق ہو یا اقتصاد، زراعت ہو یا تجارت، صنعت و
حرفت ہو یا مذہب و سیاست عہدِ امن و صلح ہو یا زمانہ حرب و جنگ، عورت نے
سب میں اپنی ہستی کو ضروری تسلیم کرا دیا ہے بعض شعبے تمدن کے مثلاً اقتصاد و
صنعت تو بالکل اس کی ذات سے قایم ہوئے اور اُسی نے ان کو ترقی تک پہونچایا
ہم مختلف ممالک کے اُن زمانوں کا ذکر نہیں کرتے، جب عورتوں کے زیر سیادت
اونھوں نے بڑی بڑی ترقیاں حاصل کیں، کیونکہ یہ بیان ایک مستقل تصنیف چاہتا
ہے جو غالباً اس کتاب کا حصہ ثانی ہو گی، لیکن یہاں یہ اشارہ غالباً خلاف محل نہ
ہو گا کہ انگلستان نے، جو اس وقت دنیا کے مہذب ترین ممالک میں شمار کیا جاتا
ہے صرف عورتوں ہی کے عہد میں نمایاں ترقی حاصل کی، اور اسی عہد کے برکات
واثرات ہیں کہ اس وقت ہم اُس کے ارتقاء کو اس قدر بلند و ممتاز پاتے ہیں۔

دسویں فصل

مذہب اور عورت

عالمِ روحانیت سے متعلق کوئی خیال قائم کرنا اور اس خیال کے ماتحت افعال کا سرزد ہونا، ان دونوں کا مجموعہ مذہب کہلاتا ہے جو خیال قایم کیا جاتا ہے اُسے عقیدہ کہتے ہیں اور جو افعال بر بنائے عقیدہ ہم سے ہوتے ہیں، انھیں شعائر سے تعبیر کرتے ہیں۔ الغرض دنیا کا کوئی مذہب عقائد و شعائر سے زائد کوئی چیز نہیں ہے۔ یوں تو مرد و عورت کا مذہب ہر زمانہ میں اس لحاظ سے کہ ان کے عقائد و شعائر کتب مذہبی کے زیر اثر مشترک رہے ہیں، ایک ہی رہا ہے لیکن عمل کے لحاظ سے اور اس تفاوت کے اعتبار سے جو دو مختلف جنسوں میں پایا جاتا ہے، مرد و عورت کا مذہب شعائر کے لحاظ سے بالکل یکساں نہیں رہا، اس لئے زمانہ قدیم میں وحشی عورت کے خیالات عالمِ روحانیت کے متعلق معلوم کرنا غالباً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اُس کے لئے یہ خیالی دنیا بہت قریب تھی، اور وہ سمجھتی تھی کہ اُس کا آسمان اُس کے چشمہ یا پہاڑ کے متصل واقع ہے، اور وہاں عورتیں ہی عورتیں رہتی ہیں۔

اس خیال کے زیر اثر نہ صرف عورتوں نے بلکہ مردوں نے بھی اپنے اخلاق کو بہت کچھ درست کر لیا تھا، کیونکہ اس باب میں مردوں کے خیالات بھی عورتوں کے عقائد سے زیادہ مختلف نہ تھے۔ یقیناً اس نوع کے خیالات مذہب کی صرف ظاہری سطح سے متعلق تھے، اور حقیقت سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، لیکن یہ ضرور ہے کہ عورت مذہبی خیالات سے زیادہ متاثر ہوتی تھی، اور شعائر مذہبی بہ نسبت مرد کے زیادہ پابندی کے ساتھ ادا کرتی تھی، چونکہ عورت جلد متاثر ہو جانے والی طبیعت لیکر پیدا ہوئی ہے، اس لئے اس پر خیالات مذہبی کا فوراً موثر ہونا یقینی تھا، اور چونکہ شعائر و افعال انھیں خیالات کے ماتحت سرزد ہوتے ہیں، اس لئے عورتوں کے اخلاق پر بھی اس کا اثر زیادہ قوی و مستحکم ہوتا تھا۔

زمانۂ قدیم میں مذہبی خیالات کے وسعت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ عورت کے نزدیک ہر وہ چیز جو اس کے لئے نامعلوم تھی، ایک دیوی تھی، اور ہر وہ منظر جو اُس کے لئے ناقابل فہم تھا، خدا تھا۔ وہ چلتی تھی اور کہتی تھی کہ دیوتا اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ وہ بات کرتی تھی اور یقین رکھتی تھی کہ دیویاں سن رہی ہیں۔ الغرض اس کے تمام افعال و حرکات میں مذہب کا ہمہ گیر خیال کام کرتا تھا، اور وہ اپنی ادنیٰ سی جنبش کو اُسی کے زیر اثر سمجھتی تھی۔ جب رفتہ رفتہ عقل میں پختگی آتی گئی، تجربات وسیع ہوتے گئے، اور سائنس نے اپنا قدم حقائق موجودات و معرفت اشیاء کی طرف بڑھایا، تو ایک ایک کر کے وہ تمام نامعلوم

اشیار جو پہلے دیویاں یا دیوتا سمجھی جاتی تھیں، محقق ہوتی گیئں، اور مذہب کی وقعت کم ہوتی گئی۔

گزشتہ صفحات میں صنعت وحرفت اوزار وآلات وغیرہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا اور بتایا گیا ہے کہ زمانۂ قدیم میں عورت نے صنعت وحرفت وحیات منزلی کے متعلق کتنی اختراعات سے کام لیا، اور اس طرح صحیح معاشرت کو کیونکر وسعت دی، لیکن یہ بیان نامکمل رہیگا اگر یہ ظاہر نہ کیا جاے کہ عورت کا کوئی کام اس خیال واعتقاد سے خالی نہ تھا کہ خدایا دیوتا اُسے دیکھ رہا ہے یہانتک کہ وہ کپڑے بھی دہوتی تھی تو اس خیال کے زیر اثر اور کھانا پکاتی تھی تو بھی اسی اعتقاد کے ماتحت پھر یہ مذہبی خیال اسقدر حاوی تھا کہ وہ معمولی سے معمولی کام کو شروع نہیں کرتی تھی تا وقتیکہ وہ اس کے متعلق پہلے کچھ مراسم ادا نہ کرلے کیونکہ بصورت دیگر دیوتاؤں کی برہمی کا ڈر تھا۔ ساعت، شگون وغیرہ ہر ہر بات میں دیکھا جاتا تھا، اور یہ یقین تھا کہ اگر کسی کی آدمی ابتداء کرنے میں تمام تمہیدی مراسم مذہبی ادا نہ کیے گئے، تو وہ کام کبھی انجام کو نہ پہونچے گا۔ زمانہ قدیم کے مردوں اور عورتوں کے اعتقادات روحانی عالم کے متعلق منحصر تھے ان کے اس دنیا کے علم پر یعنی جس طرح وہ اس دنیا کو دیکھتے تھے، اسی طرح وہ دوسری دنیا کو بھی سمجھتے تھے، اور چونکہ اس دنیا کے متعلق بھی ان کی معلومات وتجربات بہت محدود تھے، اس لئے وہ عالم روحانیت کو بھی اسی ناقص طریق سے سمجھتے تھے۔ وہ آسمان کو

دیکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہاں بھی ویسی ہی آبادی ہے جیسی زمین پر اور وہاں
کے لوگ بھی قبیلے، ملازم، گھر، کھیتیاں، وغیرہ رکھتے ہیں۔ ان کا یہ بھی اعتقاد
تھا کہ اس دنیا کے آدمی وہاں کے لوگوں سے بعض معاملات و تعلقات جاری
رکھ سکتے ہیں۔ وہ یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ قسمت انسانی کا تعلق دونوں عالموں سے
یکساں ہے، کیونکہ فنا ہونے کے بعد وہیں جانا ہے اور تمام اقوام کے علم الاصنام
میں اُس عالم کے بالتفصیل حالات بیان کئے جاتے ہیں۔

اُن کے شعائر یا مراسم پرستش چند خاص امور پر مشتمل تھے، مثلاً سوسائٹی کی تقسیم
مذہبی و مقدس لوگوں اور مقامات کی تفریق، مذہبی آدمیوں کے افعال و حرکات
کی تخصیص، جیسے ریاضت، قربانی، دعا، روزہ وغیرہ۔ مذہبی زندگی میں دنیاوی
زندگی کی نقل کرنے اور بعض انسانوں کو موجودات عالم روحانی سے وابستہ سمجھنے
سے بت پرستی و بت سازی کا رواج شروع ہوا، جس کی تاریخ تاریخ انسانی سے
کم وسیع نہیں ہے۔

قدیم تاریخی زمانہ کی دیویاں جو مشترک اقوام کی خیالی فردوس کو معمور کئے ہوئے
تھیں، وہ زمانہ وحشت کے عورتوں کی جائز اولاد تھیں، جو اس عقیدہ کی بنا پر کہ
عالم ارواح کو عالم آب و گل سے براہ راست تعلق حاصل ہے، دیویاں سمجھی جاتی تھیں
ان قدیم پجاریوں کے نزدیک تمام اجرام فلکی عورت تھے یا مرد تھے، یعنی اُن
میں سے کسی کو مرد سمجھتے تھے، اور کسی کو عورت، جو تحقیق کے لئے ایک دلچسپ

مسئلہ ہے۔ یہ یقینی ہے کہ وہ عالم ارواح کو بھی بالکل دنیا کی طرح سمجھتے تھے اور وہاں کے تمام کاروبار کا قیاس، یہاں کے کاروبار پر کرتے تھے۔ جس طرح دنیا میں مرد وعورت کے کاموں کی دو تقسیمیں: صحرائی و منزلی تھیں، اوسی طرح وہ آسمان میں بھی سمجھتے تھے کہ وہاں کے مرد شکار کیا کرتے ہیں، اور عورتیں گھر میں بیٹھکر انتظام خانہ داری و ترقی صنعت و حرفت میں مصروف رہتی ہیں۔ اس لئے ظاہر ہے کہ جن اجرام فلکی کو وہ محاربانہ حیثیت دیکھتے ہوں گے انھیں مرد خیال کرتے ہونگے اور جن کو معاشری ترقی کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہوں گے اونھیں عورت سمجھتے ہونگے اور چونکہ معاشری پہلو زندگی کا بہت وسیع ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ دیویوں کی کثرت کا خیال ان میں پیدا ہوا ہوگا۔

اگر تم کسی قوم کی تاریخ معلوم کرنا چاہتے ہو تو اس کے علم الاصنام کو دیکھو کیونکہ علم الاصنام حقیقتاً آئینہ ہے ان کی تاریخ حیات کا یا بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ جس طرح ایک قوم کی زندگی گذرتی تھی اسی طرح وہ آسمانی دیوتاؤں اور دیویوں کی زندگی کو سمجھتے تھے، پھر چونکہ کوئی حقیقی اور یقینی تفریق زمانۂ قدیم کے مرد و عورت کی خدمات میں قائم نہ تھی، اس لئے زمانۂ وحشت کی بعض دیویاں ایسی بھی دیکھی گئی ہیں جو مسلح ہیں اور بعض دیوتا ایسے جو انتظام خانہ داری وغیرہ میں مصروف ہیں۔ لیکن عام طور سے یہی عقیدہ پایا جاتا تھا کہ آسمانی دیویاں دونوں عالم کی کاروباری زندگی کی سرپرست ہیں۔ مسٹر لینگ کہتے ہیں کہ

"مہذب اقوام کے علم الاصنام میں جو باتیں خلاف عقل پائی جاتی ہیں وہ حقیقتاً وہی ہیں جو زمانہ قدیم کے علم الاصنام سے انھیں حاصل ہوئی ہیں اور اُس عہد میں وہ تمام باتیں عین عقل کے مطابق سمجھی جاتی تھیں۔

بہرحال زمانہ وحشت کا مذہب بالکل انعکاس تھا روز کی زندگی کا اور جو فرائض مرد و عورت کے اس دنیا میں تھے، وہی عالم ارواح کے دیوتاؤں اور دیویوں سے منسوب کئے جاتے تھے اور اس لئے ظاہر ہے کہ عورتوں اور اُن کے کاموں کو دیویوں سے منسوب کرکے اگلی مخلوق نے صنف لطیف کے کارناموں کو کس طرح غیر فانی بنا دیا۔

اب یہ امر غور طلب ہے کہ عالم روحانیت کے متعلق محض عورت کے خیالات و اعتقادات مرد سے قطع نظر کرکے، کیا تھے۔ اس کے متعلق جب غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آسمانی دیویوں کی جو صورتیں زمانہ قدیم کے مردوں نے بنائی تھیں، وہ دنیا کی عورتوں کے مماثل ہوتی تھیں اور عورتیں جو صورتیں ترتیب دیتی تھیں اُن میں خود اُن کی قوت متخیلہ و مصورہ بہت کام کرتی تھی، اور اس لئے علم الاصنام کے اختراع میں مرد و عورت دونوں برابر کے شریک تھے، لیکن اس میں کلام نہیں ہو سکتا کہ اس کا حسین و دلکش پہلو صرف عورت کی وجہ سے قایم تھا کیونکہ نہ صرف اس کی صورتوں سے دیویوں کی صورتیں اخذ کرکے علم الاصنام میں دلکشی

پیدا کی گئی، بلکہ خود عورت نے اپنے اختراعات صورت گری سے اس میں بہت ترقی پیدا کی اور بہت سے افسانے اپنی منزلی زندگی اور معاشری مشاغل کے جن کا تعلق کھیتوں، باغوں، چشموں، دریاؤں اور نہروں کے ذریعہ دیویوں سے منسوب کرکر کے علم الاصنام کو نہ صرف لٹریچر سے مالا مال کر دیا، بلکہ اس میں وہ شگفتگی و دلکشی پیدا کر دی جو اُن کے مذہب کی حقیقی روح سمجھی جا سکتی ہے۔ پھر عورتوں نے یہی نہیں کیا کہ انھوں نے علم الاصنام کے بہت سے افسانے تصنیف کیے، بلکہ اس کی اشاعت بھی انھی کی ذات سے ہوئی، اور وہ اس طرح کہ غلامی اور مال غنیمت ہونے کی حیثیت سے، وہ مختلف ممالک میں ادھر سے اُدھر منتقل ہوتی رہی اور جہاں جہاں گئی اپنے مذہبی اعتقادات کو ساتھ ساتھ لے گئی، اور یہ معتقدات اپنا وطن اور مرز و بوم چھوڑنے پر فسانہائے علم الاصنام ہو گئے۔ اسی طرح جو معتقدات پہلے سے افسانے بن چکے تھے، وہ بجنسہ ایک قوم سے دوسری قوم میں منتقل ہوتے گئے، اور اس سے اس نظریہ پر روشنی پڑتی ہے کہ علم الاصنام کی علّت حقیقی تمام اقوام میں مشترک ہے۔

بعض مشاغل جیسے برتن بنانا، بُننا، تربیت اطفال وغیرہ تمام اقوام عالم کی عورتوں میں مشترک پائے جاتے ہیں، اس لئے کسی قوم کے علم الاصنام کو ان مشاغل کے متعلق افسانوں سے خالی نہ پاؤ گے، اور ایسا ہونا چاہیے کیونکہ عورت جن مشاغل میں منہمک رہتی تھی انھیں کے رات دن وہ خواب دیکھتی تھی اور نہ صرف

زمین بلکہ آسمانی دنیا کو بھی وہ انھیں مشاغل سے آباد پاتی تھی، پھر جب اس کی ذہانت نے انسانی حالات کو مذہبی رنگ دینا چاہا، تو ظاہر ہے کہ اُس نے اپنے مشاغل پر سب سے پہلے توجہ کی ہوگی اور مذہبی عُنصر نہایت قوت کے ساتھ اُن میں پیدا کیا ہوگا۔

ابھی ابھی یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ مختلف ممالک میں ان مذہبی معتقدات کی اشاعت میں عورت نے بہت بڑا حصہ لیا کیونکہ وہ غلامی میں ادھر سے اُدھر منتقل ہوتی تھی، اور بطور مالِ غنیمت ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہونچتی تھی، لیکن جپسی (خانہ بدوش) قوموں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمانہ قدیم سے سیر و سیاحت کے عادی ہیں اور مسٹر لی لینڈ (Leland) کی تحقیق ہے کہ روئے زمین کے تمام اقوام سے زیادہ جپسی قوموں نے اشاعت علم الاصنام میں مدد کی، چنانچہ آج بھی، دعا، تعویذ، گنڈا، پیشین گوئی وغیرہ بطور پیشہ کے اُن میں رائج ہیں۔ ان میں زمانۂ قدیم سے اک ایسی خاص دماغی قوت پائی جاتی ہے کہ اس کے استعمال سے وہ لوگوں کے خیالات امیال و عواطف معلوم کرنے میں بہت مشاق ہوگئی ہیں، اور بسا اوقات ان کی پیشین گوئی سے جو صحیح بھی ہوتی ہے سخت حیرت ہوتی ہے۔ بہرحال اشاعت مذہب میں زمانۂ قدیم کی عورت نے بہت مدد کی اور اب بھی وحشی اقوام کی عورتیں اپنے مذہبی مراسم سے بہ نسبت مردوں کے نہ صرف زیادہ واقف ہیں، بلکہ اکثر و بیشتر مراسم مذہبی انھیں سے متعلق

ہیں، اور مردان میں بہت کم حصّہ لیتا ہے۔

قریب قریب تمام اقوام عالم میں دیکھا جاتا ہے کہ ایک شخص کے مرنے کے بعد عورتیں ہی مردہ کے چاروں طرف جمع رہتی ہیں اور جس طرح بچہ پیدا ہونے کے وقت عورت ہی انسانی روح کا خیر مقدم کرتی ہے، اسی طرح موت کے وقت اس کو خیرباد بھی کہتی ہے۔ مردہ کے چاروں طرف عورتوں کا اجتماع بہت زمانۂ قدیم سے رائج چلا آتا ہے اور اب بھی وحشی اقوام میں مختلف مراسم جن کا تعلق مردہ کے جسم سے ہوتا ہے، عورت ہی انجام دیتی ہے۔ قبر کے پاس بیٹھکر آگ جلانا، گرسنہ و تشنہ روحوں کے لئے کھانا اور پانی لانا، اپنے بالوں کو قطع کرا دینا، بدن کو زخمی کرنا تاکہ خراب روحیں گھبرا کر چلی جائیں اور بہت سے مراسم صرف عورت ہی کے سپرد ہیں۔

برول سیو (Brule Sioux) میں مردہ کو قیمتی کپڑوں میں ملفوف کرنا، ارتھی بناکر مردہ کو اسپر لٹانا عورت ہی کے ذمہ ہے۔ امریکہ کے وحشی اقوام میں جب کوئی مرجاتا ہے تو اعزا و احباب جمع ہوتے ہیں اور سخت ماتم کیا جاتا ہے۔ یہ نوحہ و ماتم کرنا زیادہ تر عورت ہی کا کام ہوتا ہے، اور بعض اوقات انتہائی الم کے اظہار میں پتھر کے نوکدار ٹکڑوں سے اپنے جسم کو جابجا زخمی کر لیتیں ہیں اور پھر اس کے بعد مرنے والے کے اعزا کے پاس رہ کر دس دن تک عورتوں کو مختلف مراسم ادا کرنے پڑتے ہیں، مثلاً بہت سویرے بیدار ہو کر دن بھر سخت محنت کرنا بہت

کم غذا کھانا، جلد سو جانا، لہو ولعب و تفریح کے مشاغل سے احتراز کرنا، آرائش ترک کر دینا، دس دن تک مسلسل کسی پہاڑی کی چوٹی پر جا کر مردہ کا ماتم کرنا۔ قبروں کے پاس آگ روشن کرنے کا رواج بہت قدیم ہے اور یہ خدمت بھی عورت ہی کے سپرد ہوتی تھی، جو رات رات بھر صحرا میں تنہا بیٹھی ہوئی آگ کو روشن رکھتی تھی۔[۱]

کلیفورنیا کی اقوام میں جب کوئی بچہ مرجاتا ہے تو ماں ایک سال تک روزانہ اس جگہ جاتی ہے جہاں بچہ کھیلا کرتا تھا، یا جہاں اُس کا جسم جلایا گیا ہے، اور وہاں اپنا دودھ نکال نکال کر چاروں طرف چھڑکتی ہے، اسی کے ساتھ وہ چیخ چیخ کر ماتم کرتی ہے، اپنے بچہ سے واپسی کی درخواست کرتی ہے، کبھی کبھی نہایت غم آلود گانا گاتی ہے، اور نہایت وحشیانہ رقص بھی کرتی ہے۔[۲]

زونی عورت کے متعلق مسٹر فرینک کشنگ (Frank Cushing) بیان کرتے ہیں کہ "وہ مردہ کا سر دھوتی ہے اور پھر پانی کا گھڑا توڑ کر پانی بہا دیتی ہے

پالی نیشیا (Polynesia) کی عورتیں مردہ پر سخت ماتم کرتی تھیں، اپنے بالوں کو نوچتی تھیں، کپڑے پھاڑ ڈالتی تھیں اور اپنے بدن کو بُری طرح زخمی کر دیتی تھیں، شارک مچھلی کے تین چار دانت بید کے ایک ٹکڑے میں باندھ دیے جاتے تھے اور اس سے جلد میں شگاف دے دے کر خون نکالتی تھیں، اور ہر عورت کو یہ

استدراک

۱؎ Yarrow, First An: report

۲؎ Powers, Cont. to Ethnol

اوزار بھی اسی غرض کے لئے جہیز میں دیا جاتا تھا۔ انڈمان کی عورت بچہ کی موت پر اپنا سر، گردن، کلائیاں وغیرہ رنگتی ہے، سر منڈوا ڈالتی ہے اور وہ بچہ کے گھٹنوں کو ٹھوڑی سے ملا کر ہتیلیوں کو شانہ کے پاس لے جا کر سمیٹ دیتی ہے اور پھر اُسے بڑی بڑی پتیوں میں لپیٹ کر چاروں طرف کس دیتی ہے۔ باپ قبر کھودتا ہے اور بچہ کو دفن کر دیتے ہیں۔ کچھ زمانہ کے بعد قبر کھود کر ہڈیاں نکال لی جاتی ہیں۔ ماں جمجمہ کو رنگ کر ایک ڈور کے ذریعہ سے اپنی گردن میں لٹکا لیتی ہے، اور دوسرے ہڈیوں کے بہت سے ہار گوندھ کر اعزا و احباب میں تقسیم کئے جاتے ہیں[1]۔ جب کوئی جوان آدمی مرجاتا ہے تو عورتیں ہی تمام مراسم ماتم وغیرہ ادا کرتی ہیں۔ مرد صرف قبر کھودتا ہے[2]۔

عورتوں کو مردہ شوہروں کے ساتھ ہلاک کر ڈالنے کا رواج بہت ممالک میں پایا جاتا تھا۔ ہندوستان میں عورت کے ستی ہوجانے کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔

موت کے متعلق عورت کے تمام مراسم پر جسوقت غور کیا جاتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام مراسم عورت کے انھیں مشاغل سے متعلق ہیں، جو اُس کے لئے حیات منزلی کے سلسلہ میں مخصوص ہیں۔ اس لئے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ مذہب کی بنیاد ہی زمانہ قدیم میں ضروری مشاغل حیات پر قایم ہوئی اور چونکہ عورت

---

[1] Ellis. Polynes Researches

[2] J. Anthrop Inst. London

کے مشاغل اس باب میں زائد وکثیر تھے، اس لئے عورت کا حصہ وجود واشاعت مذہب میں قدرتی طور سے زیادہ ہونا چاہئے تھا۔

مذاہب عالم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کسی قوم میں عورت کو مذہبی فرماں روایا پیشوا ہونے کا موقعہ نہیں ملا۔ ہر چند زمانہ وحشت میں بھی عورت کا مذہبی رہنما ہونا کہیں نہیں پایا جاتا، لیکن اُن کی مذہبی سیادت کسی نہ کسی حد تک ضرور تسلیم کی جاتی تھی۔ اگر وہاں کوئی ساحر ہوتا تھا تو ساحرہ بھی پائی جاتی تھی، بلکہ بہ نسبت مردوں کے عورتیں اس مسئلہ میں زیادہ خطرناک سمجھی جاتی تھیں، کیونکہ وہ زیادہ بولنے والی اور اچھا کھانا پکانے والی تھیں، اس لئے خیال کیا جاتا تھا کہ وہ ارواحِ خبیثہ کو اپنے منتروں اور غذاؤں سے اچھی طرح مالوف کرسکتی ہیں۔

زمانۂ قدیم میں جب باہم اقوام میں جنگ ہوتی تھی تو عورتیں بھی ساتھ ساتھ جاتی تھیں، اور ان کے ساتھ ایک ضعیف عورت بھی ہوتی تھی، جو بہ حیثیت ساحرہ ہونے کی جنگ کی مختلف تدابیر بتاتی تھی، اس کا ملبوس سفید ہوتا تھا، کمر میں پیٹی ہوتی تھی اور پاؤں برہنہ۔ اس کے حکم سے قیدی ذبح کیے جاتے تھے، اور وہ خون کی روانی کو دیکھ کر جنگ کے متعلق پیشین گوئی کرتی تھی۔[1]

جب سیزر نے اپنے قیدیوں سے دریافت کیا کہ اریووسٹس (Ariovistus)

---

[1] Woman's share in Pr: Cult

نے کیوں مقابلہ نہیں کیا تو انھوں نے کہا کہ ساحرہ عورتوں نے (جو جرمن اقوام کے ساتھ ساتھ جنگ کے موقع پر پیش گوئیاں کرتی تھیں) کہہ دیا تھا کہ مہینہ ختم ہونے سے پہلے قبل طلوعِ ہلال اگر جنگ کی جائیگی تو شکست ہوگی[۱]۔

زمانۂ قدیم میں مذہبی علاج کرنے والے بھی تھے اور اس فن میں عورتیں بہت مشاق تھیں، شمالی کلیفورنیا میں شاستا (Shasta) قوم کی عورتیں خصوصیت کے ساتھ اس فن میں مشہور تھیں اس علاج کے لئے ایک مخصوص مکان ہوتا تھا، جہاں ناواقف مردوں کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ عام طریقہ یہی تھا کہ عورتیں مرد کے بیمار حصۂ جسم کو چوستی تھیں، یہاں تک کہ خون نکل آتا تھا۔ تشخیص مرض کے لئے وہ بیمار کے پاس بیٹھ کر دیر تک کتے کی طرح بھونکتی تھی، یہاں تک کہ عالم روحانی سے اس کو القاء ہوتا تھا اور وہ جان لیتی تھی کہ کیا مرض ہے[۲]۔

گبس (Gibbs) نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ "ایک بیمار کے گرد چار جوان عورتیں کھڑی ہوئیں اور پھر چار ضعیف عورتیں آئیں، اور سب نے مل کر اس کے پاس طرح طرح کی حرکتیں شروع کیں، منہ چڑھانا، بدن کو توڑنا مروڑنا، یہاں تک کہ وہ تھک گئیں، اور پھر بیٹھ کر مریض کے جسم کو چوسنا شروع کیا۔ جب مریض کے سارے جسم پر آبلے پیدا ہوگئے تو ان کو ہاتھوں اور پاؤں سے توڑنا، ملنا، رگڑنا شروع کیا، اور اس میں اس قدر محنت کی کہ وہ بالکل خستہ ہوگئیں۔ اس کے بعد

---

[۱] Caesar. Bell. Gall

[۲] Bancroft, Native Races

وہ گر پڑیں گویا بیہوش ہو گئی ہیں، اور اس طرح علاج ختم کیا گیا[1]۔

مسز پارکر (Parker) ایک قصہ بیان کرتی ہیں، کہ ایک عورت اُنکے پاس مہمان ٹھیری ہوئی تھی کہ دفعتہً بیمار ہو گئی محض تفریح کے لئے، وہاں کی ایک ضعیف عورت جو سحر اور ٹوٹکے کے ذریعہ سے علاج کرنے میں بہت شہرت رکھتی تھی، بلائی گئی۔ اس نے بہت سے مراسم ادا کرنے کے بعد کہا کہ اس نے کسی منگاہ درخت کے نیچے غسل کیا ہے۔ چونکہ اس درخت پر دیویاں رہتی ہیں، اس لئے اُنھوں نے اس کے جگر اور پشت پر اپنے ڈنک چبھو دیئے ہیں۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ واقعی وہ اس درخت کے نیچے نہائی تھی اور نہانے کے بعد ہی پشت پر آماس معلوم ہوا تھا اس کے بعد اسی ضعیفہ نے جھاڑ پھونک کی اور مریضہ بالکل اچھی ہو گئی۔ آسٹریلیا میں بھی عورتیں کسی وقت ایک دوسرے کو ہلاک کرڈالنے، محبت میں مبتلا کر دینے پانی برسانے کے لئے اعمال سحر میں بہت شہرت رکھتی تھیں۔

ہوما عورتیں زمانۂ قدیم میں ذریعہ مراسم مذہبی علاج کرنے میں بہت مشاق تھیں۔ اب جدید تہذیب نے رفتہ رفتہ ان قدیم روایات و مراسم کو مٹا دیا ہے لیکن اب بھی وہاں چند ضعیف عورتیں ایسی پائی جاتی ہیں جو کہنہ امراض کا علاج اپنی مذہبی قوت سے کرتی ہیں اور کامیاب ہوتی ہیں۔ اسی طرح جزیرہ بورنیو (Borneo) کی عورتیں افسوں کے ذریعہ سے علاج کرنے میں بہت

---

[1] Bancroft, Native Races

مشاق تھیں۔ اور جنوبی امریکہ میں کسی وقت وحشی عورتیں عام طور سے مذہبی نغمہ ورقص کے ذریعہ سے علاج کیا کرتی تھیں۔[1]

یہاں تک تو ذکر تھا طبقۂ نسواں کے اُن اعمال و حرکات کا جو معاون ہوئے مذہب اور مذہبی خیال کی اشاعت میں، لیکن ایک دوسرا پہلو اور بھی ہے اور وہ یہ کہ آسمانی دنیا میں جو عورتوں کی آبادی فرض کی گئی تھی، وہ کیسی اور کیا تھی۔ یہ ظاہر ہے کہ اعتقادات مذہبی کا ارتقاء بھی فنون کی طرح ہوا ہے۔ انسانی ضروریات کے ساتھ صناعات اور صناعات کے ساتھ مذہبی اعتقادات نے جس طرح تدریجی ترقی حاصل کی ہے، اس کا ذکر ضمناً اوراق گزشتہ میں ہو چکا ہے، کہ فرائض زندگی پر لحاظ کرکے آسمانی دیوتاؤں اور دیویوں کی تقسیم کس طرح کی گئی تھی اور اُن سے انسانی صناعات کا کیا تعلق تھا اب ہم ذرا وضاحت کے ساتھ اس کو بیان کرینگے۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ قدیم کی ادنیٰ ترین اقوام میں بھی واقعات عشق و محبت پائے جاتے تھے، اور حسن کے نقطۂ نظر سے شعر و موسیقی وغیرہ کا جو تعلق ہے وہ بھی نظر انداز نہ کیا جاتا تھا، اس لئے دنیا کی کوئی بُت پرست قوم ایسی نہ ہوگی، جس میں جذبۂ محبت کو ایک دیوی سے منسوب نہ کیا گیا ہو۔ رُوم میں وینس کو، یونان میں افروڈائٹ Aphrodite کو، فنوشیا میں ایسٹارٹ (Astarte) کو اسیریا میں اسٹار (Istar) کو، مصر میں ہاتھر (Hathor) بتوں کو

---

[1] Women of all Nations.

جو وقعت حاصل تھی، وہی عزت و عظمت امریکہ اور افریقیہ کی وحشی اقوام اپنی دیویوں اور دیوتاؤں کی کرتے تھے۔ یہ ضرور ہے کہ محبت کا تعلق کسی جگہہ عورت سے سمجھکر اس کی دیوی سے منسوب کیا گیا، اور کہیں مرد سے وابستہ جان کر دیوتا سے تعبیر کیا گیا، لیکن اس میں شک نہیں کہ اس جذبہ کا اثر عام تھا، اور ہر ملک و قوم میں حسن و محبت کے جذبات کو بتوں کی صورت میں غیر فانی بنانے کی کوشش کی گئی۔ علاوہ ان کے اور بھی بہت سے اہم دیوتا یونان و روما میں پائے جاتے تھے، جو عناصر عالم پر حکمراں فرض کئے گئے تھے۔ یونان کا ڈیمیٹر (Demeter) جس کو لاطینی میں سرس (Ceres) کہتے ہیں، پوسی ڈن (Poscidon) جسے لاطینی میں نیپٹون (Neptune) سے تعبیر کرتے ہیں، اپالو (Apollo) اور مائینروا (Minerva) وغیرہ بڑے زبردست دیوتا تھے۔ ان میں سے دو دیویاں تھیں، ایک ملکۂ زمین، دوسری ملکۂ آسمان۔ ڈی میٹر جس کے معنی ماں کے ہیں، زمین کی ملکہ سمجھی جاتی تھی، اور تمام وحشی اس دیوی کو اپنی ماں سمجھتے تھے۔ چونکہ یہ دیوی زمین سے منسوب تھی، اس لئے زمین کے برکات کو دیکھتے ہوئے اسے ماں کہا جاتا تھا۔ وحشی اقوام کا عقیدہ تھا کہ زمین بھی مثل آدمیوں کے جان رکھتی ہے جو اپنے بچوں یا انسانوں کے لئے غذائیں اور تمام ضروریات کی چیزیں مہیا کرتی ہے۔[1] زونی قوم کا عقیدہ تھا کہ زمین سب کی ماں ہے، جس طرح ماں دودھ پلاتی ہے،

---

[1] F. H. Cushing

اوسی طرح زمین انسانوں کے لئے پانی مہیا کردیتی ہے، اور صحرائی پیداوار جو حقیقتاً جسم زمین کا گوشت ہے، غذا کا کام دیتا ہے۔ اس قوم میں اگر لڑکی کی ولادت مطلوب ہوتی تھی، تو قبل ولادت کے میاں بیوی ایک چٹان کے پاس جاکر دعائیں اور التجائیں کرتے تھے کہ

"اے زمین، سب کی ماں، سورج سب کے باپ سے سفارش کر،
کہ وہ ہمیں لڑکی دے، اور یہ لڑکی جوان ہوکر اچھی عورت بنے
اور اس میں اچھا کپڑا بننے، اور عمدہ برتن بنانے کا سلیقہ ہو۔"[1]

گیٹشٹ (Gatschet) لکھتا ہے کہ "جب ٹکم سیہہ (Tecumseh) نے جنرل ہیریسن General Harrison سے گفتگو ختم کی تو اس کو بیٹھنے کے لئے کرسی دی گئی، تو اس نے کہا کہ "سورج میرا باپ ہے اور زمین میری ماں مجھے اسی کی آغوش پسند ہے" یہ کہا اور زمین پر بیٹھ گیا۔

اماہا کے لوگ غلّہ کی پرستش بہ حیثیت ماں ہونے کے اب بھی کرتے ہیں، اور اسی طرح پرودیا (Peruvia) کی قومیں ثچ ماما یعنی مادر زمین کی پرستش کرتی ہیں۔

کلاماتھ (Klamath) کے وحشی کہتے ہیں کہ زمین کی ماں اپنے بچوں یعنی انسانوں کو غلّہ اور پھل وغیرہ کی صورت میں بڑے بڑے انعام دیا کرتی ہے

[1] Gatschet, The Klamath Indians ص

جھیلیں اوس کی آنکھیں ہیں اور پہاڑیاں اُس کا سینہ جن سے نہروں اور دریاؤں کی صورت میں دودھ جاری رہتا ہے[1]۔

قدیم مصریوں کے عقائد اس کے برعکس تھے۔ وہ سب (Seb) یعنی زمین کو باپ اور نٹ (Nut) یعنی آسمان کو ماں کہتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ان دونوں سے اوسائرس (Osiris) اور آیسس (Isis) پیدا ہوئے اور اون کی مواصلت سے ہورس (Horus) یعنی آفتاب جلوہ گر ہوا[2]۔

اگر تاریخ طبعی کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے، تو دنیا کے ہر ملک میں کوئی نہ کوئی درخت ایسا پایا جائیگا جو وہاں کثرت سے پیدا ہوتا ہے، اور وہی درخت ملک والوں کی پرورش کرتا ہے۔ وحشی اقوام میں ہمیشہ ایسے درخت کو نہایت عزت سے دیکھا جاتا تھا، اور خیال کرتے تھے کہ اس وقت کو آسمانی دنیا کی کسی عورت نے دنیا والوں کی پرورش کے لئے پیدا کیا ہے، اور اس طرح اس درخت کی رفتہ رفتہ پرستش ہونے لگتی تھی۔ ہندوؤں میں جب سیتا جی کے احسانات کا ذکر کرتے ہیں تو کسی عورت یا لڑکی کو جو سنہرے رنگ کی حسین ہوتی ہے غلہ کی زرد زرد بالیوں کا تاج بنا کر پہناتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو یہ حقیقتاً پرستش غلہ اور کھیتی کی کی جاتی ہے اور سیتا جی کو کھیت جوتنے کی دیوی سمجھا جاتا ہے۔ سیتا کے معنی

استدراک

[1] Gatschet, The Klamath Indians

[2] Renouf, Religion of Ancient Egyptians

ہیں اس لکیر کے جو زمین پر ہل چلانے سے پیدا ہو جاتی ہے۔[۱]

جوار ایسا غلہ ہے جو اکثر ممالک میں پایا جاتا تھا، بعض قوموں میں اب بھی اس کو ایک دیوی کی صورت میں ظاہر کیا جاتا ہے۔

کنا دی کے وحشی اقوام میں جو کوئیٹو (Quito) کے جنوب میں ہواکاپنن (Huacapnan) پہاڑ پر آباد تھیں، یہ روایت بیان کی جاتی تھی کہ "جب دنیا میں سب سے بڑا طوفان آیا تو دو بھائی اس پہاڑ پر بچ کر چلے آئے جب طوفان کا زور کم ہوا تو وہ زمین پر آئے اور کچھ کھانے کی فکر کرنے لگے۔ لیکن وہاں کوئی چیز نہ تھی اتفاق سے دو توتے اُن کے جھونپڑے میں آئے اور اُنھوں نے جوار کی غذا اُن کے لئے تیار کی، ان کو جب پکڑا تو اُن میں سے ایک عورت ہو گئی اور اس نے جوار کا بیج ان کو دیا اور کھیتی کرنا سکھایا" یہاں کے وحشی اپنے تئیں اسی عورت کی نسل سے بتاتے تھے، اور اسی لئے توتے کی بڑی عزت کرتے تھے۔[۲]

مصر قدیم کے علم الاصنام میں سخت (Sekhet) دیوی را (Ra) کی بیٹی کا جو مجسمہ تیار کیا جاتا تھا، اس کا سر بلی کا ہوتا تھا۔ اس دیوی کی نسبت عقیدہ تھا کہ وہ نوع انسان کی محافظ اور دشمن انسان کو ہلاک کر دینے والی ہے۔ چونکہ زمانہ قدیم میں عورت ہی غلہ کی محافظ، خرمن کی جمع کرنے والی تھی، اور اسی نے بلی

---

[۱] استدراک Tylor J. Anthrop Inst

[۲] Payne, Hist: of America

پال کر حفاظت خرمن کا کام اُس سے لیا تھا، اس لئے اس مجسمہ کے سر کو بلی قرار دیا گیا۔ اور اس طرح عورت کی اس ذہانت و اختراع کو خلعت دوام بخش دی۔

یونانیوں کا عقیدہ تھا کہ آتشکدہ میں تمام دیوتاؤں کی روحیں جمع ہوتی ہیں چنانچہ شہر میں ایک بڑا آتشکدہ بنایا جاتا تھا، جو شب و روز ہر وقت روشن رہتا تھا آتشکدہ کی دیوی، ہستیا (Hestia) تھی۔[1]

اٹلی میں بھی یہی رواج تھا، لیکن وہاں اس کا نام وسٹا (Vesta) تھا، پروفیسر فریزر (Frazer) کی تحقیق ہے کہ آتشکدہ کے وجود اور اس میں ہر وقت آگ کے مسلسل رہنے کا تعلق زمانۂ قدیم کی اس رسم سے ہے کہ سردار کے خیمے یا جھونپڑے میں اکثر و بیشتر آگ پائی جاتی تھی۔ اور اس کے چاروں طرف عورتیں اپنے مشاغل میں مصروف رہتی تھیں۔ چونکہ آگ ایک بڑی نعمت تھی اور عورتوں کے انتظام خانہ داری کا زیادہ تر تعلق اسی سے تھا، اس لئے آتشکدہ بھی ایک دیوی ہی سے منسوب کیا گیا، دیوی اس لئے کہ عورت ہی آگ کو قایم رکھتی تھی اور وہی اس سے کام لیتی تھی۔ آگ سے کھانا پکانا، آگ کی مدد سے کھانے کو کئی دن تک خراب نہ ہونے دینا، کپڑوں کو خشک کرنا، جاڑے کی تکالیف کو دور کرنا، کشتیاں بنانا، برتن پکانا، اور بہت سے مشاغل عورت ہی سے متعلق تھے اور مردان میں کوئی حصہ نہ لیتا تھا۔

---

[1] استدراک J. G. Frazer

جنوبی افریقہ میں، ڈامارا قوم کے اندر سردار کے جھونپڑے کے پاس ہر وقت آگ قایم رکھنے کا رواج اب بھی پایا جاتا ہے۔ جب کسی قبیلہ کا سردار کسی دور دراز مقام پر جاتا ہے تو اس متبرک آگ میں سے ایک انگارا اس کو دیدیا جاتا ہے تا کہ وہ اپنے نئے وطن یا گانوں میں اس سے ایک آتشکدہ قایم کرسکے۔[1]

روس کے طبقۂ مزارعین میں بھی یہی رواج ہے۔ جب وہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوتے ہیں تو الاؤ یا چولہے کی ساری آگ کسی برتن میں رکھ کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور نئی جگہہ پہونچکر اس کو زمین پر رکھتے ہوے کہتے ہیں کہ "میں نئے گھر میں تیرا خیر مقدم کرتا ہوں اے میرے جد۔"[2]

قدیم یونانیوں اور روما والوں میں بھی یہی رواج پایا جاتا تھا۔ چونکہ آگ سے عورت کا تعلق بہت زیادہ تھا اس لئے اُسے دیوی سمجھ کر پرستش کی گئی۔ اور اس کے کارآمد ہونے کے لحاظ سے ادہر اُدھر منتقل کرتے رہے۔ آگ کے بعد جس چیز کا تعلق عورت سے تھا وہ پانی ہے، اس لئے قریب قریب تمام اقوام میں پانی کو بھی دیوی سے منسوب کیا گیا ہے۔ میتھوز (Matthews) نے بیان کیا ہے کہ نواجو کا ایک خاندان جس میں باپ، ماں، دو لڑکے اور لڑکیاں تھیں، ایک ایسی جگہہ آباد ہونے کے لئے پہونچا، جہاں پانی نہ تھا۔ اتفاق سے ایک لڑکے

---

[1] Frazer, J. of Philol

[2] Frazer

کو جبکہ وہ زمین کھودتا تھا، پانی کے ایک چشمہ کا پتہ چل گیا۔ چونکہ پانی لانے کی خدمت عورت ہی کے سپرد ہے اور صرف ایک ہی برتن پانی لانے کے لئے موجود تھا اس لئے عورت نے اصرار کیا کہ چشمہ کے پاس چل کر قیام کرنا چاہئے۔ لیکن مردوں نے کہا کہ وہاں تعمیر مکان کے لئے اشیاء قریب دستیاب نہ ہونگی، اس لئے یہیں رہنا چاہئے۔ لیکن آخرکار عورت کی رائے کے مطابق فیصلہ ہوا اور سارے خاندان کو پانی کے چشمہ کے پاس آباد ہونا پڑا۔ اس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ پانی کے مسئلہ میں ایک عورت کو کس قدر دیوی کا سا اقتدار حاصل تھا، اور پانی کیوں ایک عورت سے منسوب کیا جاتا تھا۔

آسٹریلیا کے وحشی اقوام کا عقیدہ ہے، کہ آفتاب ایک عورت ہے جو آگ لئے ہوئے ہے۔ جب وہ اس آگ پر بہت سا ایندھن رکھدیتی ہے، تو شعلے بھڑک اُٹھتے ہیں اور زمین پر گرمی ہوجاتی ہے۔ غروب آفتاب کے متعلق اُن کا عقیدہ ہے کہ شام کو سورج کی دیوی ایک ضعیف عورت کی آغوش میں چلی جاتی ہے اور وہاں سوجاتی ہے۔

یونانیوں میں دیویاں کثرت سے پائی جاتی تھیں مثلاً کلوتھو (Clotho) جس کی نسبت ان کا عقیدہ تھا کہ رشتۂ حیات کاتتی ہے، لاکیس (Lachesis) جو اس کے طول کو معین کرتی ہے، ایٹروپوز (Atropos)۔ جو اس رشتہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی ہے، ارکنی (Arachne) جو نہایت باریک

سوت کاتی تھی۔ اس سے ثابت ہے کہ زمانہ قدیم میں بہ لحاظ ترقی فنون عورت کا درجہ اس قدر وقیع تھا کہ اس کی ہر صنعت ایک دیوی کی صورت میں ظاہر کی جاتی تھی چین میں ریشم کی صنعت بہت زمانہ قدیم سے رائج چلی آتی ہے اور یہ بھی تحقق ہے کہ عورت ہی اوس میں بہت بڑا حصہ لیتی تھی۔ پکنگ میں قصر شاہی کے قریب چالیس فیٹ کے دور میں ایک قربان گاہ بنی ہوئی ہے جو چاروں طرف دیوار سے محصور ہے۔ یہیں ایک معبد تسن تسان تاؤ (Tsen-tsan-tao) کا ہے اس کے قریب بہت سے شہتوت کے درخت لگائے گئے ہیں جہاں ریشم کے کیڑے کی پرورش کی جاتی ہے۔ یہ معبد یونفسی (Yuenfsi) یعنی اس عورت کے نام سے منسوب ہے جس نے سب سے پہلے ریشم کے کیڑوں کو دریافت کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یونفسی، سیلنگ شی (Si-ling-shi) کا دوسرا نام ہے جو ہوانگٹی (Huang-ti) کی بیوی تھی۔ اس معبد پر اب بھی ہر سال قصر شاہی کی عورتیں قربانیاں چڑھاتی ہیں اور مراسم پرستش نہایت خلوص سے ادا کرتی ہیں۔ اس دیوی کے اور بھی بہت سے معابد مختلف حصص ملک میں پائے جاتے ہیں[1]۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علم الاصنام حقیقتاً اک زبان استعارہ و تشبیہ ہے، جس کے ذریعہ سے مختلف فنون و مختلف اشیاء کی حالت کو بیان کیا گیا ہے۔

---

[1] Lacouperia "Silk goddess of China"

جیسے میکزیکو میں ایک پتھر کو ٹمالاکل کہتے ہیں جس کے معنے چرخہ کا پتھر چونکہ اس کی صورت چرخہ کے پنکھے یا دائرہ کی طرح ہوتی ہے، اس لئے اس کا یہ نام رکھ دیا گیا۔ بالکل اسی طرح زمانہ قدیم کے علم الاصنام میں کوئی نہ کوئی وجہ شبہ قرار دے کر موجودات عالم میں بہت سی چیزوں کو عورت سے تشبیہ دے دی گئی۔ چونکہ عورت رات دن آگ سے کام لیا کرتی تھی اس لئے آفتاب کی حرارت کو وجہ شبہ قرار دے کر اُسے عورت کہہ دیا گیا۔ چونکہ پانی مہیا کرنا بھی عورت ہی کا کام تھا اس لئے بادلوں کو کہ وہ بھی پانی مہیا کرتے ہیں، عورت سمجھا گیا۔ اسی طرح چونکہ عورت کی زندگی ہر وقت متحرک تھی اور وہ کسی وقت آرام و سکون سے نہ بیٹھتی تھی، اس لئے ہوا کو بھی جو ایک بے چین عنصر ہے، عورت قرار دے کر دیوی کہہ دیا گیا۔

یونانیوں میں ایک دیوی تھی، جس کا نام منروا تھا۔ یہ تمام فنون و اختراعات کی دیوی تھی۔ چونکہ زمانۂ قدیم میں فنون و اختراعات صرف عورت کی ذات سے قائم تھے، اس لئے اُس ذہانت و فراست کو جو ترقی فنون کی باعث ہوئی، عورت ہی سمجھ لیا گیا، اور اُسے دیوی سے تعبیر کرنے لگے۔ چونکہ عورت ہی نے پہلے جانوروں کو پالنا شروع کیا اور اسی نے کاتنا، بُننا اختراع کیا، اس لئے گھوڑوں کی

پرورش کرنے اور کاتنے بننے کی اہلیت کو بھی اتھنا (Athema) دیوی قرار دیا گیا
یونان میں اس دیوی کا ایک بڑا مندر ہے، جہاں کسی زمانہ میں عورتیں سال میں نو
ماہ تک سوت تیار کرکر کے کپڑے بنتی تھی، جو پہلے مندر میں دیوی کے سامنے
پیش کیا جاتا تھا اور پھر اس کپڑے کے بادبان تیار کئے جاتے تھے۔ قدیم مصریوں
میں ایک دیوی نیتھ (Neith) تھی اور یہ اُس سب سے پہلی عورت کی یادگار
میں قایم کی گئی تھی جس نے بننے کے فن کو ایجاد کیا۔ اس دیوی کے معبد میں کپڑا تیار
کرنے کے بڑے بڑے کارخانے تھے، جہاں عورتیں کام کیا کرتی تھیں۔ یہاں کے
کپڑے خاص خاص مذہبی مراسم ادا کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے تھے ا و ر
مومیائی شدہ لاشیں انھیں میں لپیٹی جاتی تھیں۔ الغرض زمانۂ قدیم میں کثرت سے
دیویاں پائی جاتی تھیں اور عورتوں کے مشاغل کو اس طرح مذہبی رنگ دینے میں
اس حد تک شاعرانہ نزاکت سے کام لیا گیا، کہ آواز بازگشت کو بھی جو حقیقتاً مکمل خلوت
سکون سے پیدا ہوتی ہے، عورت ہی سے منسوب کیا گیا۔ یعنی اس کو بھی دیوی
قرار دیا گیا، محض اس لئے کہ عورت کی زندگی ایک خلوت و سکون کی زندگی تھی۔

یہ امر مسلّم ہے کہ دنیا میں تمام ممالک نے اوّل اوّل بت پرستی اختیار کی، اس لئے
کائنات کو مذہب کے متعلق جو اوّلین درس دیا گیا، وہ بت پرستی کا تھا۔ پھر دیکھو کہ
بت پرستی کیونکر قایم ہوئی اور علم الاصنام کی بنیاد جو اوّلین روایات مذہبی سے
تعبیر کیا جا سکتا ہے کیونکہ عالم وجود میں آیا۔ اگر عورت کا وجود دنیا میں نہ ہوتا، تو نہیں

کہا جا سکتا کہ مذہب کس طرح عالم وجود میں آتا، اور اُس کے ظہور کے لئے قدرت
کس طریق کو استعمال کرتی۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اگر علم الاصنام کے وجود کا ذریعہ صرف
مرد ہوتا، تو نہ اس میں اتنی وسعت ہوتی اور نہ وہ شاعرانہ لطائف پیدا ہوتے، جو
اب نظر آتے ہیں، یا جو عورت کی وجہ سے اس میں پیدا ہوئے۔ ایک شخص کہہ سکتا
ہے کہ اگر عورت کی وجہ سے بت پرستی کی بنیاد قایم ہوئی تو یہ صحیح مذہبی نقطۂ نظر
سے ایک قوم کے لئے باعث انحطاط ہے نہ کہ باعث ترقی، اس لئے عورت کا وجود
اس مسئلہ میں سخت غیر مفید ثابت ہوا، لیکن اگر معترض ذرا غور کرے، تو اُسے معلوم
ہو سکتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں جبکہ انسان بالکل وحشی حالت میں تھا، بُت پرستی کوئی
معصیت نہ ہو سکتی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ دنیا میں مذہب اسلام کی تعلیمات، بہترین تعلیمات
مذہب ہیں لیکن اگر اسلام کی تعلیمات اور عہد عیسوی و موسوی اور اس سے قبل دیگر
انبیاء کی تعلیمات پر غور کیا جائے، تو ان سب میں بین تفاوت پایا جائیگا اور معلوم
ہوگا کہ کس طرح زمانہ کی تدریجی ارتقاء کے ساتھ تعلیمات میں پاکیزگی بڑھتی گئی۔
اگر اسلام کی تعلیمات کا متحمل ہونے کے لئے زمانہ پہلے ہی تیار ہوتا، تو اسی وقت
یہ تعلیمات پیش کر دی جاتیں، لیکن خدا نے ایک مذہب کو رواج دے کر ہمیشہ اس لئے
منسوخ کیا کہ اس کی ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ بالکل ممکن ہو کہ تخلیق کائنات کی ابتدائی
حالت میں بُت پرستی ہی اُن لوگوں کے حال کے لئے موزوں و مناسب ہو۔ حروف
تہجی کا کوئی مفہوم نہیں ہے لیکن اس لئے کہ وہ ذریعہ ہیں آیندہ حصول علم و زبان کا

اُن سے مفر بھی نہیں اور اُن کا پڑھانا ضروری ہی۔ پھر علاوہ اس کے اگر نگاہ انصاف
سے دیکھا جاے تو معلوم ہوگا کہ قدیم علم الاصنام حقیقتاً بت پرستی نہ تھا بلکہ محض فن پرستی
تھا۔ کیونکہ جتنے دیوتا یا دیویاں تھیں، سب اُنھیں فنون سے متعلق تھیں، جو اُس وقت رائج
تھے اور جن کی ترقی پر کائنات کی ترقی قائم ہونے والی تھی۔ اس لئے لوگوں کو اس
طرف ترغیب دلانے کی اور کوئی ترکیب ہی نہ تھی کہ اُن کو مذہبی صورت دیدی جاے
اور اس طرح لوگ اُن کی طرف توجہ کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ پھر چونکہ زمانہ قدیم کے لوگ
عقل و فراست کے لحاظ سے پوری ترقی نہ کر چکے تھے، اور اُن کا دماغ اس بات کے
سمجھنے سے عاری تھا کہ ترقی کس کو کہتے ہیں اور ملک و قوم کی فلاح و بہبود کس چیز پر منحصر ہی،
اس لئے نہ اُن کو فلسفۂ اقتصاد کا کوئی درس دیا جا سکتا تھا نہ فلسفۂ اخلاق و معاشرت کا۔
اُن کی زندگی یکسر حرکت و عمل تھی اور اُن کا دماغ نکات علمی کے سمجھنے کا اہل نہ تھا اسلئے
اُن کا رجحان ترقی کی طرف اسی طرح ہو سکتا تھا کہ خود انھیں کے پیدا کئے ہوئے مشاغل
کی طرف سے اُنکے دلوں میں عظمت و حرمت کا خیال قائم ہو جائے اور وہ فرض ہونے
کی حیثیت سی اُن کو اختیار کرنے لگیں۔ چنانچہ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اسی خیال کا اثر تھا کہ زمانۂ
قدیم کے تمام فنون آہستہ آہستہ ترقی کرتے گئے، یہاں تک کہ جب رفتہ رفتہ عقلیں پختہ ہوئیں
اور اصل مقصود حاصل ہو گیا تو بت پرستی آپ ترک ہو گئی اور اعمال ترقی نفس فلسفۂ ترقی کے
لحاظ سے ظاہر ہونے لگے خود قرآن پاک کے دیکھنے سے تدریجی تعلیم کا پتہ چلتا ہی۔ جب
رسول اللہ صلعم مبعوث ہوئے تو شراب کثرت سے رائج تھی، اور خدا پسند نہ کرتا تھا کہ لوگ

اس کا استعمال جاری رکھیں۔ لیکن آپ دیکھینگے کہ دفعۃً لوگوں کو اس کے استعمال سے نہیں روکا گیا۔ سب سے پہلے یہ حکم دیا گیا کہ لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ (نشہ کی حالت میں تم نماز ادا نہ کرو) جب لوگ اس حکم کے متحمل ہو گئے، تو پھر ارشاد ہوا کہ شراب میں نقصان کثیر ہے اور نفع کچھ نہیں یا بہت قلیل ہے جب اسکو بھی کچھ زمانہ گزر گیا تو ایک قطعی و اذعانی حکم دیا گیا انما حرمت علیکم الخمر (تم پر شراب حرام کر دی گئی) کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حکم اوّل کے وقت شراب کے حرام کر دیے جانے کی وجہ موجود نہ تھی۔ یقیناً تھی، لیکن خدا سمجھتا تھا کہ دفعۃً لوگوں کو باز رکھنے میں کامیابی نہ ہوگی، اسلیے ایسا نہیں کیا گیا اور آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں میں اس کی طرف سے تنفر پیدا کرکے کامیابی حاصل کی گئی۔

ہر چند موضوع تصنیف کے لحاظ سے کسی کا یہ شبہ کرنا درست نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ جو تصنیف جس موضوع پر ہوتی ہے، اسی کے لحاظ سے اس پر تنقید کی جاتی ہے اور علم الانسان کا موضوع اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی مذہب کے صحیح یا غیر صحیح ہونے پر حکم لگایا جائے بلکہ صرف دیکھنا یہ ہے کہ بہ لحاظ مذہب، عام اس سے کہ وہ ابتدائی حالت او بدو ارتقاے عالم میں کیا تھا، انسان نے کیا کیا۔ لیکن میں نے تھوڑی سی گفتگو کو مذہب کے صحت و سقم کی نسبت، صرف اس لئے جائز رکھا کہ شاید کوئی اصول تنقید کو پیش نظر نہ رکھے اور اس کے دل میں یہ شبہہ ناشی ہو۔ بہر حال میں اس باب کو ختم کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ گزشتہ بیان سے مذہب کے متعلق عورت کے کارنامے جو زمانۂ قدیم میں اس کی طرف سے ظاہر ہوئے، اچھی طرح معلوم ہو سکتے ہیں۔

گیارھویں فصل

نتیجہ

تہذیب نتیجہ ہے ترقی کا خالص طبعی حیاتِ حیوانی سے، شائستگی کی غیر طبعی زندگی کی طرف۔ اِس ترقی کے محرک اصلی اور اس کو زندہ رکھنے والے انسانی ضروریات وخواہشات ہیں۔ تاوقتیکہ انسان اپنے داعیات کے لحاظ سے بالکل مطمئن نہیں ہو جاتا، اس کی رفتارِ ترقی بدستور قائم رہتی ہے۔ اِس ترقی یعنی خواہشاتِ انسانی پورا کرنے کے لیئے فطرت نے نہ صرف جمادات، نباتات، وحیوانات کی صورت میں کافی مواد فراہم کیا بلکہ غیر محسوس قوائے عالم اور اُن کے اثرات نے جو ظہور انسان سے قبل بھی تاریخِ کائنات پر مؤثر ہو رہے تھے، انسان کو ترقی میں بہت مدد دی۔

جس وقت انسان اوّل اوّل زمین پر بھیجا گیا، تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فطرت اُس سے یہ کہہ کر الگ ہو گئی ہے کہ "تم جانو اور یہ دنیا" لیکن یہ واقعہ ہے کہ فطرت خود کائنات کی آبادی کی متمنی تھی اور وہ نہایت مخفی طریقے سے انسان کی مدد کر رہی تھی۔ بہر حال جب نسلِ انسانی کرۂ زمین پر نمودار ہوئی، تو اُس نے

تمام عطیاتِ قدرت سے، جو خود اُس کے نفس و دماغ اور دیگر مادّی اشیاء پر مشتمل تھے، فائدہ اُٹھا کر اپنے فرائض ادا کرنے شروع کئے، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سب سے زیادہ مفید معاون صرف اس کا دماغ تھا، ورنہ چاہیے تھا کہ صرف زمین کے انھیں حصّوں میں ترقی ہو سکتی، جہاں فطری پیداوار کثرت سے پائی جاتی تھی، حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ ترقی، پیداوار کے لحاظ سے نہیں ہوئی بلکہ اُس کی بنیاد زیادہ تر انسان کی کوششوں پر قایم ہوئی اور غالباً آج بھی یہی اصول ارتقاء نظام کائنات میں مؤثر و کارگر ہے۔

دیکھا جاتا ہے کہ بعض ایسے ممالک میں جو پیداوار کے لحاظ سے چنداں قابل لحاظ نہ تھے، انسان نے کافی ترقی کی، اور جہاں پیداوار کی کثرت تھی وہاں وہ زیادہ ترقی نہیں کر سکا، اس لئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ وہ تنہا قابل اعتبار سرمایہ جس سے مرد و عورت نے بازارِ عالم میں اپنا کاروبار شروع کیا، صرف ان کا دماغ تھا۔ اور یہ ساری رونق اسی ایک سرمایہ کی ممنون ہی۔

اب دیکھنا یہ ہی کہ مرد و عورت دونوں نے ارتقاء میں کیا کیا حصّہ لیا۔ گزشتہ ابواب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہی کہ اگر مرد اپنی قوّت جسمانی سے کام لے کر فتوحات حاصل کر رہا تھا، تو عورت اپنے دماغ سے کام لے کر ان فتوحات کو مختلف صورتوں سے محفوظ و قایم رکھنے کی خدمت انجام دے رہی تھی، اگر وہ تلاش و جستجو میں ادھر اُدھر پھرا کرتا تھا تو یہ اسی آوارہ زندگی میں امن و سکون پیدا کر رہی

تھی، اگر وہ منتشر و پراگندہ رہنا چاہتا تھا، تو اس کی طبیعت اجتماع پسند واقع ہوئی تھی یعنی اگر مرد کے اندر محاربانہ روح پائی جاتی تھی، تو عورت کے اندر ترقی فنون کے جذبات موجزن تھے۔

مردوں کے کارناموں کی نسبت ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جائینگی اور اس میں کلام نہیں کہ ان کتابوں سے نوجوان دماغوں میں ولولۂ ترقی کے نہایت مفید جذبات پیدا کیے، لیکن افسوس ہے کہ عورت کے صبر و تحمل، عورت کی محنت و کاوش، عورت کی محبت و خلوص اور اس کے پُر ولولہ جذبات کی داستانیں ہنوز ہم کو نہیں سنائی جاتیں اور تماشا گاہ عالم کی اس کمزور لیکن اہم عجوبہ نما کی حالات سے اعتنا نہیں کیا جاتا ہے۔ ماضی اور حال کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے آفرینش کے وقت دنیا میں ظلمت و نور، خیر و شر، جہل و علم ممزوج تھے، لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا گیا، تاریکی و جہل دور ہوتے گئے اور حقیقت و صداقت ہر نئے آنے والے دن کے ساتھ اپنے چہرے سے نقاب اُلٹتی گئی۔ اس لئے آج، جب کہ دنیا اپنی ترقی کے انتہائی مدارج طے کر رہی ہے، اگر عورت مردوں کی حق ناشناسی محسوس کر رہی ہے تو حیرت نہ کرنی چاہیے کیونکہ جب وقت و موسم احساس پر مجبور دیتا ہے، تو اس کی قوت نہایت شدید اور اس کے اثرات نہایت مستحکم ہوتے ہیں ور دنیا کی کوئی مخالف قوت اس سے باز نہیں رکھ سکتی۔

مغرب نے جس قدر ترقی زندگی کے مختلف شعبوں میں کی ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔

اس لیے ایسی کھلی ہوئی روشنی میں مردوں کے لیئے ناممکن تھا کہ وہ تمام ثمراتِ ترقی کو صرف اپنے ہی لیئے مخصوص رکھتے اور عورتوں کو اس شجرِ ممنوع تک پہونچنے سے زیادہ عرصہ تک باز رکھ سکتے۔ یقیناً کچھ زمانہ تک مردنے اپنی قوت سے کام لے کر عورت کی جذبات کو زیادہ اُبھرنے نہیں دیا، لیکن خیر کار ایک وقت جس کو آنا چاہیئے تھا، آیا، اور طبقۂ نازک میں اس کا احساس ہوتے ہی سارا طلسم فریب کا جو مردوں نے قایم کیا تھا، ٹوٹ گیا، گویا کہ وہ مکڑی کا بنایا ہوا جال تھا۔ ہم نہیں کہہ سکتے عورتوں کی یہ اور ایسی بیداری ہر لحاظ سے مفید و مستحسن ہی، لیکن اس میں کلام نہیں کہ بہر نوع عورتوں کے کچھ حقوق ہیں اور اگر وہ اُن کا مطالبہ کریں تو ہمارے لیئے چیں بجبیں ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ جنھوں نے اقتراعیات کے حالات کا موجودہ زمانہ میں مطالعہ کیا ہی وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اُن کے مطالبات کیسے سخت اور کس درجہ لطیش شدید کے تحت میں آسکتے ہیں۔ ہرچند یورپ، اُن خطرات کو جو عورتوں کی اس قیامت خیز بیداری سے پیدا ہوسکتے ہیں، محسوس کر رہا ہی اور وہ جنسِ لطیف کی اِن جارحانہ بیباکیوں کو نظر پسندیدگی سے نہیں دیکھتا، لیکن اب اس کا کوئی علاج بظاہر نظر نہیں آتا اور نہ شاید نظامِ کائنات اپنی اِس جسارت کا مدافعہ پسند کریگا۔ ترقی تہذیب جس طرح ایک قوم کے لیئے باعثِ خیر و برکت ہوسکتی ہی، اسی طرح اگر وہ حد سے زیادہ گزر جائے تو اذیت و مصیبت بھی ہی۔ اس میں کلام نہیں کہ عورتوں کے اندر یہ انقلاب خود مردوں کا پیدا کیا ہوا ہی اور وہی اِس کے ذمہ دار ہیں۔ اگر وہ اُن کے اندر

آزادی کے نامناسب جذبات پیدا نہ ہونے دیتے اور شروع سے اُن کو بالکل مغلوب بنائے رہنا اپنا شعار قرار نہ دیتے، تو اب یہ حالت کہ گوشت سے ناخن جدا ہو جانا چاہتا ہے، کبھی پیدا نہ ہوتی اور وہ مرد و عورت جو دونوں باہم مل کر نظامِ تمدن قائم رکھنے کے لیئے عالم ایجاد میں آئے تھے، ایک دوسرے سے چھُٹ کر الگ الگ میدان ترقی پیدا نہ کرتے۔ مرد و عورت ایک ہی دنیا میں پیدا ہوئے، ایک ہی دنیا میں اُنھوں نے زندگی بسر کی، اور ایک ہی خیال کو لے کر دونوں ساتھ ساتھ میدانِ عمل میں آئے، اِس لیئے ظاہر ہے کہ اُن میں تفرق و انشقاق کبھی ملک کے لیئے مفید نہیں ہو سکتا اور وہ گاڑی جس کا وزن دو پہیوں پر برابر تقسیم ہے۔ اپنا ایک پہیہ ضائع کرنے کے بعد کبھی نہیں چل سکتی۔

ہندوستان کو، جو سلطنتِ برطانیہ کے زیر نگین ہونے کی وجہ سے یورپ کی معاشرت، یورپ کی تہذیب، یورپ کی زندگی میں تحلیل ہو جانے کے لیئے بیتاب نظر آتا ہے، غور کرنا چاہیئے کہ طبقۂ نسواں کے لیئے کس نوع کی تعلیم مفید ہو سکتی ہے اور وہ اُصولِ تربیت کیا ہیں، جن کے بغیر دنیا کی ہر تعلیم بجائے مفید ہونے کے نقصان و ضرر میں ایک بڑا اضافہ ہے۔ اگر ہندوستان کی عورت بھی اپنے دماغ میں حریت و آزادی کا سودا پکا رہی ہے۔ اگر اِن کا مذاقِ ترقی، حریم خانہ کی بلند دیواروں سے نکال کر، بازاروں، باغوں، تفریح گاہوں میں لے جانا چاہتا ہے تو مردوں کو یقین کر لینا چاہیئے کہ ہندوستان کی عورت بھی اُس منزل کی طرف حرکت کر رہی ہو

نظر آتی ہے، جہاں تک پہونچنے کے بعد یورپ کی عورت پھر پلٹ کر اپنی کھوئی ہوئی نسائیت کو ڈھونڈھ نہیں سکی۔

عورتوں کو یہ حقیقت ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اگر خدا نے اُن کی جنس کو مردوں کی جنس سے مختلف و متمائز بنایا ہی، تو یقیناً اس کا مقصود یہ بھی تھا کہ عورت جو فرایض اپنے لئے مقرر کرے وہ مردوں کے فرایض سے جُدا ہوں، ورنہ اس تفریق جنس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ پھر ان فرائض کا جان لینا جس طرح ایک مرد کے لئے آسان ہی، اسی طرح عورت کے لئے بھی دشوار نہیں۔ کیوں کہ ان کا تعلق بالکل انسان کی فطرت سے ہی اور حیات طبعی کے جبلی امیال و عواطف سے ان فرایض کے حدود مقرر کئے جاتے ہیں۔

اس میں کلام نہیں کہ جب انسان کی فطری حس ماحول کے مخالف مناظر و مظاہر سے متاثر ہو کر کند یا گمراہ ہو جاتی ہے تو آدمی کے لئے کذب و صداقت سے حقیقت کو عوارض سے جدا کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہی کہ اس وقت مغرب کی عورت اپنے حقیقی فرایض کو بھول کر اُن سے بہت دُور جا پڑتی ہی لیکن اگر ہندوستان ابھی سے اس طرف توجہ کرے تو وہ خطرات جو عورتوں کی بیجا آزادی اور نامناسب طریقۂ تعلیم و تربیت سے پیدا ہو جایا کرتے ہیں آسانی سے روکے جا سکتے ہیں۔

عورت کو سمجھنا چاہیے کہ اس کی زندگی کا اوّلین فرض، حیاتِ منزلی کے

احترام کو قایم رکھنا اور تربیت اولاد کے صحیح و فطری اُصول پر کاربند ہونا ہی۔ وہ اس لئے وضع نہیں ہوئی کہ دنیا کے ہر ہنگامہ میں حصہ لے کر اپنے دماغ کو متاثر و متاذی کرتی رہے۔ وہ صرف اس لئے پیدا ہوئی ہے کہ عالم میں اپنے لطیف و شریف جذبات سے آرام و سکون پھیلائے۔ اُس کی ساری دنیا اس کا مکان، اُس کی دنیا کی تنہا آبادی اُس کی اولاد ہی۔ اگر وہ کرنا چاہے تو اپنی اسی مختصر دنیا اور اسی محدود آبادی کے انتظام سے فرصت نہیں پا سکتی۔ پس اگر وہ اس طرف سے غافل ہی تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ تمام عالم کی طرف سے بے پرواہ ہی۔ اگر وہ اس طرف متوجہ ہی تو یقین کرنا چاہیئے کہ ساری کائنات اس کے التفات کی ممنون ہی۔ اس کے اختیار میں ہی، چاہے وہ اپنے بچے کی اچھی تربیت کر کے نظام عالم میں امن و سکون پیدا کردے چاہے اس کی تربیت کو خراب کر کے کائنات کے شیرازہ کو ابتر و منتشر۔

عورت کی خدمات اس قدر اہم و ضروری ہیں کہ دنیا کو ہمیشہ ان کی ضرورت تھی اور رہیگی۔ اس لئے اس کا اپنے حقیقی فرایض سے منحرف ہو جانا نظام عالم کا مضطرب ہو جانا ہی اور اس کمی کو، جو عورت کے جادۂ اعتدال سے ہٹ جاتے ہیں پیدا ہو جاتی ہی، دنیا کی کوئی سائنس پورا نہیں کر سکتی۔

عورت کی وہ تنہا صفت جو اُس کو مردوں سے ممتاز کر سکتی ہے، صرف یہ ہی کہ اس کا گھر تہذیب و تمدن کی آغوش ہے اور اس کی آغوش تربیت و شائستگی کا گہوارہ............ اس لئے اس کو سمجھنا چاہیئے کہ وہ حیات منزلی و تربیتِ اولاد

کے نقطۂ نظر سے اس صفت کی حامل ہی یا نہیں۔

ابواب ماسبق کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہی کہ عورت کا دماغ کس درجہ اخّاذ و خلّاق واقع ہوا ہی اور وہ انتظامِ خانہ داری کے متعلق کیا کچھ نہیں کر سکتی، اِس لئے اگر وہ اپنی زندگی کے اِسی مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر ترقی کرنا چاہتی ہی تو مبارک ہی اُس کا یہ خیال، کیونکہ فطرت اِس سے یہی چاہتی ہی، لیکن اگر وہ اس خیال سی علحدہ ہو کر ترقی کرنے کی آرزومند ہی، تو یقیناً وہ مردوں کی زندگی کو معطل کردیگی کیونکہ عورت تو مردوں کے بہت سے مشاغل اختیار کر سکتی ہی لیکن مرد کے سخت اعضاء اور اِس کی کرخت طبیعت حیوٰۃِ منزل و تربیتِ اولاد کے فرایض کو صحیح طور سے ادا نہیں کر سکتی۔

اگر کوئی شخص اُن وحشی ممالک میں سیاحت کرے، جن میں ترقی و تہذیب کو درخور حاصل ہو چلا ہی، تو وہ دیکھیگا کہ تہذیبِ جدید کے زیرِ اثر سو میں پانچ فرد بھی ایسے نہیں ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کے قدیم راستے کو چھوڑ کر نئی راہ میں قدم اُٹھایا ہو۔ برخلاف اس کے عورتوں نے وحشت سے تہذیب کی طرف منتقل ہونے میں بھی، اپنے قدیم مشاغل سے انحراف نہیں کیا۔ وہ اب بھی کاتتی اور بنتی ہی، وہ اِس وقت بھی انتظامِ خانہ داری میں مشغول بدستور نظر آتی ہی، اُس کے وہی زیور ہیں اور وہی برتن، اُس کی وہی زندگی ہی اور وہی اُصول حیوٰۃ۔ فرق صرف یہ ہی کہ اب بجائے قدیم اوزار کے وہ زیادہ مہذب آلات سے کام لیتی ہی،

اور بہ نسبت پہلے کے بہتر اشیار تیار کرنے لگی ہے۔

طبیبین کہتے ہیں کہ جسمانی ساخت میں ہر تغیر تمام نظام جسم میں ویسے ہی متعدد تغیرات پیدا کردیتا ہے۔ وحشی مرد اپنے اسی وحشیانہ زندگی میں ہمیشہ بدلتا رہتا ہے لیکن جب بلند تہذیب اس کو متاثر کرتی ہے تو نتیجہ اچھا نہیں ہوتا، اُسے تیر و کمان الگ کر عورت کے اوزار لینے پڑتے ہیں، اور وہ اِن کے استعمال میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا فرد اگر آج کاشتکار ہے تو کل لکڑہارا ہے، اس وقت جنگل میں ہے تو دوسرے وقت آبادی میں اور یہ زندگی اُس کے جسم و دماغ کو بالکل بیکار کردیتی ہے۔ وہ اصول، وہ مشاغل جو آج اس کے دماغ پر مستولی ہیں، کل غائب ہوجاتے ہیں اور اس طرح اِس کو اپنی ذہانت و فراست کی تکمیل و تربیت کا موقع نہیں ملتا، برخلاف اِس کے وحشی قوم کی عورت جب ترقی کرتی ہے، تو اُسے اپنے فرائض میں بہت معمولی تغیرات کرنے پڑتے ہیں لیکن اُس کے تصورات و قیاسات وہی قایم رہتے ہیں اور اُس کے داعیات و مشاغل وہی۔

اِس وقت بہت کم مرد ایسے ہیں جن کے مشاغل وہی ہوں جو اُن کے آبا و اجداد کے تھے، اِس لیے وہ اپنی رائیں مطالعہ و کاوش سے قایم کرتے ہیں اور عورتیں قریب قریب اب تک وہی کام کررہی ہیں جو اُن کی مائیں اور داؤں کی مائیں کرتی تھیں اس لیے عورت اِس ذوق کو لے کر پیدا ہوتی ہے جو فطرت نے اِس کے لیے مخصوص کردیا ہے اور مرد اپنے مذاقِ فطری میں استقدر تغیرات دیکھ چکا ہے کہ وہ بغیر کسب و اکتساب

کے، محض خالص ادعائے فطرت کے لحاظ سے، کوئی کام دنیا کا نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب عورت کسی ایسے مسئلے پر گفتگو کرتی ہے جو اُس کی جنس یا اُس کے مشاغل سے متعلق ہوتا ہے، تو اُس کا بیان بہت وسیع، مؤثر اور پُر از معلومات ہوتا ہے۔

یہ ترقی جس کا ذکر کیا جا رہا ہے، دو قوتوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ قوتِ حیوانی و قوتِ روحانی۔ اِن دونوں قوتوں میں ہمیشہ جنگ ہوتی رہتی ہے۔ قوتِ اولیٰ ترقی کی مخالف اور ہلاکت کی طرفدار ہے، قوتِ ثانیہ ارتقا کی محرک ہے اور وسعتِ تہذیب کی معاون، اس لئے اگر تمھیں کوئی ایسی قوم نظر آئے، جو اپنے اخلاق کے لحاظ سے پست ہے، تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کی قوتِ روحانی سلب ہو گئی ہے، اور قوتِ حیوانی اِسے ہلاکت کی جانب لئے جا رہی ہے۔

مذہب طبیعئین کا مشہور نظریہ ہے کہ دنیا میں تنازع للبقا، عام طور سے جاری ہے اور صرف وہی فرد باقی رہ سکتا ہے، جو اصلح و اقویٰ ہو، اور اِس کا ثبوت وہ دنیائے نباتات و حیوانات سے دیتے ہیں۔ اِس میں شک نہیں کہ فطرت کا یہ قانون بڑا زبردست قانون ہے اور اِس میں کسی کی رعایت نہیں کی جاتی۔ لیکن جسمانی، معاشری، اخلاقی تعزیریں، جو فطرت کی طرف سے نوعِ انسان پر جاری ہوتی رہتی ہیں، وہ بہت زیادہ عبرتناک ہیں، عالمِ حیوانات میں بھی ہر وہ نوع جس کی مادہ ہلاک کر ڈالی جاتی ہے، بہت جلد نیست و نابود ہو جاتی ہے، اِس لئے ظاہر ہے کہ نوعِ اِنسان میں اس کے اثرات اور زیادہ شدید و قوی ہوں گے۔

تم کسی قوم کی تاریخ اٹھا کر دیکھو تمھیں معلوم ہوگا کہ اس کی صحیح ترقی کا زمانہ وہی تھا
جب اُس کی عورتیں بہتر حالت میں تھیں، گویا عورت کی ترقی اور قوم کی ترقی ایک ہی چیز
تھی۔ اِسی طرح ایک قوم کا بدترین زمانہ وہ ہوا ہے جب اُس نے عورت کا احترام ترک
کر دیا، اور اِس طرح خود عورت اپنی عزت و وقعت کو بھول گئی، گویا عورت کی تحقیر و ادبار
دونوں مترادف ہیں۔ یہی وہ نکتہ نظامِ کائنات کے متعلق اسلام کے پیشِ نظر تھا کہ اُس
نے عورتوں کی اِصلاح کو اہم امورِ اسلامی میں جگہ دی۔

اب ہم ابوابِ سابقہ پر ایک تبصرہ کرتے ہوئے ملخصاً عورت کی تاریخ پر علم الانسان
کے نقطۂ نظر سے، روشنی ڈالتے ہیں جس سے یکجائی طور پر معلوم ہو سکیگا کہ عورت
نے زمانۂ قدیم میں کیا کیا اور اِس کے احسانات تمدنِ عالم پر کس قدر وقیع و عظیم ہیں
یوں تو ہم عورت کے تمام خدمات کا خلاصہ اِس طرح ظاہر کر سکتے ہیں کہ اِس نے
جغرافیہ و تاریخ کے تعلق کو متحقق کیا، اِس نے عالمِ نباتات و جمادات و حیوانات پر
اپنے تصرف کو قایم کیا، اِس نے علاوہ قوائے جسمِ انسانی کے، دوسری قوتوں سے
بھی کام لیا، اِس نے مختلف فنون اختراع کیئے، اُس نے معاشرت کے اُصول مرتب
کیئے، زبان ایجاد کی، مذہب کو ترقی دی، لیکن چونکہ محض یہ دعویٰ مفید یقین نہیں ہو سکتا
تھا اِس لیئے اس کتاب میں تاریخی نقطۂ نظر سے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے اور اس
باب میں ہم اِس پر اجمالی نگاہ ڈالتے ہیں۔

زمین کو جغرافیۂ طبعی کے ماہرین نے مختلف حصّوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر حصّہ کا

ایک الگ نام رکھا ہے۔ یہ تقسیم بہ لحاظ پیداوار و ذرائع ترقی و نیز باعتبار حیوانات و اسباب آبادی کی گئی ہے، جس میں نہ صرف آب و ہوا کا خاص طور سے لحاظ رکھا گیا ہے، بلکہ ملک کے نشیب و فراز، ذرائع آب رسانی و سواحل وغیرہ سے بھی اعتنا کیا گیا ہے، کیونکہ ان چیزوں کا تعلق اُس ملک کی آبادی و ترقی سے بہت قریب کا تعلق ہے اور انھیں کو دیکھ کر حکم لگایا جاتا ہے کہ انسان نے ابتدائی حالت میں فلاں ملک میں کیا ذرائع، جزئیات کے لیے اختراع کیے ہونگے اور کیونکر اُس نے آہستہ آہستہ ترقی کی ہوگی۔

یہ صحیح ہے کہ تمام ممالک میں اُس وقت مرد کا صرف ایک ہی مشغلہ تھا اور اُس کی تمام ذہانت انھیں آلات و اوزار کی ساخت پر صرف ہوتی تھی، جو اس کے مشغلۂ شکار کے لیے مفید و ضروری تھے۔ یقیناً ان اوزار کی شکل و صورت میں، ہر ملک کے لحاظ سے کچھ فرق تھا، لیکن وہ اعتنا کے قابل نہیں۔ کیونکہ اوّلاً تو وہ فرق نہایت خفیف تھا اور دوسرے اُس فرق سے اصل مقصود کے حصول میں کوئی حرج یا زیادہ آسانی نہ تھی۔ لیکن جس وقت جمادات سے کام لے کر مرد صرف شکار کرنے کے آلات تیار کر رہا تھا، اُس وقت عورت اس سے چاقو، برتن، چکیاں وغیرہ تیار کر رہی تھی اور اگر نگاہِ انصاف سے دیکھا جائے تو معلوم ہوسکتا ہے کہ عورت کے اختراعات کس درجہ مفید و مکمل تھیں کہ شکار کرنے کے آلات و اوزار آج بالکل بدل گئے ہیں لیکن عورت کی ان قدیم چیزوں میں حقیقت کے لحاظ سے کوئی تغیر نہ ہوا گو صورت کے لحاظ سے ہوگیا ہو۔ پھر پانی کے چشموں اور نالوں سے جو تعلق عورت کو تھا وہ بھی

جمادات کے ہی سلسلہ میں شمار کیا جائیگا۔ آج بھی تمام ممالک میں جسقدر کام پانی کی مدد سے پورے ہوتے ہیں اُن میں اکثر و بیشتر عورت ہی حصّہ لیتی ہے۔ افریقہ، امریکہ ایشیا میں ہر جگہ پانی لانا، اُس کو حفاظت سے رکھنا، اُس سے اپنی کھیتیاں سینچنا، عورت ہی کے اہم فرائض میں داخل ہے۔ عالم جمادات سے متعلق اس نے ایک اور ایسی چیز بنائی جو آج بھی اُسی حالت میں پائی جاتی ہے، یعنی نمک اس سے قبل بیان کیا جاچکا ہے کہ کس طرح عورت نے اوّل اوّل نمک کو دریافت کیا اور کس طرح بعض درختوں سے شورہ نکالنے میں کامیاب ہوئی۔ پھر اسی کے ساتھ برتن بنانے کے سلسلے میں کان کنی، مختلف قسم کی مٹیاں تیار کرنا، سوپ اسٹون پتھر کے خواص دریافت کرنا، یہ سب عورت ہی کے کام تھے اور اس میں مرد کوئی حصّہ نہ لیتا تھا۔ عالمِ نباتات سے عورت کا جس قدر تعلق ہے، وہ ایسا وسیع ہے کہ اگر کوئی چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ فطرت نے گویا اُسے عورت کے لیئے ہی مخصوص کر دیا تھا۔ نباتات کے چار خاص مصرف تھے، اِس کو غذا بنانا، اِس سے ریشے نکالنا، لکڑیاں مختلف کاموں کے لیئے حاصل کرنا اور اِن کو بونا، اِن چاروں استعمالات سے عورت کو جس قدر تعلقات تھے وہ بیک نظر معلوم ہو سکتے ہیں جڑوں، بیلوں، بیجوں کو اکٹھا کرنا، بار کر کے لیجانا اِن کے خرمن بنانا، پکانا، سب عورت ہی کے ذمّہ تھا۔ وحشی مردوں نے کبھی غذائے نباتات کے متعلق کوئی خدمت انجام نہیں دی۔ اِسی طرح وہ پودے، جو دوا کے کام میں آتے تھے، اُن کو بھی عورت ہی جمع کرتی تھی، اور اُسی نے اِن درختوں کے

خواص معلوم کرکے، دنیا کی سب سے پہلی قرابادین جمع کی۔ چھالوں، گھاس اور چربیلی
کو جمع کرنا، اِن کو پھاڑنا، بل دینا، رنگنا اور چمڑاں سے ٹوکریاں بنانا، جال تیار کرنا
کپڑا بننا عورت ہی کی ایجاد ہے۔ جس میں مرد کا کوئی حصّہ نہیں۔ اور اگر کبھی کوئی مرد
حصّہ لیتا بھی تھا، تو اُس وقت جب اس کی نسبت طے ہو جاتا تھا کہ وہ مردوں میں شمار
کیئے جانے کے قابل نہیں ہے۔

آج پارچہ بافی نے جس قدر ترقی حاصل کر لی ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں، لیکن اُس کے
تمام اُصول و ذرایع وہی ہیں، جو زمانۂ قدیم کی وحشی عورت نے دریافت کیئے تھے،
صرف آلات میں فرق ہو گیا ہے اور سائنس نے وقت کو وسیع کر دیا ہے، یعنی جو کام پہلے
دنوں میں ہوتا تھا وہ اب ساعتوں میں ہو جاتا ہے، مگر اختراع و ایجاد کا فخر زمانۂ قدیم
کی عورت ہی کو حاصل ہے، اور وہی اُس کی مؤسّس اوّل ہے۔ لکڑی سے کام لینے
میں عورت نے اپنا وقت زیادہ صرف نہیں کیا، اِس نے صرف ایندھن جمع کیا خیمہ
کے ستون بنائے، اور چھالوں سے یا لکڑی کے ٹکڑوں کو کھود کر رکابیاں تیار کیں لیکن
کشتیاں اور آلاتِ حرب بنانے میں زیادہ تر مرد ہی نے حصّہ لیا، اِسی سلسلے میں
زراعت اور باغبانی کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے، کیونکہ نہ صرف زمانۂ قدیم میں، بلکہ اس وقت
بھی عورت ہی بہترین مزارع و باغبان ہے۔

عالمِ حیوانات میں بھی عورت کے کارنامے کثیر ہیں۔ ہر چند وہ عام طور سے جانور کا شکار
نہ کرتی تھی، لیکن مچھلیاں پکڑنا، اِس کے خاص مشاغل میں سے تھا۔ شکار کے بعد

گوشت کو علحدہ کرنا، اُسے پکانا، کھال کو صاف کرنا، اور اس کی چیزیں تیار کرنا، زمانہ قدیم میں صرف عورت کا کام تھا۔ کپڑا سینا، لباس تیار کرنا، سمور بنانا، سب جنس نازک سے وابستہ تھا، اور مرد اِن فنوں کے نکات سے ناواقف تھا۔ جانوروں کو پالنے کا خیال سب سے پہلے عورت ہی کو پیدا ہوا۔ لیکن اوّل اوّل مقصود یہ نہ تھا کہ اُن سے سواری کا کام لیا جائے، بلکہ صرف اُون اور دُودھ کے لیئے اِن کی پرورش کی جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ اُن سے باربرداری کا کام بھی لیا جانے لگا، گھوڑا، اونٹ گائے، گدھا، کتا، نہ صرف باربرداری کے جانور تھے بلکہ اُن سے اور کام بھی لیئے جاتے تھے، مثلاً کتا کہ اس سے شکار میں بھی مدد لی جاتی تھی یا اونٹ وغیرہ کہ اُن کا دُودھ بھی نکالا جاتا تھا۔ پھر کھال حاصل کرنے کی غرض بھی اس میں شامل تھی، کیونکہ اُن کے مرجانے بعد اُن کے چمڑے کو بنا کر، عمدہ ملبوس تیار کیا جاتا تھا بھیڑ، بکری کی پرورش زیادہ تر دُودھ اور اُون حاصل کرنے کے لیے تھی۔ اِس میں کلام نہیں کہ عورت کا یہ اکتشاف، کہ بہت سے جنگلی جانوروں سے دُودھ بھی حاصل کیا جاسکتا ہے، ترقی قوم کے لیئے ازبس مفید ثابت ہوا۔ کیونکہ بچّوں کی پرورش میں اِن جانوروں کے دودھ سے بہت مدد ملتی تھی اور اگر ایک طرف بچّے زیادہ محفوظ رہتے تھے تو دوسری طرف عورتوں کو نہ صرف کافی وقت ملتا تھا کہ وہ دیگر مشاغل میں مصروف ہوسکیں، بلکہ وہ کمزور ہونے سے بھی محفوظ رہتی تھیں۔

زمانہ قدیم میں انسان دیگر قوائے عالم و آلات جرِّ ثقیل وغیرہ سے ناآشنا تھا

اور اس طرف اس نے نہایت آہستہ آہستہ قدم اُٹھایا، لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایک وقت آیا، جب مرد نے بعض بھدے آلات تیار کیے، اور اس کی مدد سے اس نے اپنی محنت کو زیادہ قوی الاثر بنایا، لیکن پہیہ کا وجود اس وقت تک نہ تھا، یہ فخر عورت ہی کو حاصل ہے کہ سب سے پہلے اس نے چرخہ میں ایک گردش کرنے والے پہیّہ کو اختراع کرکے ایک ایسی چیز عالمِ ایجاد میں پیدا کی، جس پر اس وقت بھی دنیا کے تمام مہذّب اقوام کی صنعت و حرفت منحصر ہے۔ انجن، جہاز کے علاوہ تمام کارخانوں میں خواہ وہ کسی فن سے متعلق ہوں، صرف پہیّہ ہی ایک ایسی چیز ہے کہ اگر اس کو علحدہ کردیا جائے تو سارا انتظام درہم برہم ہو جائے، اور مشینیں بیکار ہو جائیں۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مشینوں کے متعلق عورتوں کے کارنامے بہت زیادہ وسیع نہیں ہیں۔ البتہ فطرت کی دوسری قوتوں سے زمانۂ قدیم کی عورت نے بہت کام لیا۔ مثلاً آگ سے اشیاء کو گرم کرنا، پکانا، خشک کرنا، غریب عورت ہی کا کام تھا اور اس وقت تک کہ تصفیۂ فلزات کا عہد نہیں شروع ہوا، آگ کا تعلق صرف عورت ہی سے تھا۔ اسی طرح پانی سے زراعت کو سینچنا اور ہوا کی مدد سے کشتیوں کو چلانا خیموں سے دُھوئیں کو دُور کرنا، عورت ہی کے اکتشافات و اختراعات ہیں۔

اگر وحشی عورت کے خانگی مشاغل کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ اس نے صناعاتِ حُسن کے پیدا کرنے میں کتنا بڑا حصّہ لیا ہے۔ افریقہ، امریکہ، ایشیا، اوشنیا، ہر جگہ تم ایک وحشی عورت کے مشاغل کو دیکھ کر متحیر ہو سکتے ہو۔ اسکیمو

عورت کا ہڈی کی سوئی اور بشوں کے تاگے سے لباس سینا، امریکہ کی وحشی عورتوں کا عجیب و غریب ٹوکریاں تیار کرنا، پالی نیشیا میں اُن کا چھال اور پروں سے مختلف چیزیں بنانا، افریقہ میں اُن کا کپڑے بننا، پوبلو کی عورتوں کا ظروف تیار کرنا، یہ تمام فنون و مشاغل اس قدر تکمیل کے ساتھ پائے جاتے ہیں کہ اگر تم آج بھی کسی مہذب ملک کی موجودہ نسل کے انھیں مشاغل و فنون سے مقابلہ کروگے، تو تمھیں انھیں وحشی عورتوں کے نتائج سعی کو ترجیح دینی پڑیگی۔ رنگ سازی، نقاشی، بُننا، ڈھالنا اور دیگر مصنوعات میں ریاضی کے مختلف اشکال سے حُسن پیدا کرنا، عورت ہی کی ایجاد ہے، اور اگر جنس نازک اس پر فخر کرے تو اس کا افتخار بے محل نہوگا۔ وہ محض اپنی نگاہ کے فیصلہ اور ہاتھ کی حرکت سے اپنے مصنوعات میں بہترین حُسن پیدا کر سکتی تھی، حالانکہ آج اس کے لیے مشینوں کی ضرورت ہے، جس سے ادراک حُسن کی وہ اہلیت جو قبل اختراعِ مشین ہر شخص کے دماغ میں فطری طور پر ودیعت تھی، بالکل مفقود ہوتی جاتی ہے۔

زبان کی ایجاد و تحفظ اور اس کی اشاعت کے متعلق عورت نے جو کچھ کیا وہ قریب ہی کے باب میں بیان کیا جا چکا ہے اور دوبارہ تفصیل کی ضرورت نہیں، لیکن اجمالاً یہ پھر ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ مختلف اشیا کے نام اور مختلف حالتوں کے اظہار کے لیے، جو الفاظ ہیں اُن کا مجموعہ زبان کہلاتا ہے۔ پھر چونکہ عورت اپنے ساتھ دنیا میں بہت سے مشاغل لائی اور اس نے بہت سے فنون کی بنیاد ڈالی

اس لیے ظاہر ہے کہ اُن کے متعلق تمام اشیاء کا نام بھی اُسی نے رکھا ہوگا اور اُن چیزوں کے مختلف کیفیات و حالات کے اظہار کے لیئے الفاظ بھی اِسی نے اختراع کیئے ہونگے۔ چونکہ انتظامِ خانہ داری کے سلسلہ میں اس کا تعلق نہ صرف اپنے خاندان کے تمام افراد، بلکہ اپنی قوم اور جوار کے لوگوں سے بھی شدید تھا، اِس لیئے عورت مجبور تھی کہ وہ اپنے خیالات دوسروں پر ظاہر کرے اور دوسروں کے خیالات معلوم کرے اور یہی وہ مجبوری تھی جو اختراعِ زبان یا گفتگو کا باعث ہوئی۔ نطق کے تحفظ و اشاعت میں عورت کا جتنا حصّہ ہے مخفی نہیں۔ کیونکہ بچوں کے ایامِ رضاعت میں جو کم از کم پانچ سال کا زمانہ ہوتا تھا، اُن کو زبان سکھانا اور مختلف ممالک میں سیر و سیاحت کی وجہ سے، خواہ وہ سیر و سیاحت بخوشی رہی ہو، یا بہ مجبوری، زبان کا زمین کے مختلف حصص میں تبلیغ کرنا، عورت ہی کا کام تھا۔ جس طرح وہ اپنے ساتھ مختلف پیشوں کو لے جا کر چاروں طرف رائج کر رہی تھی، اسی طرح وہ زبان کو بھی وسیع و عام کرتی جاتی تھی۔

دنیا کا معاشری نظام بھی سب سے پہلے عورت ہی نے قایم کیا، کیونکہ اُس کی ابتدا اگر کسی تعلق سے ہوتی ہے، تو وہ ماں اور اس کے بچہ کا تعلق ہے جو نہ صرف زمانۂ قدیم میں، بلکہ آج بھی معاشری زندگی کا بڑا استوار منظر ہے۔ اب ممکن ہے کہ مرد کا تعلق اپنی اولاد سے اس قدر شدید ہو کہ اسے بھی گھر کی اس مختصر انجمن میں کوئی نمایاں جگہ مل جائے، لیکن زمانۂ قدیم میں یقیناً اس کا تعلق اپنے بچوں

سے بہت کم یا بالکل نہیں تھا، اور صرف ماں کا وجود ایک ایسا وجود تھا جو پرورشِ طفل کے سلسلہ میں ایک غیرفانی حسنِ معاشرت کی بنیاد ڈال رہا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ تمام اقوام کے علم الاصنام میں دیوی مائیں کثرت سے پائی جاتی تھیں، اور تمام وحشی زمین کو بھی ماں ہی سمجھ کر اس کی پرستش کرتے تھے۔ زمانۂ قدیم میں انسانیت کی معاشری ترقی جب انتخابِ طبعی کے لیے، دنیا کے تمام ذرائع کو تلاش کر رہی تھی، تو سب سے بڑا ذریعہ جو اُس کو ملا، وہ زمانۂ رضاعت کی درازی تھی۔ لیکن یہ کیسی حیرت ناک بات ہے کہ جو چیز معاشرت کی ترقی کا باعث ہوئی، وہی ترقیِ معاشرت کی تکمیل کے بعد ترک کی جانے لگی۔ زمانۂ قدیم میں اُس وقت تک کہ دُودھ دینے والے جانوروں کے پالنے کا رواج نہ تھا، بچہ کو صرف ماں کے دُودھ پر قناعت کرنی پڑتی تھی، یہاں تک کہ بااوقات سال کی عمر تک ماں کے سینے سے لگا رہتا تھا۔ پھر جب جانوروں کا دُودھ دستیاب ہونے لگا، تو ماں کی تکالیف، ایامِ رضاعت کی کچھ کم ہوئیں۔ خیر اس حد تک بھی غنیمت تھا لیکن جوں جوں زمانہ ترقی کرتا گیا، اِس میں بھی تغیرات ہوتے رہے، یہاں تک کہ ماں نے دُودھ پلانا ہی چھوڑ دیا اور یہ خدمت دائیوں کے سپرد ہوئی۔ پھر اس پر بھی کفایت نہ کر کے ایک قدم اور بڑھایا گیا اور دائیوں کو بھی اس خدمت سے سبکدوش کر کے صرف مصنوعی دُودھ پر بچوں کی پرورش کا انحصار رہ گیا، جس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ وہ فطری تعلق جو ماں اور بچے کے درمیان ہونا چاہیے، کم ہو گیا، جس کا خراب اثر نسلِ انسانی پر پڑنا لازم ہے۔

زمانہ قدیم کے نظام قبائل میں مرد کا حصہ بہت کم تھا۔ قبیلہ کا نام عورت ہی کے نام سے ماخوذ تھا، اور بچوں کے نام بھی ننھیال کے نام پر رکھے جاتے تھے۔ وہی خاندان کا شیرازہ یکجا رکھتی تھی اور وہی گھر کی سب سے بڑی ادب آموز ہستی سمجھی جاتی تھی۔

مذہب کے مسئلہ میں عورت کے کارنامے نہ صرف اس لحاظ سے وقیع ہیں کہ اس نے مذہب کی بنیاد ڈالنے میں بڑا حصہ لیا، بلکہ اس حیثیت سے بھی قابل احترام ہیں کہ جو عزت و عظمت، مذہب کی عورت کے دل میں قایم ہوتی ہے، اس سے اکثر مردوں کی طبیعتیں محروم رہتی ہیں۔ اور اس کی وجہ یہی ہے کہ عورت فطرتاً جلد متاثر ہونے والا اور دیر تک متاثر رہنے والا دل رکھتی ہے۔ عالم ارواح کی نسبت اس کے اعتقادات جس قدر مستحکم ہوتے ہیں، مردوں کے نہیں۔ زمانۂ قدیم میں وہ اپنی زندگی کے ہر تغیر کو قسمت سے تعبیر کرتی تھی اور سمجھتی تھی کہ اس کی حیات کا ہر لمحہ وابستہ ہے آسمان کے عالم ارواح سے۔ وہ اپنے تمام مشاغل کا دیوتاؤں اور دیویوں کے نام تہدیہ فرض جانتی تھی۔ اور اس کو یقین تھا کہ اس کی زندگی جس قدر مصروف مشغول ہوگی، اسی اعتبار سے آسمانی دیویاں اس سے خوش رہینگی اور برکت دینگی۔ چونکہ یہ خیال و اعتقاد اس کا بہت قوی تھا، اس لیے وہ ایک لمحہ کے لیے بھی بیکار بیٹھنا گوارا نہ کرتی تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف پیشے اس کے اس اعتقاد کے ماتحت قایم ہوگئے، اور تہذیب و تمدن میں وسعت پیدا ہونے لگی۔ میں سمجھتا ہوں

کہ اس حد تک زمانۂ قدیم کی عورت کے کارناموں کا اجمالی بیان کافی ہے اور اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ عورت کے احسانات دنیا اور دنیا والوں پر کیسے وقیع ہیں

اگر فلسفیانہ نقطۂ نظر سے کوئی شخص اس مسئلہ پر غور کریگا تو وہ ضرور اس سے یہی نتیجہ اخذ کریگا کہ دنیا کی کوئی قوم اُس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی، جب تک خود عورت کو ترقی کا خیال نہ ہو، اور عورت کا ترقی کرنا سوائے اِس کے کچھ نہیں ہے کہ وہ اپنی حیات منزلی کے تمام نشیب و فراز و جملہ نکات سے واقف ہو کر اپنے اولاد کی تربیت اُن اُصول کے زیرِ اثر کرے، جو ننھے ننھے دلوں میں کام کرنے کا شوق اور تحقیق و جستجو کا ولولہ پیدا کر سکتے ہیں۔

چونکہ زمانۂ قدیم کی عورت اپنے مشاغل کے لحاظ سے، یکسر محنت و جستجو اور ہمہ تن تلاش و کاوشش تھی، اِس لیئے جس وقت بچہ اپنی ماں کی آغوش میں آنکھ کھولتا تھا تو وہ سوائے حرکت و عمل کے کسی اور چیز کو دیکھتا ہی نہ تھا۔ ماں کے ساتھ وہ ایک جگہ چین سے نہ بیٹھ سکتا تھا اور وہ مجبور تھا کہ اپنے دماغ میں بھی وہی نقوشِ محنت و عمل قایم کرے، جن کو وہ اپنے چاروں طرف منتشر دیکھتا تھا۔

یقیناً آج نہ وہ اُصولِ تمدن باقی ہیں جو زمانۂ قدیم میں پائے جاتے تھے اور نہ وہ مشاغلِ حیات زندہ ہیں جو قدیم عورت کی خصوصیات میں سے تھے، بہت سے وہ کام، جن کو کبھی صرف عورت کرتی تھی، مردوں نے اختیار کر لیئے ہیں۔ اور ایک حد تک عورت کے لیئے میدانِ ترقی نظر آتا ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ

موجودہ اصولِ ترقی کے لحاظ سے بھی اپنے اندر کام کرنے کا ولولہ پیدا نہ کرے۔

تعلیم یافتہ طبقوں میں بھی عورت اس سے زیادہ ترقی کرتی ہوئی نظر نہیں آتی کہ وہ کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ لیتی ہے اور ضرورت کے مطابق سینا پرونا، لیکن اس کو کسی وقت غور کرنا چاہیئے کہ جب زمانۂ وحشت میں وہ اس قدر ترقی کرنے کی اہل تھی، تو کیا موجودہ عہد میں وہ کوئی ترقی نہیں کرسکتی ؟

یہ صحیح ہے کہ جب تہذیب اپنے مناسب وجائز حدود سے بڑھ جاتی ہے، تو مذاقِ تعیش لوگوں میں پیدا ہوجاتا ہے، لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ اسی وقت ہوتا ہے جب زمانہ کسی قوم کو نیچے گرا کر پھر اسی نقطہ پر پہنچا دینا چاہے جہاں سے اس قوم نے اپنا سفر شروع کیا تھا۔

چونکہ اولاد کی تربیت، عورت کے سپرد ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ اگر وہ ترقی کے صحیح اصول کو نظرانداز کردیگی، اگر وہ ارتقا کے اس فلسفہ کو جو کسی وقت اسی کی ذات سے قایم تھا، بُھلا دیگی، تو پھر قوم کے فرزند ہرگز اس قابل نہ ہوسکیں گے کہ وہ دنیا میں کچھ کام کریں اور اپنے عروج و زوال کے مسئلہ پر غور کرسکیں۔ عورت کے اختیار میں ہے، چاہے وہ اپنے بچوں کی اچھی تربیت کرکے قوم کے مستقبل کو شاندار بنا دے، چاہے وہ اپنی اولاد کی اخلاقی حالت سے غافل ہوکر اس کو تباہ و برباد کردے۔

عورت کے جسم و دماغ کی ساخت ہی صرف اس لیئے نازک بنائی گئی ہے تاکہ

وہ دنیا کے اُن ہنگاموں میں حصہ نہ لے سکے جن کا مقابلہ کرنے کے لیئے صرف مرد وضع کیا گیا ہے۔ اُس کا کام ان جذبات کی پرورش کرنا ہے، جن کا تعلق امن و سکون سے ہے، نہ کہ شور و ہنگامے سے، اگر عورت مرد کے دوش بدوش تمام مردانہ مشاغل میں حصہ لینے کے لیئے آمادہ ہو جائے، تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اُن کو پورا نہیں کر سکتی، لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ اقتضائے فطرت کے خلاف چلنے والی کہلائی جائیگی اور کائنات کا نظام، جس میں نازک و کرخت، نرم و خشن دونوں پہلو برابر رکھے گئے ہیں، درہم و برہم ہو جائے گا۔

ہندوستان میں جب سے مغربی تہذیب کو درخور حاصل ہوا ہے، عورتوں کے اندر ایک ناخوشگوار انقلاب محسوس کیا جا رہا ہے۔ یوں تو بظاہر تعلیم بڑھتی جاتی ہے، ملبوس و وضع کی خوش سلیقگی نمایاں طور سے ترقی کرتی جا رہی ہے لیکن اسی کے ساتھ عورت کی وہ حقیقی نسائیت جو صحیح معنی میں قبل تعلیم پائی جاتی تھی، اب مفقود ہوتی جاتی ہے اور اخلاقی حالت مائل بہ پستی نظر آ رہی ہے۔ وہ وقت جو پہلے گھر کے کاموں، اولاد کی تربیت، شوہر کی فکر آسایش میں صرف کیا جاتا تھا، اب اپنی ذات کے زیبایش و آرایش میں بسر ہوتا ہے۔ اور وہ دماغ جو پہلے خاندان کے ذریعہ روایات کی حفاظت میں منہمک رہتا تھا، اب بے جا نمود و نمایش اور لہو و لعب کی طرف مائل رہنے کا متمنی ہے۔

ایسا کیوں ہے؟ اب عورت وہ روحانی تسلیات ہم کو کیوں نہیں پہنچا سکتی؟

اِس کے لطف و رافت، محبت و ہمدردی سے ہم کیوں محروم ہیں ؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا
جواب مغرب کے تمام سنجیدہ و مہذب ممالک میں زیرِ غور ہیں۔ کیونکہ وہاں کی عورت
اپنی نسائی خصوصیات کو عرصہ ہوا خیرباد کہہ چکی ہے اور اِس لیئے وہاں کی سوسائٹی اِس
نقصانِ عظیم سے اِک زمانۂ دراز سے متاثر ہے۔

اگر ہندوستان میں بھی عورت کی رفتارِ ذہن اسی طرح قایم رہی جیسی اب تعلیم یافتہ
طبقوں میں دیکھی جاتی ہے، تو وہ وقت دُور نہیں، جب ہم بھی اِس تباہ کن ساعت سے
دوچار ہوں اور ہماری زندگی بھی اِسی طرح تلخ ہو جائے، جیسی آج کل مغرب کے مردوں
کی ہے۔ پھر دیکھنا چاہیئے کہ اِس میں قصور کس کا ہے؟ جہاں تک غور کیا جاتا ہے اس میں
پہلی غلطی مرد کی ہے، جس نے عورت کو اپنے فرائض سے متجاوز ہونے پر مجبور کیا۔ اور
دوسری غلطی عورت کی ہے، جو اپنی گزشتہ تاریخ کو بھول گئی۔ اِس لیئے مرد اس کتاب کو
پڑھیں اور معلوم کریں کہ عورت کا فطری مذاق کیا ہے۔ اور اس سے عورت کو ہٹانا دنیا پر ظلم
کرنا ہے۔ اور عورتیں ان اوراق کا مطالعہ کریں اور سمجھیں کہ ان کی حقیقی عظمت کا راز کیا
ہے؟ اور نسائیت سے کیا مُراد ہے؟ کیونکہ وہ وقت جب عورت، عورت نہ رہیگی، بڑا سخت
وقت ہوگا، اِس حال میں کہ وہ مرد بھی نہیں بن سکتی۔ پھر فطرت ایسی متحمل نہیں کہ وہ اپنی
دنیا میں ایک ایسی تیسری جنس کو جسے اس نے کبھی پیدا نہیں کیا، قایم رہنے دے!!!

نیاز فتحپوری

یکم اگست سنہ ۱۹ء بھوپال ۱۵ ستمبر سنہ ۱۹ء